مجموعۂ قوانینِ اسلام

جلد اول

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن (تمغۂ امتیاز)
جج سندھ ہائی کورٹ

مجموعۂ قوانینِ اسلام

جلد اوّل

قانون ازدواج

(نکاح ۔ مہر ۔ نفقہ)

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

ایم ۔ اے ایل ایل ۔ بی ۔ پی ایچ ۔ ڈی

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی
الجامعة الاسلامية العالمية
اسلام آباد ۔ (پاکستان)

مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
نمبر ۵(۴)

طبع اوّل ۱۹۶۵ء اشاعت دوم ۱۹۸۱ء اشاعت سوم ۱۹۸۷ء اشاعت چہارم ۲۰۰۰ء
اشاعت پنجم ۲۰۰۴ء اشاعت ششم ۲۰۰۷ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی
کوائف فہرست سازی دوران طباعت

تنزیل الرحمٰن
مجموعہ قوانین اسلام، جلد اوّل : قانون ازدواج
(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ سلسلہ مطبوعات نمبر ۵(۴)
کتابیات : ۳۲۹-۳۳۱
اشاریہ : ۳۳۲-۳۴۳
ISBN 969 - 408 - 005 - 3
۱۔ فقہ اسلامی ۲۔ قانون ازدواج - پاکستان
الف۔ عنوان ب۔ عنوان : قانون ازدواج

340.59 ج ۱ اشاعت پنجم ۲۰۰۴

قیمت : 175.00 روپے

مطبع : ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

چیف جسٹس پاکستان ، عالی مرتبت جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس

کے نام

جن کی تقریریں پاکستان میں اسلامی قانون کی ترویج و نفاذ
کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

* منجانب مؤلف کتاب ۔ (اشاعت اول ۱۹۶۵)

* ھدیۂ تشکر

سپریم کورٹ پاکستان کے جج ، محترم و مکرم جناب ڈاکٹر جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن ملک کی ہردلعزیز و مایۂ ناز شخصیت ہیں ۔ مجھے یہ افتخار حاصل رہا ہے کہ موصوف نے اس ناچیز کی علمی و ادبی کاوشوں کو ہمیشہ سراہا ہے ۔

موصوف نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں ابتدا ہی سے میری رہ نمائی فرمائی ، پورا مسودہ دیکھا اور بیش بہا مشوروں سے نوازا ۔ موصوف کا فیضان شامل حال نہ ہوتا تو یہ کتاب شاید وجود میں نہ آتی ۔

اُن کی خدمت میں تہہ دل سے ھدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں ۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
پرسش ہے، اور پائے سخن درمیاں نہیں

* منجانب مؤلف کتاب (۱۹۶۵ء)

فہرست مندرجات

شرح قانون نکاح

پہلا باب ۔ ابتدائی

دوسرا باب ۔ مختلف فرقوں اور مذاہب کے درمیان نکاح

تیسرا باب ۔ انعقاد اور جواز نکاح

چوتھا باب ۔ صحیح، فاسد اور باطل نکاح

پانچواں باب ۔ ولایت نکاح

چھٹا باب ۔ خیار بلوغ

ساتواں باب ۔ کفاءت

آٹھواں باب ۔ خلوت صحیحہ

شرح قانون مہر

نواں باب ۔ مہر

شرح قانون نفقہ

دسواں باب ۔ النفقہ

پیش لفظ اشاعت سوم

ہمارے لئے یہ امر موجب مسرت و افتخار ہے کہ مجموعہ قوانین اسلام کے سلسلہ کو علماء وفضلاء، ماہرین قانون اور عام قارئین میں یکساں قبول عام حاصل ہوا ۔ اس سلسلے کی پہلی جلد جولائی ۱۹۶۵ء میں شائع کی گئی تھی ۔ یہ جلد دس ابواب پر مشتمل تھی جن میں اسلامی ضابطۂ ازدواج کے مختلف پہلوؤں پر صراحت سے روشنی ڈالی گئی تھی ۔ مارچ ۱۹۸۱ء میں اس جلد کے اسی ایڈیشن کو دوسری بار بلاترمیم و اضافہ شائع کیا گیا ۔ اب بحمدہ تعالیٰ اس کتاب کی تیسری اشاعت کا مرحلہ آیا تو یہ مناسب خیال کیا گیا کہ کتاب کی علمی افادیت میں مزید اضافہ کیلئے کتاب کے آخر میں دیئے گئے اشاریوں کو مزید وسعت دی جائے چنانچہ مضامین کے اشاریہ کے ساتھ شخصیات و مقامات کا اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے ۔ اس بدیہی ضرورت کا احساس موجود تھا کہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے نظائر کو اس اشاعت کی تاریخ تک مکمل کر دیا جائے ۔ مگر اس خواہش کی تکمیل موجودہ اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا باعث بن سکتی تھی ۔ اس لئے فی الحال ہم زیر نظر جلد کو اسی شکل میں پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں ۔ ان شاء اللہ العزیز آئندہ اس سلسلے کی تمام جلدوں کا ایک جامع اشاریہ شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے گا ۔

جلد میں فاضل مؤلف کی طرف سے جناب جسٹس (ریٹائرڈ) اے ۔ آر ۔ کارنیلس (A.R. Cornelius) کے نام انتساب بھی شامل تھا جو اس وقت پاکستان کی عدالت عظمٰی (سپریم کورٹ آف پاکستان) کے چیف جسٹس تھے ۔ اور ۲۲ فروری ۱۹٦۸ء کو اس عہدہ جلیلہ سے ریٹائرڈ ہوئے ۔ انتساب سے متصل مؤلف کی طرف سے جناب ڈاکٹر ایس اے رحمان کی خدمت میں چند سطور پر مشتمل ھدیہ تشکر اور اسی اشاعت میں جناب جسٹس ایس اے رحمان صاحب کی طرف سے ایک مختصر مگر فاضلانہ پیش لفظ بھی شامل تھا ۔ مرحوم جسٹس رحمان اس وقت سپریم کورٹ کے جج کے منصب پر فائز تھے۔ ۴ جون ۱۹٦۸ء کو عدالت عظمٰی کے چیف جسٹس کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ایک بھرپور علمی و ادبی و منصبی زندگی گزارنے کے بعد ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء کو اس دارفانی سے رحلت فرمائی ۔ یہ سب مواد مؤلف کے مفصل اور معلوماتی مقدمہ اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس وقت کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے دیباچہ سمیت اسی طرح بغیر کسی تبدیلی کے شامل اشاعت ہے۔

اب تک اس سلسلے کی پانچ مزید جلدیں مختلف اوقات میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ھیں ۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

جلد دوم ۔ قانون طلاق ۔ ۱۹٦۵: ۱۹۷٦ (بار دوم) : ۱۹۸۴ (بار سوم) ۔

جلد سوم ۔ قوانین نسب اولاد، حضانت، نفقۂ اولاد و آباء، ھبہ

اور وقف ۱۹۶۹: ۱۹۷۶ (بار دوم): ۱۹۸۵ (بار سوم) ۔

جلد چہارم ۔ قانون وصیت ۔ ۱۹۷۳: ۱۹۸۱ (بار دوم)۔

جلد پنجم ۔ قانون وراثت ۔ ۱۹۷۸: ۱۹۸۵ (بار دوم)۔

جلد ششم ۔ قانون شفعہ ۔ ۱۹۸۱

ہمیں توقع ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی یہ علمی پیشکش ارباب علم اور قانون کے پیشہ سے وابستہ احباب کیلئے یکساں مفید ثابت ہوگی ۔

وآخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

ڈاکٹر شیر محمد زمان

ڈائریکٹر جنرل

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۱ شعبان ۱۴۰۷ھ ۔ ۲۰ اپریل ۱۹۸۷ء

پیش لفظ

عالی جناب جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن صاحب
جج ، سپریم کورٹ ، پاکستان

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ۔ ملک کے دستور اساسی میں اس حقیقت کا اعتراف صریح الفاظ میں موجود ہے ۔ وضع قوانین کے ضمن میں جن اصولوں کو اس آئینی دستاویز میں شامل کیا گیا ہے ، ان میں اولیت اس قاعدۂ کلّیہ کو دی گئی ہے کہ کوئی ملکی قانون اسلام کے منافی نہیں ہوگا ۔ لہذا اہل علم کا یہ قومی اور ملّی فریضہ قرار پاتا ہے کہ وہ موجودہ ملکی قانون کا جائزہ لیں تاکہ مناسب ردّ و بدل کے بعد ، اسے اسلامی سانچے میں ڈھالا جا سکے ۔ ترمیم و اصلاح کا یہ کام اہم بھی ہے اور نازک بھی ۔ ایک طرف تو روایت پرست علماء کا طبقہ ہے جو اپنے ائمہ کے اقوال میں شوشہ بھر تبدیلی روا نہیں رکھتے اور ان کی آراء کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں ۔ ان کی دانست میں دین اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ملت مدید سے اپنی آخری صورت اختیار کر چکا ہے اور اس میں مزید تفکّر و تفقہ کی گنجائش نہیں ۔ یہ طبقہ عموماً علوم جدیدہ کی مبادیات سے بھی نا آشنا ہے اور عصر جدید کے تقاضوں سے بے خبر ۔ اسلاف کے صحیفوں سے سرمُو اختلاف ان کی نظر میں کفر کے مترادف ہے ۔ دوسری طرف وہ جدّت پسند طبقہ ہے جو مغرب کی خیرہ کن مادی ترقی سے مرعوب ہے اور دبستان جمود کے خلاف ردّ عمل میں دین بیزاری کی حد تک پہنچ چکا ہے ۔ یہ طبقہ اشتراکی کوچہ گردوں کا ہم نوا بن کر ''مذہب'' کو فطری ارتقاء کے راستے کا روڑا سمجھتا ہے ۔ اس کے نزدیک لادینی مملکت ہی ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ہے ۔

لیکن ان دونوں کے درمیان اعتدال پسندوں کی ایک جماعت بھی موجود ہے، جو زیادہ تر خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتی ہے ۔ تاہم وہ اس بات کی متمنّی ہے

کہ افراط و تفریط کے راستوں کو چھوڑ کر ، اُس صراط مستقیم پر چلے جو ''فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ'' کی منزل مقصود تک پہنچانے کی ضامن ہے۔ یہ جماعت نیک نیتی سے علوم دینیہ میں تحقیق و تدقیق کی حامی ہے تاکہ ائمۂ اسلاف کے پُر وقار کارناموں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ، قرآن حکیم اور مستند سنت کی روشنی میں ، فقہ اسلامی کی نئی تدوین کی جائے اور اس طرح ہم آج کل کے مسائل سے بوجہ احسن عہدہ برآ ہو سکیں۔ ''اکملت لکم دینکم'' کے ارشاد ربّانی کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ تغیر پذیر زندگی کے قافلے کو ابدی بنیادی اصول تو عطا کر دیے گئے ہیں تاکہ گم راہی کا سدّ باب ہو جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ مرور زمانہ اور موسم حیات کی تبدیلیوں کی مناسبت سے جزئیات زاد راہ کے معاملہ میں اہل قافلہ کو آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنی اجتماعی ضروریات اور ذیلی قواعد میں توافق پیدا کرتے رہیں۔

زیر نظر کتاب اسی سلسلۂ تحقیق کی ایک کڑی ہے۔ اس کے مؤلف جناب تنزیل الرحمٰن نے مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کی زیر نگرانی اسے ترتیب دیا ہے۔ مؤلف چونکہ عربی زبان جانتے ہیں ، اس لیے وہ اصل عربی مآخذ سے استفادہ کے اہل ہیں۔ بحیثیت ایڈوکیٹ وہ جدید قانونی ادب و مسائل سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ نہیں کہ جو کچھ انہوں نے قانون ازدواج کے موضوع پر لکھا ہے ، وہ حرف آخر ہے۔ لیکن میری نظر میں ، ایک اہم موضوع پر یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی سے پرانے مواد کو کھنگالا ہے اور جہاں انہیں قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف ہوا ہے ، انہوں نے دیانت داری سے اپنا نقطۂ نظر بیان کر دیا ہے۔ ان کی کتاب اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس راستہ کی نشان دہی انہوں نے کی ہے ، وہ کاروان علم و ذوق کے لیے موجب تشویق ثابت ہوگا اور یوں اس تعمیری فکری تحریک کی بنیاد پڑے گی جس کی اسلامی معاشرہ میں کمی، اپنے اور بیگانے' مدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

۶۵ - گلبرگ ، لاہور   ایس - اے - رحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کی رو سے مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ یہ ادارہ اسلامی تحقیقات اور تعلیم کا کام اس طریقے پر انجام دے کہ پاکستانی معاشرے کو ایک صحیح اور حقیقی اسلامی معاشرہ بننے میں موثّر و مددگار ثابت ہو۔ جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے یہ کام دو سطحوں یا میدانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور دونوں ہی اپنے اپنے لحاظ سے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک تو ہے اسلامی افکار و علوم کا میدان (جس میں تاریخ ، فلسفہ ، سیاسیات وغیرہ سب شامل ہیں) اور دوسرا میدان ہے فقہ یا اسلامی قانون کا۔ فقہ بھی اسلامی علوم و افکار میں ہی شامل ہے لیکن اس کے لیے ایک خاص فنّی تخصّص اور مہارت کی بھی ضرورت ہے جس کے لیے قرآن و سنت سے اسلامی احکام کی تخریج کا کام سر انجام پاتا ہے ۔ اور چونکہ اسلامی قانون سازی ایک دستوری فرض ہے جو بالخصوص پاکستانی ملت نے اپنے اوپر عائد کیا ہے اس لحاظ سے اس کام کی فوری اور حسّی ضرورت ایک جابرانہ انداز میں سامنے آئی ہے ۔

ہمارے معاشرے کے اندر جو نئی طاقتیں کار فرما ہیں مثلاً تعلیم کا عام سے عام تر ہونا ، صنعت کاری اور زرعی پیداوار کے نئے طریقے ، ان کے معاشرتی نتائج بہت دور رس ہیں اور یہ نئی طاقتیں جو بنیادی طور پر ملّت کے لیے خیر اور بھلائی کا پیش خیمہ ہیں روز افزوں ترقی کرتی جا رہی ہیں اور کرتی چلی جائیں گی ۔ آئندہ پچاس سال کو تو چھوڑیے ، پچیس سال کا عکس ہی پنجسالہ منصوبوں کے آئینے میں دیکھ لیجیے ۔ ان وسیع اور عمیق تبدیلیوں کا ، جو آنے والی ہیں ،

ہمارے لیے آج اندازہ کرنا اور ان کے لیے تیار ہونا از بس ضروری ہے۔ ہم میں سے ایک گروہ اس بات سے مایوسی کا اعلان کر رہا ہے کہ اسلام کے اندر ان نئے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت بھی موجود ہے! ایک دوسرا گروہ ان حالات سے دو چار ہونے کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا اور ایک خطرناک حد تک اس بارے میں اپنی قوت ارادی بھی کھوتا نظر آتا ہے۔ یہ اور بھی افسوسناک ہے، اس لیے کہ یہی حضرات اپنے آپ کو "علماء" اور علمائے سلف کا جائز وارث سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اگرچہ یہ اپنی نوعیت میں نئی ہیں لیکن یہ تصور کر لینا بالکل غلط ہے کہ اسلام کی تاریخ میں پہلی ہی بار اتنی تیزی سے اتنی وسیع تبدیلیاں معاشرے میں آ رہی ہیں۔ جب مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلد ہی بعد جزیرۂ عرب سے نکل کر برق تیزی کے ساتھ آس پاس کی دنیا میں بطور فاتح کے پھیلے تو اسی پیمانے پر نئے حالات کا ان کو سامنا کرنا پڑا۔ جزیرۂ عرب کی نسبتاً سادہ زندگی سے یک لخت نکل کر نئے تمدنوں کا سامنا کرنا اور ان کو اپنے اندر سمو لینا، ایک عظیم الشان اور پیچیدہ نظام مملکت تعمیر کر لینا، اور نسبتاً ایک قلیل عرصہ میں ایک خیرہ کر دینے والا فقہی نظام استوار کر لینا——اور یہ سب کچھ قرآن و سنت کی بنیادوں پر سر انجام دینا——ہمارے لیے اپنے اندر ایک مشعل ہدایت رکھتا ہے۔ اس سے دو اہم نتیجے نکلتے ہیں:—

(الف) یہ کہ یہ ابتدائی دور ہمارے لیے قرآن و سنت کے بعد جتنی بنیادی اہمیت کا حامل ہے اتنے بعد کے اور دور نہیں۔ یوں تو یقیناً تمام دوروں کے فقہاء و علماء کرام کا کام ہمیں روشنی دیتا ہے لیکن یہ پہلا دور اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل جدا ہے۔

(ب) یہ کہ جس معنی میں یہ ابتدائی دور ہمارے لیے معنی خیز ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح سلف کے اس طبقے نے اپنے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا اسی طرح ہمیں بھی اپنے نئے مسائل حل کرنے چاہئیں۔ چونکہ——جیسے ہم کہہ چکے ہیں——ہمارے

نئے مسائل کی نوعیت مختلف ہے لہذا ان کے حل بھی مختلف ہوں گے
لیکن ان کو حل کرنے کا منہاج سلف کے اس دور کا سا ہو گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کی تدوینِ نو کا کام بہت بنیادی نوع کا ہوگا اور سطحیت سے بہت گہری تاریخی اور تعبیری تحقیق و فکر کا نتیجہ ہو گا۔ اس کام کے لیے ظاہر ہے کہ فنی مہارت، فکری عمق اور تاریخی گیرائی کے علاوہ عربی زبان کا علم ضروری ہے۔ اگر ہم ایسا کام کرنے میں (خدا نخواستہ) ناکام رہتے ہیں اور محض سطحیات یا پروپیگنڈے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اسلامی روح اور صحیح اسلامی اداروں کی بقا کے ضامن نہیں ہوسکتے۔ اسلامی معاشرے کی حیثیت سے مستقبل میں ہمارا استحکام حقیقی اسلامی روح اور صحیح اسلامی اداروں کی بقا کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ ان اداروں میں جو اسلامی روح کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں ایک بنیادی ادارہ عائلی زندگی کا ہے جس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا اور تہذیب و تمدن بربریت میں بدل جاتے ہیں — چاہے وہ قبل از تاریخ وحشیوں کی بربریت ہو یا مادی طور پر ترقی یافتہ قوموں کی بربریت۔

ان ملاحظات کی روشنی میں ہم عائلی زندگی پر اسلامی قوانین کی پہلی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کی اس کتاب کو میں نے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میں فاضل مصنف کی علمی تحقیق، جانفشانی اور اخلاص سے بہت متأثر ہوا اور مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب ہماری مقنّنہ کے لیے، قانون دانوں کے لیے اور عام تعلیم یافتہ طبقے کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ اسلامی قانون پر ادارے کی یہ پہلی کتاب ہے۔ ہم کچھ کچھ وقفے کے بعد انشاء اللہ اسلامی قانون پر اور تحریریں اور کتابیں ملّت کے سامنے پیش کرتے جائیں گے جو ہمارے ایک جامع منصوبے کے تحت لکھی جا رہی ہیں۔ وللہ الحمد۔

(ڈاکٹر) فضل الرحمٰن
ڈائریکٹر، مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی

کراچی —
مورخہ ۳ شوال ۱۳۸۴ ھجری
مطابق ۶ جنوری ۱۹۶۵ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقــــدمــه

مغربی فلاسفه اور ماهرین قانون اس نظریے کے حامل نظر آتے هیں که انسانی معاشره میں بیک وقت قانون اور اخلاق کے دو معیاری نظام (Normative System) پائے جاتے هیں اور یه دونوں نظام بعض مقامات پر ایک دوسرے سے قریب هو جاتے هیں لیکن بعض مقامات پر ایک دوسرے سے هم آهنگ نہیں هو پاتے ۔ چنانچه کانٹ (Kant) نے قانون اور اخلاقیات کے فرق کو واضح کرتے هوئے لکھا هے که قانون همارے خارجی طرز عمل (External Conduct) کو تجویز (Prescribe) کرتا هے اور اخلاق (Morality) همارے داخلی طرز عمل کو متعین کرتا هے ۔ اسی طرح مشهور انقلابی مفکر کیلسن (Kelsen) اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا سخت مخالف هے اس کے خیال میں اخلاقیات محض ایک موضوعی (Subjective) چیز هے اس لیے اس کو قانون کے سائنسی مطالعه میں بحیثیت معروضی حقیقت (Objective Phenomenan) کے شامل نہیں کیا جا سکتا ۔ کیلسن کی یه رائے در اصل مجرّد قانون (Pure Law) کے نظریے پر مبنی هے ۔

اسلامی قانون کا نظریه اس سے مختلف هے ۔ اسلامی قانون اپنے اندر مذهبی اور اخلاقی نظام سموئے هوئے هے ۔ چونکه اسلام ایک مذهب کی حیثیت سے قانون کے دائرۂ کار کو بھی منضبط کرتا هے اس لیے اسلامی قانون ایک ایسے هدایتی عنصر کا مالک هے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے دوسرے قوانین سے مختلف هے اور اس خصوصیت میں دنیا کا کوئی دوسرا مذهب اس کا حریف نہیں ۔

اسلامی قانون کا اصل مبداء اور سر چشمه خداوند تعالیٰ کی ذات هے ۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم کی حیات مبارکه اور خلفائے راشدین (۱۱ تا ۴۰ هجری) کے دور خلافت میں اس کی جڑیں مضبوط هوئیں اور بنو امیه (۴۱ تا ۱۳۲ هجری)

اور بنو عباس (۱۳۲ تا ۶۵۶ ہجری) کے عہد میں قانون دانوں کی انفرادی کوششوں کے سبب اس کا ارتقاء عمل میں آیا ، جو اپنے زمانے کے مجموعی رجحانات کا آئینہ دار ہے ۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک مقدمات کے فیصلے قرآن پاک اور سنت نبوی کی براہ راست روشنی میں کیے جاتے تھے ۔ جن معاملات میں قرآن پاک یا سنت نبوی میں کوئی حکم موجود نہ ہوتا ، خلفاء راشدین کے فیصلوں اور صحابۂ کرام کے آثار سے امداد لی جاتی تھی ۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو اجتہاد کو رو بہ عمل لایا جاتا تھا ۔ لیکن کسی باضابطہ مجموعۂ قوانین کے نہ ہونے کے سبب انفرادی اجتہادات اور فتووں سے احکام میں اختلاف اور بےضابطگی پیدا ہو رہی تھی ۔ اس کی جانب سب سے پہلے ابن المقفع (متوفی ۱۴۴ ہجری) نے جو اپنے علم و فضل کے سبب عہد عباسی میں خاص شہرت رکھتا تھا ، خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور (متوفی ۱۵۸ ہجری) کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ایک ایسے مجموعۂ قوانین کی تدوین کی ضرورت پر زور دیا جو ساری سلطنت میں نافذ کیا جا سکے لیکن بعض مصالح کی بناء پر ابن المقفع کی یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی ۔

دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی میں امام ابو حنیفہ اور ان کی جماعت نے تدوین فقہ کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم فقہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور فقہ کی کتابیں لکھی جانے لگیں ۔ لیکن اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قاضی قرآن و سنت سے براہ راست احکام مستنبط کرنے کی بجائے کتب فقہ کی طرف رجوع کرنے لگے ۔ فقہ کے احکام منتشر تھے اس پر طرّہ یہ کہ مختصر متنوں کی شرحیں اور شرحوں کی شرحیں ، حاشیے اور ضمیمے اور تنقیدی مضامین کا ایک ایسا طولانی سلسلہ قائم ہوگیا کہ ایک قاضی کے لیے یہ امر نہایت دقّت طلب بن گیا کہ وہ کتب فقہ کے انبار میں اصل مسئلہ کی تلاش و جستجو کرکے صحیح حکم معلوم کر لے ۔ ایک مسئلہ میں ائمہ اور فقہاء کے متعدد اقوال میں سے راجح قول

معلوم کرنا اور بھی مشکل تھا ، اور یہ امر کہ کون سا قول مفتی بہ ہے اور کس مسئلہ میں اجماع ہے ، معلوم کرنا ہر ایک قاضی کے بس کی بات نہ تھی ۔

مسلم ہندوستان :

گیارھویں صدی ہجری میں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے چار سال بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعے فقہ اسلامی کو مدوّن کرنے کا حکم جاری کیا ۔ چنانچہ ملک کے اطراف و اکناف سے علماء اور فضلاء کا انتخاب کرکے ایک بورڈ بنایا گیا جس کے صدر نظام الدین برہان پوری تھے ۔ علماء کی اس جماعت نے آٹھ سال کی مدت میں کافی جستجو اور محنت و کاوش کے بعد موضوعات اور مباحث کے لحاظ سے حنفی مذھب کے مطابق عبادات ، مناکحات ، معاملات اور عقوبات سے متعلق چھ جلدوں پر مشتمل فقہی مسائل کا ایک جامع مجموعہ تیار کر دیا جو '' فتاویٰ عالمگیری '' کے نام سے مشہور ہے ۔ اورنگزیب عالمگیر کا یہ اقدام تدوین فقہ اسلام کی پہلی کامیاب اور باضابطہ کوشش تھی ۔

ترکی :

مغربی ممالک کی قانون سازی کے طرز پر تدوین فقۂ اسلام کی دوسری باضابطہ کوشش اٹھارویں صدی عیسوی میں کی گئی جب کہ سلطان ترکی نے ایک حکم کے ذریعہ ۱۸۶۹ء میں دیوانی قانون مرتب کرنے کے لیے سعادت پاشا کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل کی ۔ اس کمیٹی نے ۱۸۷۶ء میں ترکی کے لیے '' مجلۃالاحکام العدلیہ '' کے نام سے اسلامی دیوانی قانون مرتب کیا جو عام طور پر '' مجلّہ '' کے نام سے مشہور ہوا ۔ یہ مجلّہ بیع ، اجارہ ،کفالت ، تحویل ،رھن ، امانت ، ہبہ، غصب ، شفع، شراکت، کارندگی، تصفیہ و ابراء، اقرار، دعویٰ ، شہادت و تحلیف اور قضاء سے متعلق ۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل ہے جس کو ۱۹۲۶ء تک ترکی میں قانونی حیثیت حاصل رہی ۔ (افسوس کہ کمال اتاترک کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد ۱۹۲۶ء میں ترکی حکومت نے سوئٹزر لینڈ کے قوانین اپنانے کا فیصلہ کیا اور مجلّہ کو منسوخ کر دیا گیا ۔ البتہ '' مجلّہ '' آج کل ترمیم شدہ صورت میں فلسطین ،

عراق، شام اور شرق اردن میں نافذ ہے)۔

دیوانی قانون کے علاوہ حکومت ترکی نے ۱۹۱۷ء میں قانون نکاح و طلاق وضع کیا جو ''حقوق العائلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ قانون حنفی مذہب کے مطابق تھا لیکن نکاح بالجبر، طلاق بالجبر اور طلاق بحالت نشہ کے مسائل میں مالکی مذہب کا اتباع کیا گیا۔

مصر:

بیسویں صدی کے ربع اول میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک میں مصر کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مصر میں شخصی قانون کی تدوین کا کام سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں شروع ہوا جس کے لیے چاروں مذاہب کے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنایا گیا۔ اس بورڈ نے چھ سال کی محنت سے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا لیکن جب وہ مسودۂ قانون شائع کیا گیا تو ہر طرف سے اعتراضات کیے گئے اور حکومت نے اسے بحیثیت قانون نافذ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

۱۹۲۰ء میں حکومت مصر نے پھر ایک کمیشن مقرر کیا جس میں شیخ الازہر، رئیس المحکمة العالیة الشرعیہ اور مفتی مصر وغیرہ شامل تھے۔ اس کمیشن نے اسی سال عائلی قانون سے متعلق چند امور کے بارے میں بطور اصلاح اپنی سفارشات پیش کر دیں جن کو بحیثیت قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون سے قبل مصر میں ضابطۂ تنظیم عدالت ہائے شرعیہ مجریہ ۱۹۱۰ء کی دفعہ ۲۸۰ کے تحت شخصی معاملات میں امام ابوحنیفہ کے ''مفتیٰ بہ'' اقوال پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۰ء کے اس قانون کے ذریعہ اس دفعہ میں ترمیم کر دی گئی اور نان نفقہ، عدت، اور مفقودالخبر شوہر کے مسائل میں امام مالک و امام شافعی کے مذاہب کے مطابق عمل درآمد کیا جانے لگا۔ مثلاً

(۱) حنفی فقہ کی رو سے عورت شوہر سے زمانۂ گزشتہ کے نفقہ کا مطالبہ

نہ کر سکتی تھی الّا یہ کہ وہ مطالبہ عدالت کی کسی ڈگری کی بناء پر ہو یا باہم ایسی کوئی قرار داد موجود ہو ۔ قانون مذکورہ کے ذریعے شافعی فقہ کی پیروی میں زوجہ کے نفقہ کو ایک قرض قرار دیا گیا اور جس وقت سے شوہر انکاری ہو قابل ادا قرار دیا گیا ۔

(۲) اسی طرح اگر مرد عورت کو نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا نیز عورت کو شوہر کے مستقل مرض کے سبب جس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو یا جس کے اچھے ہونے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو ، مالکی مذہب کے اتباع میں ، طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ۔

(۳) اسی طرح شوہر کے چار سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں زوجہ کو طلب تفریق کا حق دیا گیا ۔

قانون مذکورہ بالا کے بعد ۱۹۲۹ع میں حکومت مصر نے ایک اور قانون منظور کیا جس میں طلاق بحالت نشہ اور طلاق جبریہ کو باطل اور طلاق بالکنایہ کو غیر نافذ قرار دیا گیا الّا یہ کہ طلاق دینے والے کی نیت طلاق ہو ۔ نیز سوائے طلاق قبل دخول اور طلاق علی‌المال یعنی خلع اور تین طلاقوں کے ، جن کی تکمیل تین طہروں میں کی گئی ہو ، ہر طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا گیا نیز شوہر کے ایک سال سے زائد مفقودالخبر ہونے یا تین سال سے زائد قید کی صورت میں زوجہ کو طلب طلاق کا حق دیا گیا ۔ نسب اولاد ، نفقہ ، عدت ، مہر ، حضانت (Custody of Children) وغیرہ کے بارے میں بھی اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی گئی ۔

۱۹۴۳ع میں قانون میراث ، اور ۱۹۴۶ع میں قوانین وقف و وصیت نافذ کیے گئے جس کے بعض احکام حنفی مذہب سے مختلف ہیں ۔ مختصر یہ کہ مصر میں مکمل عائلی قانون ، ''احکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ'' کے نام سے دفعہ وار مدوّن شکل میں موجود ہے ۔

شام :

شام میں ۱۳۳۶ ہجری میں فوری ضروریات کے تحت چند امور میں چاروں مذاہب سے احکام اخذ کیے گئے اور بغرض اصلاح انہیں قانون کی شکل دی گئی۔ ان احکام میں تنگی نفقہ اور شوہر کے مرض کہنہ مثلاً جنون، جذام، اور سل وغیرہ کے لاحق ہو جانے پر عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔ نیز شوہر کے عام حالات میں چار سال تک اور زمانۂ جنگ میں ایک سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔

۱۷ ستمبر ۱۹۵۳ء کو ''قانون الاحوال الشخصیہ'' کے نام سے دفعہ وار شکل میں مرتب شدہ شخصی قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کے ذریعہ اہلیت نکاح کی عمر کا تعین کر دیا گیا جو لڑکی کے لیے ۱۷ سال اور لڑکے کے لیے ۱۸ سال رکھی گئی لیکن اس امر کی گنجائش رکھی گئی کہ اگر لڑکی ۱۳ سال کی ہو اور لڑکا ۱۵ سال کا ہو اور دونوں نکاح کرنا چاہیں اور ان کے ولی معترض نہ ہوں تو قاضی انہیں نکاح کرنے کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ جسمانی اعتبار سے مشقت جماع کے متحمل ہو سکتے ہوں۔ نکاح کے لیے قاضی سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا نیز اجازت کی درخواست کے ساتھ طبّی صداقت نامہ (عمر اور صحت کے بارے میں) دینا لازمی قرار دیا گیا۔ اسی طرح نکاح ثانی کے لیے بھی اجازت ضروری قرار دی گئی البتہ یہ اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف کر دی گئی۔

طلاق بحالت نشہ، طلاق بالکنایہ، طلاق رجعی وغیرہ کے احکام مصری قانون کے مانند مدوّن کیے گئے چنانچہ ایک وقت میں تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں ایک ہی طلاق تسلیم کی گئی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمل تھا۔ چنانچہ طلاق بالمال یعنی خلع اور طلاق متمم للثلاث کے علاوہ باقی تمام طلاقوں کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کیا گیا۔ اسی طرح مرد کے عدم قدرت نفقہ کی صورت میں عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

نسب اولاد کے ضمن میں امام ابوحنیفہ کے اس نقطۂ نظر سے کہ حمل کی مدت دو سال تک ہو سکتی ہے اختلاف کرتے ہوئے مالکیہ مذہب کے اتباع میں مدت حمل کو ایک سال شمسی بطور حد کے مقرر کیا گیا۔

قانون مذکورہ کے تحت شام میں وصیت کے احکام میں بھی کئی تبدیلیاں کی گئیں چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق شخص معدوم کے لیے وصیت کو جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح مالکی مذہب کے مطابق یہ قرار دیا گیا کہ اگر کسی شخص کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور وہ شخص وصیت کرنے والے کا قاتل ہو تو اس صورت میں وصیت کے تحت اس شخص کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ وصیت کے باب میں اہم تر امر یہ ہے کہ ابن حزم اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق اولاد محروم کے لیے یعنی ایسی اولاد کے لیے جس کا باپ اس کے دادا کی حیات میں فوت ہو جائے وصیت کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جس کی مقدار اتنی ہونی چاہیے جتنی کہ اس کے باپ کو ملتی اگر وہ دادا کی موت کے وقت بقید حیات ہوتا۔

وراثت کے سلسلے میں بھی شامی قانون میں متعدد تبدیلیاں کی گئیں۔ چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق قاتل مقتول کے ترکے میں وارث نہیں ہوسکتا۔ اس طرح حضرت زید و ابن مسعود کی متابعت میں بھائی دادا کے ساتھ متوفی کے ورثے میں حق دار قرار دیا گیا۔ اسی طرح وراثت حمل صرف اس صورت میں معتبر قرار دی گئی جب مدت حمل ایک سال ہو۔

تیونس :

تیونس میں شخصی قانون " مجلۃ الاحوال الشخصیہ " کے نام سے مرتب کیا گیا جس کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو ایک فرمان کے ذریعہ عمل میں آیا۔ تیونس کے قانون میں حنفی اور مالکی فقہ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ تیونس کے عائلی قانون کے تحت مرد اور عورت کی عمر نکاح کا تعین کر دیا گیا جو بالترتیب ۱۸ اور ۱۵ سال مقرر کی گئی البتہ جج کو اس امر کا اختیار دیا گیا کہ وہ اس عمر سے پہلے بھی

شادی کی اجازت دے سکتا ہے ، بشرطیکہ طرفین یا ان میں سے کوئی ایک (جیسی بھی صورت ہو) اپنے بلوغ کا ثبوت پیش کریں ۔ تعدّد ازدواج کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا ۔ بصورت خلاف ورزی ایک سال قید یا ۲ لاکھ چالیس ہزار فرانک (تقریباً سات ہزار پانچ سو روپے پاکستانی) جرمانہ یا دونوں سزائیں مقرر کی گئیں ۔ نیز شوہر کو حق طلاق استعمال کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا ۔ چنانچہ عدالت کے علاوہ دی جانے والی طلاق ناجائز قرار دی گئی ۔ شوہر کے مفقودالخبر ہونے کی صورت میں بہ زمانۂ جنگ دو سال بعد عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا البتہ عام حالات میں مدت کا انحصار جج کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ۔

عراق :

عراق کی وزارت انصاف نے بھی ۱۹۵۹ع میں '' لائحۃ الاحوال الشخصیہ،، کے نام سے ایک قانون منظور کیا جس میں نکاح ، طلاق ، نسب اولاد ، حضانت ، وصیت اور میراث کے احکام شامل ہیں ۔ یہ قانون دوسرے مسلم ممالک کے شخصی قوانین اور بالخصوص مصری قانون کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ۔

عراق قانون کے تحت ایک سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر پابندی عائد کر دی گئی ، الاّ یہ کہ قاضی سے دوسرے نکاح کی اجازت حاصل کر لی جائے جو مالی استطاعت اور کسی دیگر شرعی مصلحت کے پیش نظر دی جا سکتی ہے ۔ خلاف ورزی کی صورت میں ایک سال قید یا سو دینار جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی ۔

طلاق کے ضمن میں بھی طلاق بلفظ الثلاث کو ایک طلاق کے حکم میں داخل قرار دیا گیا نیز زوجین کے درمیان ناچاق یا مرد کی نفقہ دینے کی عدم استطاعت کے سبب عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا ۔

اولاد کے تعلیمی اخراجات کو نفقہ میں داخل کیا گیا اور اولاد کی حضانت (Custody) کے سلسلے میں یہ امر قاضی کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ صغیر

کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر مناسب حکم جاری کرے ۔

مراکش اور اردن :

مصر ، شام ، تیونس اور عراق کے علاوہ مراکش میں ''مدّونة الاحوال الشخصیه '' اور اردن میں '' قانون حقوق العائلة الاردنی '' کے نام سے شخصی قوانین مرتب کیے گئے جن میں کم و بیش مذکورہ بالا مسلم ممالک کے طرز اور پیروی میں قانون سازی کی گئی ۔

سنگاپور :

سنگاپور کیلنتن وغیرہ میں بھی اس جانب قدم بڑھایا گیا ۔ چنانچہ سنگاپور میں ۳ اگست ۱۹۵۷ء کو مسلم آرڈی نینس نافذ کیا گیا جس کے تحت شرعی عدالتیں قائم کی گئیں جنھیں طلاق رجسٹر کرنے کا اختیار دیا گیا ۔ مسلم میریجیز اینڈ ڈائی وورس رولز مجریه ۱۹۵۹ء کے تحت یہ صراحت کر دی گئی کہ رضا مندی کی صورت میں ہر دو فریق مقررہ فارم پر طلاق کی حلفیه درخواست پیش کریں گے اور طلاق کے رجسٹر پر دستخط کریں گے اگر طلاق کے سلسلے میں نزاع ہو تو اس کے تصفیه کا اختیار شرعی عدالتوں کو دیا گیا ۔ شرعی عدالتوں میں وکلاء کو پیروی کا اختیار دیا گیا ، ان کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کے لیے ایک اپیل بورڈ قائم کیا گیا جس کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ۔

برطانوی ہند :

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضه کر لینے کے بعد جب عدالتی نظام بحال کیا تو انہوں نے بذریعۂ قانون یہ اعلان کر دیا کہ وہاں کے باشندوں کو اپنے شخصی معاملات یعنی شادی ، طلاق ، وراثت ، وصیت وغیرہ میں اپنے اپنے مذہبی قانون کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی ۔ لیکن اس کے برعکس ۱۹۲۹ء میں قانون امتناع ازدواج اطفال کے ذریعه نابالغوں کی شادیوں پر پابندی عائد کر دی گئی ۔

۱۹۳۹ء میں مسلمانوں کے مطالبے پر ہندوستان کی مرکزی اسمبلی نے قانون

انفساخ ازدواج مسلمانان منظور کیا ۔ جس کے تحت مسلمان عورتوں کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے کہ شرع کے مطابق کسی بھی سبب کی بناء پر انہیں طلب تفریق کا حق حاصل ہوگا چند وجوہ و اسباب کو مدون کر دیا گیا جو بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ عورت یا مرد کس فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے قانون مذکور جملہ مسلمانوں پر نافذالعمل قرار دیا گیا ۔ اس قانون کے تحت اہم ترین امر امام مالک کے مذہب کی متابعت میں عورت کا فسخ نکاح کا وہ حق تھا جو اس کے شوہر کے چار سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں اس کو دیا گیا تھا ۔

پاکستان :

۱۴ اگست ۱۹۴۷ ع کو بفضل ایزدی مسلمانان ہند کے پیہم مطالبے اور مسلسل جد و جہد کے بعد تقسیم ہند کے نتیجے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک "پاکستان" قائم ہوا ۔

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اس واضح اعلان کی روشنی میں کہ پاکستان ایک جمہوری مملکت ہوگی جس کی بنیادیں اسلام کے عدل عمرانی کے اصولوں پر رکھی جائیں گی حکومت پاکستان نے اپنی اولین فرصت میں دستور پاکستان کی تدوین کے سلسلے میں اسلامی نظریات کی سفارشات کے لیے "تعلیمات اسلامی بورڈ" قائم کیا جس کے صدر ڈاکٹر محمد حمید اللہ پروفیسر انٹرنیشنل لاء کالج ، پیرس مقرر کیے گئے ۔ ڈاکٹر صاحب کے مستعفی ہو جانے کے بعد برّصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز ادیب ، محقق اور مؤرخ مولانا سید سلیمان ندوی (مرحوم) اس بورڈ کے صدر نامزد کیے گئے جو تاحیات اس کے صدر رہے ۔

۱۹۴۹ع میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد منظور کی جس کی رو سے پاکستان پر اللہ کی حاکمیت کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اس مقصد کی تکمیل کا ذمّہ لیا گیا کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو ان اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق

ڈھال سکیں جو قرآن پاک اور سنت رسول میں متعین ہیں ۔

حکومت پاکستان نے ۴ اگست ۱۹۵۵ع کو سات افراد پر مشتمل عائلی قوانین کے سلسلے میں ایک " عائلی قانون کمیشن " مقرر کیا جس کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کی ناگہانی وفات کے بعد ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ع کو پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس عبدالرشید اس کمیشن کے صدر نامزد کیے گئے ۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ جون ۱۹۵۶ع میں حکومت کو پیش کر دی جو ۳۰ جون ۱۹۵۶ع کے گزٹ میں شائع کی گئی لیکن علماء کی سخت تنقید کے سبب اس رپورٹ کو ایک عرصہ تک قانون کی شکل نہ دی جا سکی ۔

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ع کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا دستور نافذ ہوا ۔ اس دستور کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگیوں کو قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق بنانے کا موقع فراہم کیا گیا ۔ چنانچہ دستور کی دفعہ ۱۹۸ کی رو سے یہ قرار دیا گیا کہ اس ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکے گا جو قرآن پاک اور سنت نبوی میں مذکور اسلامی احکام و تعلیمات کے منافی ہو ۔ ساتھ ہی اس امر کا بھی اظہار کیا گیا کہ موجودہ قوانین کو قرآن پاک و سنت کے مطابق بنایا جائے گا ۔ چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ع کو ایک اسلامی قانون کمیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے صدر عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) کے سابق جج جناب جسٹس محمد شریف مقرر کیے گئے ۔

دستور پاکستان ۱۹۵۶ع کی دفعہ ۱۹۷ کے تحت صدر مملکت کو اس امر کا اختیار دیا گیا کہ وہ ایک اسلامی تحقیقاتی ادارے کی تشکیل کرے گا جو مسلم معاشرے کو صحیح اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے میں ممد و معاون ہو ۔

پاکستان کا یہ دستور ملک کے ہنگامی حالات کے پیش نظر ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ع کو ایک خاموش فوجی انقلاب کے نتیجے میں سابق صدر اسکندر مرزا کے صدارتی اعلان کے تحت ختم کر دیا گیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہوگیا ۔

اس انقلاب کے ۲۰ دن بعد صدر اسکندر مرزا کو منصب صدارت چھوڑنا پڑا اور عنان اختیار افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر جنرل محمد ایوب خان نے سنبھال لی جو بعد کو اس ملک کے سربراہ مقرر ہوئے۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء کو انجمن خواتین پاکستان کے پیہم اصرار پر عائلی قانون کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ملک میں عائلی قوانین آرڈی نینس نافذ کر دیا۔ اس آرڈی نینس میں نکاح کی رجسٹری لازمی قرار دی گئی۔ دوسری شادی پر حکومت کے مقرر کردہ ادارے کی اجازت لازمی قرار دی گئی۔ طلاق کو بھی نتیجتاً طلاق رجعی کے حکم میں داخل کر دیا گیا اور اس کے عدم نفاذ کے لیے یونین کونسل کے چیرمین کو طلاق کی اطلاع دینے کے بعد سے تین ماہ کی مدت مقرر کردی گئی۔

وراثت کے باب میں یتیم پوتے کی وراثت کے حق کو جو پہلے محروم الارث قرار پاتا تھا دادا کے ترکے میں اپنے باپ کے حصہ کے بقدر وارث قرار دیا گیا۔ مہر کے باب میں بھی یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر نکاح نامے یا معاهدۂ نکاح میں مہر کی ادائیگی کے طریقۂ کار کے متعلق کوئی صراحت موجود نہ ہو تو کل مہر، مہر معجّل قرار پائے گا۔

۱۹۶۲ء میں پاکستان کا دوسرا دستور نافذ ہوا۔ اس کے تحت بھی قانون سازی کے اس اصول کو صراحتاً تسلیم کیا گیا کہ پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے منافی نہ ہوگا نیز پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھال سکیں اور انہیں ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی جن کی مدد سے وہ ان اصولوں اور تصورات کے مطابق زندگی گزارنے کا مفہوم سمجھ سکیں۔ دستور کی دفعہ ۱۹۹ کے تحت صدر مملکت کو اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کے قیام کا اختیار دیا گیا تاکہ یہ کونسل پاکستان کے مسلمانوں کو ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کے اصولوں اور تصورات کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب اور امداد دے سکے۔ نیز یہ جائزہ بھی لے سکے کہ آیا کوئی مجوزہ قانون اسلام کے خلاف یا منافی ہے؟

مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی :

دستور مذکور کی دفعہ ۲۰۷ کے تحت صدر کو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا بھی اختیار دیا گیا جو اسلام اور اسلامی تعلیمات کی تحقیق کرے جس سے صحیح اسلامی بنیاد پر مسلم معاشرے کی تشکیل جدید میں مدد مل سکے۔

چنانچہ مذکورہ بالا مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی نے ایک جامع منصوبہ کے تحت تمام منتشر اسلامی قوانین کو تحقیق کے بعد جدید انداز پر مرتّب اور مدوّن کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس میں عائلی قوانین، دیوانی قوانین اور فوجداری قوانین شامل ھیں۔ یہ ''مجموعۂ قوانین اسلام'' دس جلدوں پر مشتمل ھوگا جن میں سے تین جلدیں عائلی قوانین کی ھوں گی جس کی پہلی جلد آپ کے ھاتھوں میں ہے۔

رہ نما اصول :

قوانین اسلام کی تدوین اور ضابطہ بندی کے لیے سب سے پہلے چند رہ نما اصول طے کیے گئے مجموعہ ھذا کی تالیف میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ان اصولوں پر حتی‌المقدور عمل کیا جائے۔ وہ اصول جو مجموعہ ھذا کی تکمیل کے دوران پیشِ نظر رہے حسب ذیل ھیں :

(۱) ھر مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن پاک کی کسی آیت کی تلاش اور اس کا حوالہ۔

(۲) اگر مسئلہ سے متعلق قرآن پاک میں صریح حکم بلا اختلاف دلیل موجود ھو تو اسے بلا چون و چرا قبول کرنا۔

(۳) اگر حکم قرآنی صریح و بلا اختلاف موجود نہ ھو بلکہ دلائل میں اختلاف ھو یا حکم معنوی ھو اور اس کی تعبیر میں مفسرین، محدثین، مجتہدین یا فقہاء کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ھو تو اس کے معنی و مطلب کو متعین کرنے کی غرض سے مستند اور صحیح حدیث کی تلاش کرنا اور

اس سے استدلال کرنا۔

(۴) اگر کسی مسئلہ میں حکم قرآنی صریحاً یا معناً موجود نہ ہو تو احادیث نبوی کی تلاش و حوالہ۔

(۵) اگر حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو ان کا تاریخی جائزہ لینا اور اصول درایت کے تحت ان کی تخریج کرنا اور صحیح تر حدیث معلوم کرکے اس پر مسئلہ کی بنیاد رکھنا۔

(۶) اگر کوئی مسئلہ حکم قرآنی یا حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو مگر اس مسئلہ کے بارے میں صحابۂ کرام خصوصاً خلفائے راشدین یا ائمہ میں اتفاق پایا جاتا ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

(۷) اختلاف ائمہ کی صورت میں فقہی قواعد و اصول فقہ کی روشنی میں ائمہ کے دلائل کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا کہ زمانہ سابق میں اس مسئلہ میں خلافیات میں کس کو ترجیح دی گئی ہے اور کس پر عمل رہا ہے؟ اگر وہ طریقہ زمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

(۸) اگر زمانۂ سابق کا تعامل (Practice) زمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو مصلحت عامہ (جو قرآن و سنت کے احکام کے مغائر نہ ہو) کے اصول پر عمل پیرا ہوکر مختلف مکاتیب فکر میں سے جس کے ساتھ حق نظر آئے اس کی رائے کو ترجیح دینا اور اسے اختیار کرنا۔

(۹) اگر کسی مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اور کسی بھی مکتب فکر کی رائے کا اتباع بوجوہ معقول بالخصوص مصلحت عامہ کے نقطۂ نظر سے (جو قرآن و سنت کے احکام کے مطابق ہو) قابل قبول نہ ہو تو ضروری اجتہاد سے کام لینا۔

(۱۰) اجتہاد میں قرآن و سنت کی متابعت اور ادلۂ شرعیہ کی پابندی کرنا۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بےمحل نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ

کی ترقی میں اصل مانع مختلف فرقوں کا ایک دوسرے سے دور ہونا اور جذب و انگیز کی صلاحیت سے محروم ہونا رہا ہے۔ چنانچہ مجموعۂ ھذا میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ حنفی فقہ کو سامنے رکھ کر قانونی احکام کو جدید انداز پر مدوّن اور مرتب کیا جائے البتہ جن مسائل میں حالات کے تحت ضروری ہو، کسی دوسرے مکتب فکر کے امام یا مجتہد کا اتباع کیا جائے۔

اسلامی قانون کی ترتیب و تدوین کے راستے کی سب سے بڑی دشواری صدیوں کی عصبیت اور رجعت پرستی کے مہلک جراثیم اور تاریخ کے منفی محرکات ہیں جو کسی نئے راستے کی تلاش میں قدم قدم پر ہمارے آڑے آتے ہیں۔

پاکستان کے سامنے سب سے بڑا سوال اقدار کا ہے۔ ادبی، تہذیبی، سماجی، اخلاقی، تاریخی، سیاسی اور مذہبی اقدار ـــــ ہماری وہ اقدار جن سے اسلام عبارت ہے ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن وہ اقدار جو زمانے کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں ان میں سے بعض کو قبول کرنا ہے اور بعض کو رد۔ مجھے اس سلسلے میں قانونی مسائل اور فقہی احکام کے میدان میں بے جا قدامت پسندی اور روایت پرستی سے جنگ لڑنی پڑی ہے لیکن میں نے یہ جنگ درایت اور دیانت کے ساتھ لڑی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے قدم حقیقتوں کی طرف بڑھے ہیں۔

در اصل وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ معاشرتی امور سے متعلق قانونی احکام میں مناسب گنجائش پیدا کی جائے۔ چنانچہ بالخصوص عائلی زندگی میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے بلا تخصیص ہر مسلم ملک آج کل اس نظریہ پر عمل پیرا ہے کہ فقہی احکام میں جس امام یا مجتہد کے مذہب میں جس مسئلہ میں عامّۃ المسلمین کے لیے سہولت و آسانی موجود ہو اور معاشرتی ضروریات کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہو اس کو اختیار کرکے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور ایسے احکام میں جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح احکام اوامر یا نواہی موجود نہ ہوں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک اصول یہ بھی مدّ نظر رکھا گیا ہے کہ مصلحت

عامّہ کے پیش نظر (جو قرآن و سنت کے مغائر نہ ھو) اولی الامر یا قانون ساز ادارے کو یہ اختیار حاصل ھے کہ وہ کسی مباح فعل کی تعمیل کو واجب قرار دے سکتا ھے۔

اس کتاب کے بارے میں :

زیر نظر کتاب پاکستان میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی (Codification) کی طرف ایک قدم ھے۔ یہ کتاب اسلامی قانون کی تعبیر (Interpretation) ، اطلاق (Application) اور ضابطہ بندی (Codification) کی اس تحریک کی ایک کڑی ھے ، جس کا آغاز ترکی میں ۱۸۷۶ع میں "مجلة الاحکام العدلیه" کی شکل میں ھوا اور بعد میں مصر ، شام ، تیونس ، عراق ، مراکش ، اردن اور سنگاپور وغیرہ میں اس تحریک کو آگے بڑھایا گیا جس کا تفصیلی ذکر ما قبل سطور میں کیا جا چکا ھے۔

مجموعہ قوانین اسلام کی اس جلد میں نکاح ، مہر ، اور نفقہ کے قانونی احکام بیان کیے گئے ھیں۔ یہ جلد حسب ذیل دس ابواب پر مشتمل ھے :

(۱) ابتدائی۔

(۲) مختلف فرقوں اور مذاھب کے افراد کے مابین نکاح۔

(۳) انعقاد اور جواز نکاح۔

(۴) صحیح ، فاسد اور باطل نکاح۔

(۵) ولایت نکاح۔

(۶) خیار بلوغ۔

(۷) کفاءت۔

(۸) خلوت صحیحہ۔

(۹) مہر۔

(۱۰) نفقہ۔

اس مجموعہ میں قانونی احکام کو دفعات میں تقسیم کرکے بسط و شرح کے ساتھ

ان کے مآخذ، اسباب و علل، غرض و غایت اور قانونی اثرات و نتائج سے بحث کی گئی ہے ۔ ساتھ ہی جہاں کہیں قانون نافذ الوقت اور مجموعۂ ہذا کے قانونی احکام میں اختلاف پایا گیا ہے اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے قانون نافذ الوقت میں ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں مثلاً :

(۱) پاکستان میں نافذالوقت کرسچین میریجیز ایکٹ، ۱۸۷۲ع کے تحت مسلمان مرد کے عیسائی عورت سے نکاح کے انعقاد کے سلسلے میں ضروری ہے کہ وہ نکاح ایکٹ مذکور کے تحت مقرر کردہ رجسٹرار کے روبرو ہوا ہو ورنہ باطل ہوگا ۔ یہ صورت اسلامی شریعت کے صریحاً خلاف ہے ۔ اس لیے اس قانون میں ترمیم کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔

(۲) اسی طرح اس مجموعہ میں اسلام کے مصالح کے پیش نظر یہ تجویز بھی شامل ہے کہ حکومت پاکستان مسلمان پاکستانی باشندوں کو غیر مسلم ممالک کی عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کے لیے ایک قانون بنائے تاکہ اسلامی معاشرہ ان مضر اثرات سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے جو ایک مخلوط گھرانے کے سبب انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہو رہے ہیں ۔

(۳) ولایت نکاح کے سلسلے میں شافعی مذہب کے تحت ایک باکرہ بالغہ لڑکی بلا وساطت ولی اپنا نکاح خود کرنے کی مجاز نہیں، مجموعۂ ھذا میں اس امتیاز کو ختم کر دیا گیا ہے ۔ البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے اولیاء کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے نکاح کر لیا ہو یا مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہو جس سے اولیاء کو عار لاحق ہو تو ولی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کر سکتا ہے اور عدالت معقول شرعی وجوہ کی بناء پر نکاح کو فسخ

کر سکتی ہے ۔

(۴) وکالت نکاح کے حق میں شافعیہ کے اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ وکیل نکاح کا بالغ ہونا ضروری ہے اگرچہ حنفیہ کی رائے میں ایک عاقل لڑکا (خواہ بالغ نہ ہو) وکیل نکاح بن سکتا ہے ۔

(۵) نافذالوقت قانون کے تحت ایک خاص عمر تک نکاح کرنے پر مطلقاً پابندی عائد ہے ۔ بعض اوقات شرعی مصلحتوں کے حصول کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اولیاء لڑکی یا لڑکے کا نکاح اس مقررہ عمر سے پہلے کر دیں ۔ بریں بناء اس امر کی سفارش کی گئی ہے کہ نابالغ کے نکاح کی اجازت کا اختیار عائلی عدالتوں کو تفویض کر دیا جائے البتہ رخصتی پر کچھ پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں ۔

(۶) نکاح کی رجسٹری کے نافذ الوقت قانون کو بر قرار رکھتے ہوئے اس امر کی توضیح کر دی گئی ہے کہ نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔ نکاح کے جواز یا ناجوازی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

(۷) نافذ الوقت عائلی قوانین آرڈی نینس کی دفعہ ۶ کے تحت پاکستان میں تعدّد ازدواج پر پابندی ہے ۔ ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کے لیے ثالثی کونسل کی اجازت لازم قرار دی گئی ہے ۔ اس دفعہ میں موجودہ زوجہ کی رضا مندی سے متعلق استفسار بھی شامل ہے ۔ مجموعۂ ہذا میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ دوسری عورت سے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی رضا مندی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے ۔ اس کو حذف کر دینا چاہیے ۔ نیز دوسری شادی کے سلسلہ میں ثالثی کونسل کا تقرر بھی غیر مناسب ہے کیونکہ موجودہ بیوی کو فریق کی حیثیت حاصل نہیں اور نہ ہی فریق کی حیثیت دی جانی چاہیے ۔

مزید برآں یہ معاملہ یونین کونسل کی بجائے عائلی عدالت کے روبرو پیش ہونا چاہیے جو شرعی مصالح کے پیش نظر سرسری سماعت کے بعد اجازت دینے کی مجاز ہو ۔

(۸) فاسد اور باطل نکاحوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث کے بعد اس نقطۂ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ جو نکاح نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہیں وہ من ابتداء باطل ہیں البتہ دیگر صورتوں میں صحبت کے بعد نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوتے ہیں جو دراصل نکاح کے احکام نہیں بلکہ وطی (جماع) کے احکام ہیں جو فقہاء نے صرف اس دلیل کی بنیاد پر مرتب کیے ہیں کہ وہ جماع صورتاً نکاح کے مشابہ ہونے کی وجہ سے زنا نہیں رہا اور شبہ فی المحل ، شبہ فی الفعل یا شبہ فی العقد کے سبب زنا کی حد ساقط ہو گئی ۔ اسی بناء پر فاسد نکاح میں وجوب مہر ، وجوب عدت ، اور ثبوت نسب کو بالاتفاق تمام ائمہ اور فقہاء نے تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی واجب قرار دیا گیا ہے کہ فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر مرد و عورت کو تفریق اختیار کر لینی چاہیے اور اگر تفریق اختیار نہ کی گئی تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دے گی ۔ اس سلسلے میں حکومت سے یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ باجود علم کے نکاح فاسد کرنے یا علم ہو جانے کے بعد تفریق اختیار نہ کرنے کو تعزیرات پاکستان کے تحت قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا جائے ۔ (زنا پر حد جاری کرنے کے سلسلے میں اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل پہلے ہی سفارش کر چکی ہے) ۔

(۹) ولایت نکاح کے سلسلے میں بھی یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ولی صرف مسلمان ہی ہونا چاہیے اور ایکٹ نمبر ۲۱ بابت

۱۸۵۰ع کے سبب جو تصادم پایا جاتا ہے اس کو دور کیا جانا چاہیے ۔

(۱۰) ''غیبت منقطعہ'' کے اصول کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ''غیبت منقطعہ'' کے اصول کا اطلاق محض فاصلے یا دوری پر نہ ہونا چاہیے بلکہ اُن تمام اسباب پر بھی کیا جانا چاہیے جن کی بنیاد پر ولی اقرب اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو ۔

(۱۱) خیار بلوغ کے مسئلے میں اس نافذالوقت قانونی حکم کو اختیار کیا گیا ہے کہ لڑکے یا لڑکی دونوں کو خیار بلوغ کے استعمال کا حق ہوگا خواہ وہ نکاح ان کے باپ یا دادا نے کیا ہو ، اگرچہ جمہور فقہاء کے خیال میں باپ داد کے کیے ہوئے نکاحوں میں نابالغوں کو خیار بلوغ نہیں ہے ۔ فقہی مباحث کا جائزہ لے کر نافذالوقت قانون کو صحیح سمجھا گیا ہے کیونکہ قرآن و سنت میں خیار بلوغ کے سلسلے میں باپ دادا اور دوسرے اولیاء مثلاً چچا وغیرہ کے کیے ہوئے نکاحوں میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں ۔

(۱۲) اس مسئلہ میں کہ لڑکی کے خیار بلوغ کے محض استعمال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے یا عدالت کے حکم تک باقی رہتا ہے ' جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نکاح قاضی کے حکم تک باقی رہتا ہے چنانچہ اگر درخواست عدالت میں زیر تصفیہ ہو اور زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو ایک دوسرے کا وارث ہوگا ۔ اس سلسلہ میں ہند و پاکستان کی عدالتوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے ۔ مجموعۂ ھذا میں جمہور فقہاء کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے ۔

(۱۳) کفات کے ضمن میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ نکاح میں کفات کا لحاظ بدرجہ اولیٰ ہے ، خود جواز نکاح کی کوئی شرط

نہیں ہے ۔ البتہ ان خاندانوں میں کفأت کا لحاظ کیا جائے گا جن کے اندر پشتہا پشت سے کفأت کا برابر خیال رکھا گیا ہے ۔

(۱۴) مہر معجل (Prompt dower) کی عدم ادائی کے سبب عورت کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو ۔ ائمہ کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر مرد عورت کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو اس کے بعد عورت کا یہ اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں کہ وہ تا ادائی مہر معجل شوہر کو اپنے نفس پر قدرت نہ دے ۔ فقہی مباحث اور وجوہ اختلاف کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کو ایسا اختیار حاصل ہے ۔

(۱۵) گزشتہ زمانہ کے نفقہ کی وصولی کے سلسلے میں حنفی مذہب کے مطابق ایسا اختیار حاصل نہیں ہے الّا یہ کہ کوئی ایسی باہمی قرارداد یا عدالتی ڈگری موجود ہو ۔ شافعی مذہب میں زوجہ کو گزشتہ زمانے کا نفقہ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ۔ اس ضمن میں حنفی اصول سے صرف نظر کرتے ہوئے زمانۂ گزشتہ کا نفقہ پانے کے عورت کے حق کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اسی کے مطابق قانونی حکم مرتب کیا گیا ہے ۔

مقصد تالیف :

مجموعۂ ھذا کی تالیف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملک میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی تحریک کی بنیاد پڑے اور حکومت وقت کے لیے اہم قوانین کا ایک خاکہ فراہم کر دیا جائے جو اسلامی قانون سازی میں ممد و معاون ثابت ہو ۔

مجموعۂ ھذا میں جہاں جہاں قانون نافذ الوقت سے اختلاف کیا گیا ہے وہاں

اس کی حیثیت محض ایک ''تجویز'' کی ہے البتہ اگر کسی مسئلہ میں ہماری مقنّنہ کا منظور کردہ کوئی قانون نافذ نہیں ہے اور عدالتیں مختلف کتب فقہ کو سامنے رکھ کر کسی مسئلہ میں حکم جاری کرتی ہیں تو ''مجموعۂ ہذا'' میں بیان کردہ مباحث کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کے عائلی قوانین پر جو قانونی ادب اس وقت ملک میں عام طور پر دستیاب ہے وہ اردو زبان میں فقہ کی چند ایک ناقص کتابوں، انگریزی زبان میں تلخیص شدہ ترجموں اور دو چار قابل ذکر انگریزی قانون دانوں کی تالیفات پر مشتمل ہے۔ لیکن اردو یا انگریزی میں (جسٹس سید امیر علی کی کتاب محمڈن لا کو کسی حد تک مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے) کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جس میں فقہی احکام و مسائل کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہو اور ان کے اسباب و علل اور فقہاء کے اختلاف کی وجوہ سے بحث کی گئی ہو اور قانونی احکام و مسائل قرآن و سنت سے براہ راست مستنبط کیے گئے ہوں۔ لہذا امید ہے کہ اسلامی قانون سے شغف رکھنے والے اہل علم حضرات اور وہ طلباء جو اپنے اندر تحقیق کا جذبہ رکھتے ہیں اس کتاب کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔

شاید اس بات کو کسر نفسی پر محمول کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ قوانین اسلام کی ضابطہ بندی کے اس کام میں میری حیثیت ایک ایسے رہرو کی ہے جو حق کا متلاشی ہے ـــــ میرے پاس صرف مسافتیں ہیں۔ میں نے دانش جوئی اور حکمت طلبی کا جو سفر شروع کیا ہے اس میں منزل تک پہنچنا تو ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اگر میں نے چند قدم مسافت بھی طے کر لی ہے یا کسی نئے راستے کا سراغ لگا لیا ہے تو وہ میری محنت و کاوش کا حقیقی صلہ ہوگا۔

اس سفر علمی کے دوران مجھے زادراہ کی کمی کا احساس رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بے بضاعت بندوں کو بھی نوازتا ہے۔ یہ اسی کا فضل و احسان

ہے کہ مجھ جیسے بندۂ بے نوا کو یہ کام کرنے کی توفیق اور ہمت بخشی ۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ میں جو حق اور مسلمانان پاکستان کے لیے مفید ہو اسے شرف قبولیت بخش اور جاری فرما ' اور جو غلط ہو اس کی تصحیح کی ہدایت فرما ۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔

تنزیل الرحمٰن

کراچی ' ۲۳ - مارچ ۱۹۶۵ ع

قانونِ ازدواج

(نکاح ، مہر ، نفقہ)

پہلا باب

ابتدائی

نام ۱۔ اس مجموعہ کا نام "مجموعۂ قوانین اسلام" ہوگا۔

اطلاق ۲۔ (۱) قانون ھذا کا اطلاق جملہ مسلمانوں اور ان غیر مسلم عورتوں پر ہوگا، جن سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے اور جو شرعاً جائز طریقہ پر مسلمان مردوں کے نکاح میں آ جائیں۔

(۲) قانون ھذا اور قانون نافذالوقت میں اگر مغائرت یا تضاد پایا جائے تو قانون نافذ الوقت غالب رہے گا الاّ یہ کہ اسے منسوخ کر دیا جائے یا ترمیم کے ذریعہ قانون ھذا کے مطابق بنا دیا جائے۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں کوئی شرعی حکم قانون نافذ الوقت یا قانون ھذا میں موجود نہ ہو تو شریعت اسلامیہ کی مبادیات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۴) شریعت اسلامیہ کی مبادیات میں حکم نہ ہونے کی صورت میں عرف عام و نظائرِ عدالت کی روشنی میں مناسب حکم جاری کیا جائے گا۔

(۵) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو تو عدالتیں اجتہاد سے کام لیں گی:

مگر شرط یہ ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت کے تابع اور ادلّۂ شرعیہ کا پابند ہوگا۔

مسلمان کی تعریف

۳۔ جو کوئی شخص خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے۔ مسلمان ہے۔

تعریف نکاح

۴۔ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے مابین دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔

دوسرا باب

مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح

مسلمان فرقوں میں نکاح

۵۔ مسلمانوں کے ہر فرقے کے مرد و عورت کے درمیان باہم نکاح جائز ہے۔

مختلف فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں زوجین کے حقوق و فرائض کا تعین۔

۶۔ (۱) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں، زوجین کا تعلق اگر مختلف فرقوں سے ہو تو ان کے ازدواجی حقوق و فرائض اس فرقے کے مطابق متعین ہوں گے جس کے وہ بوقت نکاح پابند تھے الا یہ کہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے اپنی مرضی سے اپنے فرقے کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس صورت میں ان کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے۔

(۲) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس فرقے کے مذہب کے مطابق عمل ہوگا جس سے مدعا علیہ متعلق ہے۔

کتابیہ سے نکاح

۷۔ مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح مکروہ ہوگا۔

تیسرا باب

انعقاد اور جواز نکاح

اہلیت نکاح

۸۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت بلا وساطت ولی نکاح کی اہل ہے۔ البتہ عورت کے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح کر لینے کی صورت میں اس کے ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

انعقاد نکاح

۹۔ نکاح مرد و عورت کے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

قاضی کی ضرورت

۱۰۔ انعقاد نکاح کے لیے کسی رجسٹرار، قاضی یا مولوی کی ضرورت نہیں۔

توضیح: فریقین ایک دوسرے سے خود اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ امر لازم نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا نکاح پڑھائے۔

ایجاب و قبول زبانی یا تحریری

۱۱۔ ایجاب و قبول زبانی یا تحریری دونوں طرح جائز ہے۔

توضیح: اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب و قبول لازم ہوگا، الّا یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا ممکن نہ ہو۔

ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً

۱۲۔ (۱) ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ وکیل عاقل و بالغ ہو۔

(۲) اگر شخص غیر مجاز (فضولی) کسی کا نکاح کر دے یا وہ اپنے اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے موکل یا موکلہ کی جانب سے نکاح کا ایجاب یا قبول کر لے تو ایسا نکاح موکل یا موکلہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ایجاب و قبول کے الفاظ

۱۳- نکاح ایجاب و قبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ مثلاً:

(ا) ''میں نے اپنی لڑکی کو تمھارے نکاح میں دیدیا۔''

(ب) ''میں نے اپنی لڑکی کو تمھاری مِلک میں دے دیا۔''

(ج) ''میں نے اپنی لڑکی کو تمھیں ھبہ کر دیا۔''

توضیح: بحالت معذوری ایسے اشارے کے ذریعہ بھی ایجاب و قبول ہو سکتا ہے جس سے فریقین ایک دوسرے کے مقصد کو غیر مبہم طور پر سمجھ لیں۔

ایجاب و قبول کے صیغے

۱۴- ایجاب و قبول کے الفاظ میں دونوں صیغے ماضی کے ہوں گے یا ایک ماضی کا اور دوسرا مستقبل کا، یا ایک صیغہ امر کا اور دوسرا ماضی کا۔

ایجاب و قبول میں تطابق

۱۵- ایجاب و قبول کے لیے ضروری ہے کہ ایک کلام دوسرے کلام کے مطابق ہو۔

جواز نکاح

۱۶- نکاح کا جواز متناکحین یا ان کے اولیاء کے عاقل و بالغ ہونے اور دو عاقل بالغ مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اور سماعت میں برضامندی فریقین ایک مجلس میں ایجاب و قبول پر منحصر ہے، بشرطیکہ متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات میں کوئی ایسا امر شرعی موجود نہ ہو جو مانع نکاح ہو۔

مگر شرط یہ ہے کہ متناکحین اگر شیعہ ہوں یا نکاح شیعہ مذہب کے مطابق پڑھایا جائے تو اس کے جواز کے لیے مجلس میں گواہوں کی موجودگی ضروری نہ ہوگی۔

نکاح کی رجسٹری

۱۷- (۱) عائلی قانون کے بموجب عمل میں لایا ہوا ہر نکاح درج رجسٹر کیا جائے گا۔

(۲) اس غرض کے لیے صوبائی حکومتیں مختلف علاقوں میں مناسب اشخاص کو بحیثیت نکاح رجسٹرار مقرر کریں گی۔

(۳) جس نکاح کو نکاح رجسٹرار نے سرانجام نہ دیا ہو اُسے درج رجسٹر کرانے کے لیے اس شخص کی طرف سے نکاح رجسٹرار کو اطلاع بھیجی جائے گی جس نے وہ نکاح سرانجام دیا۔

(۴) نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔

(۵) نکاح رجسٹر نہ کرانے کی صورت میں خاطی کو ایک ماہ قید سادہ یا پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکے گی۔

تعدد ازدواج

۱۸- (۱) کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے، بجز عائلی عدالت کی ماقبل تحریری اجازت کے دوسرا نکاح کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۲) عائلی عدالت صرف اس صورت میں اجازت دے گی جب کہ اسے اس امر کا اطمینان ہوگیا ہو کہ۔

(الف) وہ شخص حسب ضرورت مالی استطاعت رکھتا ہے۔

(ب) ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح میں شرعی مصلحت مضمر ہے، اور

(ج) اس امر کے باور کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں

کہ وہ دوسرے نکاح کی اجازت دیے جانے کی صورت
میں بیویوں کے درمیان عدل نہ کرے گا۔

(۳) دوسرے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی
منظوری حاصل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے
دوسرا نکاح کر لے تو ایسا نکاح شرعاً جائز ہوگا۔ مگر ماقبل تحریری
اجازت حاصل نہ کرنے کے جرم میں اس کو ایک سال تک قید سادہ
یا پانچ ہزار روپیہ تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

چوتھا باب

صحیح، فاسد اور باطل نکاح

نکاح صحیح

۱۹- وہ نکاح جو شرع کے عین مطابق ہو اور جملہ ارکان و شرائط
کی پابندی کے ساتھ بلا کسی شرعی مانع کے منعقد ہوا ہو، نکاح
صحیح کہلائے گا۔

نکاح صحیح کے اثرات

۲۰- نکاح صحیح سے زوجین کو حسب ذیل حقوق حاصل
ہوں گے۔

(۱) دائمی رشتہ زوجیت و حق حبس زوجہ (بیوی کو پابند
بنانے کا حق):

الّا یہ کہ طلاق واقع ہو جائے یا کسی امر شرعی کی بناء
پر تفریق واقع ہو یا کوئی فریق مر جائے۔

(۲) حق مقاربت جنسی ۔

(۳) حرمت مصاہرت ۔

(۴) تولید نسل و ثبوت (قیام) نسب اولاد ۔

(۵) حق مہر زوجہ ۔

(۶) حق نفقۂ زوجہ و راحت و آسایش بقدر استطاعت ۔

(۷) حق وراثت اولاد و مابین زوجین ، اور

(۸) دیگر استمتاع جس کی شرع نے اجازت دی ہو ۔

نکاح فاسد

۴۱۔ نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاح صحیح کی کوئی شرط مفقود ہو ۔

نکاح فاسد کے اثرات

۴۲۔ (الف) اگر دخول نہ ہوا ہو تو نکاح فاسد نکاح باطل کے حکم میں ہوگا اور نتیجتاً طرفین کو ایک دوسرے پر کوئی حق حاصل نہ ہوگا ۔

(ب) دخول کی صورت میں نکاح فاسد کے حسب ذیل اثرات و نتائج مرتب ہوں گے ۔

(۱) مہر مسمیٰ یا مہر مثل ، دونوں میں جو کم ہو ۔

(۲) اثبات نسب اولاد ۔

(۳) حرمت مصاہرت ۔

(۴) نفقۂ اولاد ۔

(۵) زوجہ کا نفقہ تا وقتیکہ فسادِ نکاح کا علم نہ ہو ۔

(۶) وراثت اولاد ۔

(۷) عدت بصورت تفریق یا وفاتِ شوہر ۔

(۸) عدم توارث بین الزوجین ۔

(ج) نکاحِ فاسد کی صورت میں فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر زوجین خود تفریق اختیار نہ کریں تو حاکم عدالت ان میں تفریق کرائے گا اور انہیں سزا دینے کا مجاز ہوگا۔

نکاح باطل

۲۳۔ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہٖ کالعدم ہو۔

نکاح باطل کے اثرات

۲۴۔ نکاح باطل باعتبار نتیجہ بالکلیہ بے اثر ہوتا ہے۔ اس سے مابین فریقین کوئی ازدواجی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا۔

ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں، خالاؤں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح

۲۵۔ ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں، خالاؤں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے، خواہ وہ کتنی ہی پشت پہلے یا بعد کی ہوں، نکاح حرام ہے۔

رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح

۲۶۔ رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

ساس سے نکاح

۲۷۔ کسی مرد کا اپنی ساس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

سوتیلی بیٹیوں سے نکاح

۲۸۔ کسی مرد کا اپنی سوتیلی بیٹی سے، جو اس کی مدخولہ بیوی کے بطن سے ہو، نکاح حرام ہے۔

حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح

۲۹۔ کسی مرد کا اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

اجتماع خواہرین

۳۰۔ ایسا نکاح جو ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے کیا جائے حرام ہے۔ البتہ بیوی کے مر جانے یا اسے طلاق دے دینے اور عدّت گزر جانے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا:

استثناء: اگر مرد نے ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے لا علمی میں نکاح کیا اور صحبت کر لی تو نکاح ثانی پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے،

لیکن طرفین پر فساد ظاہر ہو جانے پر فوراً تفریق واجب ہوگی ۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی ۔

ایسی دو قرابت دار عورتوں کا نکاح میں اجتماع جن کا باہم نکاح حرام ہے

۳۱۔ ایسی دو قرابت دار عورتوں سے بیک وقت یا یکے بعد دیگرے (جب کہ ایک عورت نکاح میں پہلے سے ہو) نکاح جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان میں نکاح حرام ہو ، ناجائز ہے ۔

مشرکہ سے نکاح

۳۲۔ کسی مسلمان مرد کا ایک مشرکہ یا بت پرست عورت سے نکاح حرام ہے ۔

غیر مسلم سے نکاح

۳۳۔ مسلمان عورت کا کسی مشرک یا کتابی مرد سے نکاح مطلقاً حرام ہے ۔

منکوحۂ غیر سے نکاح

۳۴۔ کسی مسلمان مرد کا منکوحۂ غیر سے باوجود علم کے نکاح کرنا حرام ہے :

استثناء: اگر منکوحہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں دخول ہوگیا ہو تو نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے ، البتہ فساد ظاہر ہو جانے پر ان پر تفریق واجب ہوگی ۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی ۔

چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح

۳۵۔ کسی مسلمان مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح باطل ہے ۔

معتدۂ غیر سے نکاح

۳۶۔ معتدۂ غیر سے دوران عدّت نکاح باطل ہے :

استثناء: معتدۂ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں وطی

بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔ البتہ فساد ظاہر ہو جانے پر ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

مطلقۂ ثلاثہ سے نکاح

۳۷۔ مطلقۂ ثلاثہ کا بدون حلالہ اپنے سابق شوہر سے نکاح جدید حرام ہے۔

حاملہ ثابت النسب سے نکاح

۳۸۔ ایسی عورت سے نکاح جو حاملہ ثابت النسب ہو باطل ہے۔

زانیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح

۳۹۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو زانیہ کی ماں اور بیٹی سے اس مرد کا نکاح حرام ہے۔

متعہ

۴۰۔ متعہ حرام ہے۔

نکاح موقّت

۴۱۔ نکاح موقّت باطل ہے۔

نکاح دیوانی

۴۲۔ نکاح دیوانی (سول میرج) جو احکام شریعت کے مطابق نہ ہو کالعدم ہے۔

پانچواں باب

ولایت نکاح

نابالغ کا نکاح

۴۳۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح عدالت مجاز کی اجازت سے ان کے ولی کر سکتے ہیں۔

توضیح: نابالغ پر حق ولایت اس کے بالغ ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔

ولی نکاح

۴۴۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان جس کو بلحاظِ احکامِ شرع حقِ ولایت پہونچتا ہو ولی نکاح ہو سکتا ہے۔

توضیح: مسلمان کا ولی کوئی کافر یا مرتد نہیں ہو سکتا۔

حق ولایت

۴۵۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دینے کا اختیار علی الترتیب حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا:

(۱) باپ۔

(۲) دادا (خواہ کتنی ہی اگلی پشت کا ہو)

(۳) سگا بھائی۔

(۴) علّاتی بھائی۔

(۵) سگا بھتیجا۔

(۶) علّاتی بھتیجا۔

(۷) سگا چچا۔

(۸) علّاتی چچا۔

(۹) سگا چچا زاد بھائی۔

(۱۰) علّاتی چچا زاد بھائی اور اسی طرح دوسرے عصبات (پدری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت۔

(۱۱) ماں۔

(۱۲) بیٹے کی بیٹی۔

(۱۳) بیٹی کی بیٹی۔

(۱۴) پوتے کی بیٹی۔

(۱۵) بیٹی کی نواسی۔

(۱۶) سگی بہن۔

(۱۷) سوتیلا بھائی۔

(۱۸) سوتیلی بہن۔

(۱۹) دیگر ذوی‌الارحام (مادری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت۔

(۲۰) حاکم وقت یا قاضی۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت

۴۶۔ قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قریب تر ولی غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی مولٰی علیہ کا نکاح کر دینے کا مجاز ہوگا۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح

۴۷۔ اگر ولی اقرب موجود ہو مگر نا بالغ کا نکاح ولی ابعد کر دے تو اس کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

دو ہم درجہ اولیاء کی صورت میں ایک کے نکاح کر دینے کا اثر

۴۸۔ اگر دو ہم درجہ ولی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک مولٰی علیہ کا نکاح کر دے تو نکاح جائز ہوگا۔

چھٹا باب

خیار بلوغ

خیار بلوغ کی تعریف

۴۹۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا بہ زمانہ نابالغی ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہو جانے پر رد کر دینے کا اختیار ''خیار بلوغ'' کہلاتا ہے۔

خیار بلوغ کا حق

۵۰۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کو اس کے ولی کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کے لیے خیار بلوغ کے استعمال کا حق حاصل ہے خواہ وہ نکاح اس کے باپ دادا یا کسی بھی ولی کا کیا ہوا ہو۔

فسخ نکاح کی ڈگری

۵۱۔ اگر لڑکے یا لڑکی کا نکاح بزمانۂ نابالغی ان کے جائز ولی

نے کرایا ہو تو وہ بالغ ہو جانے پر خیار بلوغ کے ذریعہ عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے ۔

خیار بلوغ کے استعمال کا وقت

۵۲- لڑکا یا لڑکی زمانۂ نابالغی میں ولی کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کرنے کی صورت میں اندرون مدت ۳ سال بعد بلوغ یا علم نکاح یا ۱۸ سال کی عمر کو پہونچنے پر (جو مدت بھی زیادہ ہو) خیار بلوغ کا حق استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے ۔

خیار بلوغ کا حق کب ساقط ہو جائے گا

۵۳- باکرہ عورت کا خیار بلوغ زائل ہو جائے گا ، اگر وہ نکاح کے علم کے باوجود بعد بلوغ مرد کو جماع کی اجازت دے یا اس سے کوئی ایسا فعل یا ترک فعل سرزد ہو جس سے صراحتاً یا معناً یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے نکاح کو رد نہیں کیا ۔

توضیح : اگر جماع بزمانۂ نابالغی یا بغیر رضامندی کے کیا گیا ہو تو خیار بلوغ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

ثیبّہ کا خیار بلوغ

۵۴- مرد یا ثیبّہ عورت کا خیار بلوغ اس وقت تک زائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بعد بلوغ صراحتاً نکاح پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دے ۔

ساتواں باب

کفاءت

کفو کی تعریف

۵۵- کفو وہ شخص کہلاتا ہے جو مذہب ، نسب ، آزادی ، پیشہ ، دیانت اور تموّل میں ہم سر ہو ۔

کفات کا اطلاق

۵۶- نکاح میں مرد کا عورت کے لیے کفو ہونا ضروری ہوگا۔ عورت کا مرد کے لیے کفو ہونا ضروری نہیں ۔

امور کفأت

۵۷۔ امور کفأت حسب ذیل ہیں :

(۱) اسلام ۔ (۲) نسب ۔
(۳) آزادی ۔ (۴) حرفہ (پیشہ) ۔
(۵) دیانت ، اور ۔ (۶) تموّل ۔

کفأت کا لحاظ

۵۸۔ کفأت کا لحاظ نکاح کے وقت کیا جائے گا ۔

کفأت اور صحت نکاح

۵۹۔ اگر بالغہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ ولی عصبہ بر بنائے عدمِ کفأت عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرنے کا حقدار ہوگا ۔

ولی کا حق اعتراض کب ساقط ہوگا

۶۰۔ ولی کا حق اعتراض نکاح کے علم کے ایک سال بعد یا عورت کے بچہ پیدا ہو جانے پر (جو پہلے واقع ہو) ساقط ہو جائے گا ۔

عدم کفأت کی بناء پر تفریق

۶۱۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بحکم عدالت ہوگی ۔

عدم کفأت کی بناء پر تفریق کا اثر

۶۲۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بمنزلۂ فسخ نکاح ہوگی۔

آٹھواں باب

خلوت صحیحہ

خلوت صحیحہ کی تعریف

۶۳۔ خلوت صحیحہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا کسی ایسی جگہ ، مکان ، یا حصۂ مکان میں تنہا جمع ہونا ، جہاں باہم صحبت کرنے سے کوئی جسمی ، طبعی یا شرعی مانع موجود نہ ہو ۔

توضیح : وہ جگہ ، مکان یا کمرہ ایسا ہو جہاں دونوں کی

اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو ۔

خلوت صحیحہ کا اثر

۶۴۔ (الف) خلوت صحیحہ اپنے اثر کے اعتبار سے حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کی قائم مقام متصور ہوگی :

(۱) کل مہر کے لازم ہونے میں ۔
(۲) نسب اولاد ثابت ہونے میں ۔
(۳) عدت کے واجب ہونے میں ۔ اور
(۴) نفقہ دوران عدت کے واجب ہونے میں ۔

(ب) حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کے قائم مقام متصور نہ ہوگی :

(۱) بکارت زائل ہونے میں ۔
(۲) سنگ ساری کے حکم میں ۔
(۳) زوجہ کی لڑکی (پہلے شوہر سے) کے حرام ہونے میں ۔
(۴) رجعت میں ۔ اور
(۵) میراث میں ۔

خلوت فاسدہ

۶۵۔ خلوت فاسدہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا کسی ایسی تنہا جگہ، مکان یا حصۂ مکان میں جمع ہونا جہاں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو لیکن دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو حقیقتاً صحبت کرنے پر قدرت نہ ہو ۔

خلوت فاسدہ کا اثر

۶۶۔ خلوت فاسدہ کی صورت میں عدت اور نفقہ استحساناً واجب ہوگا ۔

نواں باب

مہر

مہر کی تعریف

۶۷۔ مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو عورت شرعاً مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

مہر کی مقدار

۶۸۔ مہر کی کم از کم مقدار ساڑھے تین روپے پاکستانی یا اس کے مساوی قیمت کی کوئی شے ہے۔ زائد کی کوئی حد نہیں۔

اقسام مہر

۶۹۔ مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں:

(۱) مہر مسمیٰ۔

(۲) مہر مثل۔

مہر مسمیٰ: اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح مابین زوجین مقرر ہوا ہو۔ اس کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں:

(و) مہر معجّل۔ (ب) مہر موجّل۔

مہر معجّل: اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو۔

مہر موجّل: اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔

مہر مثل: مہر مثل امثال و اقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو۔

لزوم مہر

۷۰۔ اگر معاہدۂ نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو شرعاً مہر لازم تصور کیا جائے گا اور مرد پر مہر مثل واجب ہوگا۔

توضیح : اگر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تو شرط ساقط ہوگی اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر کی ذمہ داری

۷۱- مہر کی ادائی کی ذمہ داری براہ راست شوہر پر عائد ہوگی الّا یہ کہ نکاح بحالت صغرسنی اس کے ولی نے کیا ہو، ایسی صورت میں اس کی ذمہ داری ولی پر ہوگی۔

توضیح : شوہر کے بالغ ہونے پر نکاح کے قائم رکھنے کی صورت میں مہر کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی اور ولی بری‌الذمہ ہو جائے گا۔

عدم صراحت کی صورت میں مہر کی ادائی

۷۲- معاہدۂ نکاح میں مہر کی ادائی کے بارے میں کوئی صراحت نہ ہونے کی صورت میں پورا مہر مہر معجّل متصور ہوگا۔

خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں مہر کا وجوب

۷۳- خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں مرد کے ذمہ نصف مہر مسمیٰ واجب ہوگا۔

توضیح : (و) اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو تو عورت کو متعہ (ایک جوڑا کپڑا) دیا جائے گا۔

(ب) اگر فسخ نکاح کی ذمہ داری عورت پر ہو تو وہ کچھ مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب

۷۴- حسب ذیل صورتوں میں کل مہر متاکد اور فی الفور واجب ہو جائے گا۔

(و) خلوت صحیحہ کے بعد۔

(ب) کسی ایک کی وفات واقع ہونے پر۔

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں مہر کی ادائی

۷۵- خلوت صحیحہ کے بعد طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں کل مہر فی‌الفور واجب ہو جائے گا۔

وفات واقع ہو جانے پر مہر کا وجوب

۷۶۔ نکاح صحیح کے دوران زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں کل مہر واجب الادا ہو جائے گا، بلا لحاظ اس کے کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ۔

مہر میں کمی یا زیادتی

۷۷۔ قیام نکاح کے دوران:

(و) زوجہ اپنے مہر میں کمی کر سکتی ہے۔

(ب) شوہر مہر مقررہ میں زیادتی کر سکتا ہے۔

مہر وصول کرنے کا اختیار

۷۸۔ بالغہ عورت کو مہر وصول کرنے کا خود اختیار حاصل ہے۔ نابالغہ ہونے کی صورت میں اس کا شوہر یا ولی مہر معجل کو (بصورت ادائی) عدالت میں جمع کرانے کا پابند ہوگا۔

زوجہ کا مہر کے ہبہ کرنے کا اختیار

۷۹۔ زوجۂ بالغہ اپنے مہر کا کل یا جزو ہبہ یا معاف کر سکتی ہے۔

توضیح: اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ نہیں کر سکتا۔

عدم ادائی مہر معجل کی بناء پر زوجہ کا زناشوئی سے انکار

۸۰۔ زوجہ کو تا ادائی مہر معجل شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے انکار کا حق حاصل ہو گا، خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

مہر کی نوعیت

۸۱۔ مہر کی نوعیت ایک قرض کی ہے جو تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدّم ہے۔

عدم ادائی مہر کی صورت میں بیوہ کا متوفی کی جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق

۸۲۔ عدم ادائی مہر کی صورت میں بیوہ کو متوفی کی جائداد پر تا ادائی مہر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہو گا۔

توضیح: یہ واقعہ کہ بیوہ بر بنائے دین مہر متوفی کی جائداد پر قابض ہے اس امر میں مانع نہ ہوگا کہ وہ اپنے مہر کی وصول یابی کا مقدمہ متوفی کے ورثاء پر دائر کرے۔

دسواں باب

نفقہ

نفقے کی تعریف

۸۳۔ نفقہ حبس زوجہ کا معاوضہ ہے جس میں خوراک ، لباس اور مکان شامل ہے ۔

نفقے کی شرعی حیثیت

۸۴۔ شوہر پر اپنی زوجہ کا نفقہ بر بنائے تسلیم نفس واجب ہے ۔

شرائط وجوب

۸۵۔ مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہوگا :-

(۱) جب کہ نکاح صحیح ہو ۔

(۲) جب کہ عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو ۔

(۳) جب کہ زوجہ مشقت جماع کو برداشت کر سکتی ہو ، خواہ شوہر نا بالغ ہو یا اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو ۔

(۴) جب کہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو مگر شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو یا بغیر وجہ جائز کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو ۔

(۵) جب کہ عورت بر بنائے عدم ادائی مہر معجل یا کسی دیگر جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکاری ہو ، خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو ۔

نفقے کا عدم وجوب

۸۶۔ حسب ذیل صورتوں میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہوگا :۔

(۱) جب کہ زوجہ اتنی کم عمر ہو کہ جماع کی مشقت کو برداشت نہ کر سکتی ہو ، لیکن اگر زوجہ پاگل ہو جائے یا ایسی بڑھیا ہو جائے کہ جماع کے قابل نہ رہے تو نفقہ کا وجوب قایم رہے گا۔

(۲) جب کہ عورت اس قدر بیمار ہو کہ بعد عقد رخصت ہوکر مرد کے گھر نہ آ سکتی ہو ، لیکن اگر شوہر کے گھر میں بیمار ہو تو نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) جب کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے الاّ یہ کہ حج واجب ہو۔

(۴) جب کہ عورت کاریگر یا ملازم ہو اور شوہر کے منع کرنے کے باوجود گھر سے باہر رہتی ہو۔

(۵) جب کہ عورت قید میں ہو ، البتہ شوہر کے قید میں ہونے کے سبب عورت اپنے نفقہ کے حق سے محروم نہ ہوگی۔

(۶) جب عورت ناشزہ (نافرمان) ہو اور شوہر کی اجازت کے بغیر بلا وجہ جائز اس کے گھر سے نکل جائے ، یا اگر مکان عورت کی ملکیت ہو تو شوہر کو مکان میں داخل ہونے اور اپنے ساتھ رہنے سے منع کرے۔

توضیح : عورت اگرچہ ناشزہ ہو مگر شوہر کے گھر میں رہتی

ہو تو بغرض نفقہ ناشزہ نہیں کہلائے گی خواہ وہ مرد کو ہم بستر ہونے سے منع کرتی ہو۔

(۷) نکاح فاسد میں وطی بالشبہ کی صورت میں فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر، ماسوائے نکاح بلا شہود کے۔

(۸) جب عورت بلا وجہ جائز شوہر سے علیحدہ رہے یا اس کے ساتھ دوسرے شہر جانے سے انکار کرے۔ اِلّا یہ کہ مہر معجل ادا طلب ہو یا کوئی معاہدۂ جائز مابین فریقین موجود ہو۔

(۹) جب کہ عورت مرتد ہوگئی ہو۔

(۱۰) جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو۔

(۱۱) جب کہ بوجہ وفات عدت میں ہو۔

استثنا: اگر بیوہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک نفقہ واجب ہوگا۔

(۱۲) جب کہ کوئی عورت کو غصب کر کے لے جائے۔

نفقے کی مقدار۔

۸۷۔ زوجہ کے نفقے میں شوہر اور زوجہ دونوں کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر دونوں کی حیثیت میں فرق ہو تو اوسط درجے کا نفقہ دلایا جائے گا۔

گزشتہ زمانے کا نفقہ

۸۸۔ عورت کو حق ہو گا کہ وہ شوہر سے گزشتہ زمانے کے نفقہ کے جائز اخراجات کی ادائی کا مطالبہ کرے۔

مرد کے غیاب میں نفقہ

۸۹۔ اگر شوہر غائب ہو تو زوجہ شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور قرض خواہ اس کے شوہر سے

وصول کر سکتا ہے ، بشرطے کہ نفقہ عدالت کی جانب سے مقرر کردہ ہو ۔

قید بسبب عدم ادائی نفقہ

۹۰- اگر مرد عورت کے نفقہ کی فراہمی سے مسلسل غفلت اور کوتاہی برتتا ہو تو عورت عدالت میں نفقہ کی عدم ادائی کی صورت میں مرد کو قید کیے جانے کی درخواست پیش کرنے کی مجاز ہو گی ۔

ابراء نفقے کا معاہدہ

۹۱- زوجین کے درمیان یہ معاہدہ یا زوجہ کا یہ اقرار کہ مرد پر نفقہ واجب نہ ہو گا یا وہ نفقہ نہ لے گی ، باطل ہو گا ۔

تفریق بربنائے تنگدستی

۹۲- کسی عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ شوہر کی تنگدستی کے سبب تفریق کی طالب ہو الّا یہ کہ حاکم عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ معاش کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے ۔

شرح

قانونِ نکاح

پہلا باب

ابتدائی

نام

۱۔ اس مجموعہ کا نام "مجموعۂ قوانین اسلام" ہوگا۔

اطلاق

۲۔ (۱) قانون ھذا کا اطلاق جملہ مسلمانوں اور ان غیر مسلم عورتوں پر ہوگا، جن سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے اور جو شرعاً جائز طریقہ پر مسلمان مردوں کے نکاح میں آ جائیں۔

(۲) قانون ھذا اور قانون نافذالوقت میں اگر مغائرت یا تضاد پایا جائے تو قانون نافذالوقت غالب رہے گا، الا یہ کہ اسے منسوخ کر دیا جائے یا ترمیم کے ذریعہ قانون ھذا کے مطابق بنا دیا جائے۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں کوئی شرعی حکم قانون نافذالوقت یا قانون ھذا میں موجود نہ ہو تو شریعت اسلامیہ کی مبادیات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۴) شریعت اسلامیہ کی مبادت میں حکم نہ ہونے کی صورت میں عرف عام و نظائر عدالت کی روشنی میں مناسب حکم جاری کیا جائے گا۔

(۵) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو تو عدالتیں اجتہاد سے کام لیں گی:

مگر شرط یہ ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت کے تابع اور ادلّۂ شرعیہ کا پابند ہوگا:

مسلمان کی تعریف

۳۔ جو کوئی شخص خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو، مسلمان ہے۔

تعریف نکاح

۴۔ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے مابین دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔

تشریح

نکاح کے لغوی معنی ''ملانا'' اورحقیقی معنی ''جماع'' کے ہیں۔ نکاح کو قرآن پاک میں ''حِصَن'' یعنی قلعہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مراد زوجین کی عفّت و عصمت کا تحفظ ہے۔

کتب فقہ میں نکاح کی تعریف:

ھدایہ میں نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ نکاح ایک معاہدہ ہے جس کا مقصد جائز اولاد پیدا کرنا ہے[1]۔ کنزالدقائق میں نکاح کو ایک ایسا معاہدہ کہا گیا ہے جو عورت سے حصول تمتع کی خاطر مالک ہونے کے لیے کیا جاتا ہے[2]۔ یہی تعریف فتاویٰ عالمگیری میں بھی بیان کی گئی ہے[3]۔ اسی طرح شرح وقایہ میں بھی نکاح کو ایک ایسے معاہدے سے تعبیر کیا گیا ہے جو اس تمتع کے حلال ہونے کے واسطے، جو مرد کو عورت سے حاصل ہوتا ہے، وجود میں آتا ہے[4]۔ ملک شام کے عائلی قانون میں

(۱) ھدایہ (انگریزی) چارلس ھملٹن، صفحہ ۲۵۔

(۲) " النکاح عقد یرد علی ملک المتعۃ قصداً " (کنزالدقائق، مطبع مجتبائی دھلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۷) یہ تعریف مبہم اور ناقص ہے (مؤلف)

(۳) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۱۔

(۴) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور، جلد ۲ کتاب النکاح، صفحہ ۳۶۳۔

نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ نکاح مرد و عورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس سے عورت مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے ، اس کا مقصد باہمی زندگی اور توالد و تناسل کا رشتہ پیدا کرنا ہے[5]۔

فی الحقیقت نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں زوجین کو ایک دوسرے پر ہر ایسے استمتاع کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے جس کی شرع نے اجازت دی ہو۔

معاہدۂ نکاح کی نوعیت اور عدالتیں :

جہاں تک معاہدۂ نکاح کی نوعیت کا تعلق ہے اس بارے میں عدالت ہائے عالیہ ہند و پاک اور پریوی کونسل کا زمانۂ دراز سے یہ نقطۂ نظر رہا ہے کہ دیگر عام معاہدات کی طرح نکاح ایک دیوانی معاہدہ ہے چنانچہ غیر منقسم ہندوستان کے مشہور جج جسٹس محمود نے تقریباً اسّی(۸۰) سال قبل بمقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ بی[6] اسلامی قانون میں نکاح کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے اس سے اتفاق کیا کہ '' مسلمانوں میں نکاح ایک مذہبی رسم نہیں بلکہ ایک خالص دیوانی معاہدہ ہے ''۔ دراصل یہ تصور شاما چرن سرکار (ٹیگور لاء لیکچرز ، ۱۸۷۳ع) کے نقطۂ نظر کی تائید میں قائم کیا گیا ، کیوں کہ اسلامی نکاح میں ہندوؤں کی طرح کسی مذہبی رسم کی ضرورت نہیں ہے۔ جسٹس محمود کے اس نقطۂ نظر کو اختیار کرنے کے بعد ہند و پاک کی تقریباً تمام ہی عدالتوں نے نکاح کو ایک خالص دیوانی معاہدہ قرار دیا حالانکہ

---

(۵) " الزواج عقد بین رجل و امراۃ تحل له شرعاً ، غایة انشاء رابطة للحیاۃ المشترکة والنسل " (قانون الاحوال الشخصیه ، دمشق)۔

(۶) (۱۸۸۶ع) ۸۔ الہ آباد ، صفحہ ۱۴۹۔

اسلامی نکاح کو خالص دیوانی معاہدہ کہنا اسلامی تصورِ نکاح کے ساتھ سراسر زیادتی اور کھلی بے انصافی ہے۔

البتہ کراچی کے ایک مقدمہ محمد یاسین بنام خوشنما خاتون، میں جسٹس قدیرالدین احمد نے معاہدۂ نکاح کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا کہ "اگر مذہبی رسم نکاح کا کوئی لازمی جزو نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح اپنے اندر کوئی مقدس پہلو نہیں رکھتا یا اس کے ساتھ مذہب کا تقدس اور خدا وند تعالیٰ کی خوشنودی شامل نہیں ا فی‌الحقیقت نکاح کے ساتھ روحانیت کے اعلیٰ ترین سرچشموں سے ایک تقدس وابستہ ہے جو شروع سے آخر تک حقوق و فرائض کے تصورات کا تابع ہے۔ ان حقوق و فرائض کو اس تقدس سے، جو ان کی خاصیت میں ہے، مبرّا خیال کیا جائے تو یہ حقوق و فرائض بے حرمت ہو جائیں گے اور اپنے امتیازی خاصہ میں اسلامی نہ رہیں گے۔"

صحیح نقطۂ نظر :

جسٹس قدیرالدین احمد کا یہ نقطۂ نظر کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح کی حیثیت محض ایک دیوانی معاہدے (Civil Contract) کی نہیں ہے بلکہ اس میں مذہبی تقدس بھی ہے، صحت پر مبنی ہے۔ کیوں‌کہ مسلمانوں کے نکاح سے صرف تمدنی اور عمرانی فوائد ہی نہیں بلکہ دینی اور روحانی فوائد بھی مقصود ہیں۔

نکاح — ایک شرعی معاہدہ :

حقیقت یہ ہے کہ نکاح ایک مقدس شرعی معاہدہ ہے البتہ جو حقوق و فرائض مابین زوجین پیدا ہوتے ہیں وہ دیوانی نوعیت

(۷) ۲۰- کراچی ویکلی لاء رپورٹر، نمبر ۲۹ (۱۹۶۰ع) صفحہ ۶۵۔

کے حامل ہیں اور عدالتوں کے ذریعہ نافذ کرائے جا سکتے ہیں، لیکن محض حقوق کے دیوانی ہونے کی بناء پر نکاح کو خالص دیوانی (Civil) یا عمرانی (Social) معاہدہ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ حقوق کسی ملک کے قانون ساز ادارے نے عطا نہیں کیے بلکہ ایجاب و قبول سے جو معاہدۂ نکاح مشہود ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی وہ جملہ حقوق و ذمہ داریاں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمان اور شارع علیہ السلام کی ہدایات پر مبنی ہیں۔ اسی لیے فقہاء اسلام نے نکاح کو معاملات اور عبادات دونوں میں داخل کیا ہے۔

نکاح — ایک شرعی حکم :

نکاح کو سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کہا ہے[8]۔ چنانچہ حالت اعتدال میں نکاح سنت موکدہ اور جب کہ زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو اور مرد عورت

---

(۸) " قال صلی اللہ علیہ وسلم النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی ای لیس علی طریقتی " (المبسوط ، سرخسی ، مصر ، جلد ۴ صفحہ ۱۹۳)۔

"واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی" (کتاب السنن الکبری بیہقی ، مطبوعہ حیدرآباد دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۷۷)۔

"من کان موسراً لان ینکح فلم ینکح فلیس منا" (کتاب السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ حیدرآباد دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۷۸)۔

"عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول لا صرورۃ فی الاسلام" (مسند ، ابن حنبل ، جلد ۴ ، حدیث نمبر ۲۸۴۵ ، مطبوعہ دارالمعارف ، مصر)۔

" عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اعطی للہ و منع للہ واحب وابغض للہ وانکح للہ فقد استکمل الایمان " ۔ (مستدرک ، للحاکم مطبوعہ دکن ، جلد ۲ ، کتاب النکاح ، صفحہ ۱۶۴)۔

کے مہر و نفقہ پر قادر ہو تو نکاح واجب ہے، جس کا نہ کرنا باعث گناہ ہے[9]۔

نکاح — ایک عبادت :

صحابۂ کرام و حنفی فقہاء کے ظاہرا اقوال کے بموجب نکاح کی مشغولیت نفل نماز سے افضل ہے[10]۔

---

(۹) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، کتاب النکاح، صفحہ ۱۔
المغنی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۴۴۶۔

(۱۰) بدائع الصنائع، الکاسانی، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸۔
المغنی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۴۴۶۔

دوسرا باب

مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح

مسلمان فرقوں میں نکاح

۵۔ مسلمانوں کے ہر فرقے کے مرد و عورت کے درمیان باہم نکاح جائز ہے۔

تشریح

ایک مسلمان مرد یا عورت خواہ اس کا تعلق کسی مسلمان فرقے یا مکتب فکر سے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ آزادی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان مرد یا عورت کا ایسے فرقوں سے، جن کو باجماع اُمت مسلم تصور کیا گیا ہے، متعلق ہونا مرد یا عورت کی قابلیت نکاح یا جواز نکاح کو متاثر نہیں کرتا اور باہم نکاح جائز ہوگا۔

البتہ اہل تشیع کے نزدیک ایک شیعہ عورت کا نکاح سنی مرد کے ساتھ مکروہ ہے[1]۔ اسی طرح سنیوں کے نزدیک بھی ایک سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد کے ساتھ مکروہ ہے[2]۔

مختلف فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں زوجین کے حقوق و فرائض کا تعین

۶۔ (۱) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں، زوجین کا تعلق اگر مختلف فرقوں سے ہو تو ان کے ازدواجی حقوق و فرائض اس فرقے کے مطابق متعین ہوں گے جس کے وہ بوقت نکاح پابند ہوں، اِلّا یہ کہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے اپنی مرضی سے اپنے فرقے کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر لیا ہو۔ اس صورت میں ان کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے۔

---

(۱) عزیز بانو بنام محمد ابراہیم، اے۔ آئی۔ آر الہ آباد ۱۹۲۵ ع ص ۷۲۰۔

(۲) فتاویٰ عزیزیہ، مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۱، صفحہ ۳۰۔

(۲) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس فرقے کے مذہب کے مطابق عمل ہو گا، جس سے مدعا علیہ متعلق ہو۔

تشریح

زوجین کے مختلف مسلم فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں ہر فریق کے ازدواجی حقوق و فرائض کا تعین اس فرقے کے احکام کے مطابق ہوگا جس سے وہ بوقت نکاح متعلق تھا۔ چنانچہ نکاح کے بعد عورت اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھ سکتی ہے اور اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شوہر کے فرقے کے احکام کی پیروی کرے۔ البتہ کوئی فریق اپنی مرضی سے اپنے فرقے کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے[۳] بشرطیکہ اس کے برعکس کوئی قانون نافذ نہ ہو۔

لیکن کسی برعکس قانون موضوعہ یا قانونی قوت رکھنے والے رواج کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس قانون پر عمل ہوگا جس سے مدعا علیہ متعلق ہو[۴]۔

<u>کتابیہ سے نکاح</u>

۷۔ مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح مکروہ ہے۔

تشریح

مسلمان مردوں کا نکاح ان غیر مسلم عورتوں سے جائز ہے جو اہل کتاب ہوں۔ یعنی کسی آسمانی کتاب کی معتقد ہوں[۵]۔

---

(۳) حسین بنام حمیدن ' آئی - ایل - آر' ۳ الہ آباد ' صفحہ ۲۰۵ -
(۴) عزیز بانو بنام محمد ابراہیم' اے - آئی - آر ۱۹۲۵ ع' الہ آباد ص ۷۲۰ -
(۵) احکام القرآن ' الجصاص ' مصر ' جزو اول صفحہ ۳۳۲-۳۶ -
المبسوط ' سرخسی ' مصر ' جلد ۵ صفحہ ۵۰ - [بقیہ صفحہ ٦٣ پر]

اهل کتاب سے بالعموم عیسائی و یہودی مذاهب کے پیرو مراد هیں۔

اگر کسی عورت کے باپ یا ماں میں سے ایک کتابی هو اور دوسرا مشرک، تب بھی وہ عورت کتابیہ کہلائے گی[۶]۔

مگر امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی عورت کتابیہ نہ هوگی اور اس سے نکاح حلال نہیں ہے[۷]۔

نکاح کتابیہ اور قرآن :

کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت خود قرآن پاک میں دی گئی ہے۔ چنانچہ چھٹے پارے میں سورۂ مائدہ کی پانچویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوالکتٰب من قبلکم'' یعنی (حلال هیں) پاک دامن عورتیں جو مسلمان هوں اور پاک دامن عورتیں ان میں سے بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی۔

ابن عمر کا مسلک :

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ صحابۂ کرام میں ابن عمر کے متعلق

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲]

کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، مؤلفہ عبدالرحمان الجزیری، مصر، جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

کنزالدقائق، مطبع مجتبائی دهلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۹۔

شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاهور، جلد دوم، کتاب النکاح، صفحہ ۳۷۱-۷۲۔

قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۳۸۔

(۶) " و من کان احد ابویہ کتابیا والاخر مجوسیا کان حکمہ حکم اهل الکتاب کذا فی البدائع " (فتاویٰ عالمگیری، مطبع مجیدی کان پور، جلد ثانی، کتاب النکاح، صفحہ ۸)۔

(۷) المغنی، مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۵۹۳۔

منقول ہے کہ وہ کتابیہ عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ دراصل ابن عمر سے تین قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب کے طعام میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح مکروہ ہے[8]۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب ان سے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کو مسلمانوں پر حرام کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی شرک ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم یا کسی بندۂ خدا کو خدا قرار دیا جائے[9]۔

ابن عمر رضی‌اللہ عنہ سے تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ میمون بن مہران نے آپ سے کہا کہ ہم لوگ ایسے خطۂ ارضی میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب کے ساتھ میل جول ہے۔ ہم ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں اور ان کا کھانا کھاتے ہیں۔ یہ سن کر ابن عمر نے آیت تحلیل (والمحصنٰت من‌الذین اوتوالکتٰب من قبلکم) اور آیت تحریم (ولا تنکحوالمشرکات حتّٰی یؤمن) پڑھ دیں۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو میں بھی پڑھتا ہوں جو تم پڑھتے ہو لیکن ہم ان کی عورتوں سے

---

(۸) "حدثنا جعفر بن محمد قال حدثنا جعفر بن محمد بن الیمان قال حدثنا بو عبید قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن عبید اللہ بن نافع عن ابن عمر انہ کان یری باساً بطعام اهل الکتاب و کرہ نکاح نسائهم"۔ (احکام القرآن، الجصاص، سر، جزو اول، باب نکاح المشرکات، صفحہ ۳۳۲)۔

(۹) "قال ابو عبید و حدثنا عبداللہ بن صالح عن اللیث قال حدثنی عن ابن عمرانہ کان اذا سئل عن نکاح الیهودیة والنصرانیة قال ان اللہ حرّم شرکات علی‌المسلمین قال فلا اعلم من الشرک شیاً اکبر اوقال اعظم من تقول ربها عیسیٰ او عبد من عبید اللہ"۔ (احکام القرآن، الجصاص، مصر، اول، باب النکاح المشرکات، صفحہ ۳۳۲)۔

نکاح کرتے ہیں اور ان کا کھانا کھاتے ہیں ۔ ابن مہران نے کہا ہے کہ ابن عمر نے آیت تحلیل اور آیت تحریم پھر پڑھ دیں ۔

جصّاص نے کتابیہ سے نکاح کے سلسلہ میں ابن عمر کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی کتاب احکام القرآن[10] میں لکھا ہے کہ ابن عمر نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے کے سلسلے میں جواب دینے سے احتراز برتا اور ان کا دونوں آیتوں کا بار بار پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی کوئی حتمی رائے اس بارے میں قایم نہ کر سکے تھے ۔ جہاں تک ابن عمر کے کتابیہ سے نکاح کو مکروہ قرار دینے کا تعلق ہے وہ تحریم کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اہل حرب کی کتابیہ عورتوں کے نکاح سے ہے ۔

صحابہ اور تابعین کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل تھے ۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی‌اللہ عنہ کی بیوی نائلہ بوقت نکاح عیسائی تھیں اور طلحہ ابن عبیداللہ نے شام کی ایک یہودی عورت سے شادی کی تھی ۔ اسی طرح حُذیفہ بن الیمان رض نے بھی ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا ۔

مذکورہ بالا نکاحوں کا ذکر کرتے ہوئے جصاص نے اپنی مذکورہ کتاب[11] میں لکھا ہے کہ اگر کتابیہ سے نکاح ناجائز ہوتا تو یہ صحابہ ان عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرتے ۔ جصاص نے لکھا ہے کہ تابعین مثلاً الحسن ، ابراہیم اور شعبی وغیرہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں اور ہمیں صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو کتابیہ سے نکاح کی تحریم

(۱۰) الجزء الاول ، باب النکاح المشرکات ، صفحہ ۳۳۳ ۔

(۱۱) احکام القرآن ، الجصاص ، مصر ، جزء الاول ، باب النکاح المشرکات ، صفحہ ۳۳۳ ۔

کا قائل ہو ۔ چنانچہ ابن عمر سے جو کچھ مروی ہے اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو ناجائز قرار دیتے تھے ۔ البتہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح میں کراہت کے ضرور قائل تھے اور وہ کراہت کسی حرمت کی بناء پر نہ تھی بلکہ اس مصلحت کی بناء پر تھی کہ مبادا بدکار کتابیہ عورتیں مسلمانوں کے ایمان اور اخلاق کو خراب کر دیں ۔

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے سلسلے میں ابن عمرؓ کے دل میں شبہ پیدا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ''والمحصنٰت من الذین اوتوالکتٰب من قبلکم'' سے اہل کتاب میں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو مسلمان ہو جائیں ۔ چنانچہ ابن عمرؓ ''والمحصنٰت'' کی تفسیر ''والمسلمٰت'' سے کرتے ہیں ۔ لیکن اس مسئلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے درست نہیں ۔ اس کی بناء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کے لیے اس آیت سے پہلے ''والمحصنٰت من المؤمنٰت'' کہہ کر مسلمان عورتوں کو کتابیہ عورتوں سے ممیّز کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ مومنت میں پیدائشی مسلمان عورتیں اور وہ عورتیں جو کافر تھیں یا عیسائی یا یہودی تھیں اور مسلمان ہوگئیں دونوں شامل ہیں ۔ دوسرے، قرآن پاک مشرکین و کفار، اور اہل کتاب اور مومنین کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتا ہے اور قرآن پاک میں یہ تینوں گروہ علیحدہ علیحدہ نظر آتے ہیں ۔ اس لیے اہل کتاب کو مشرکین پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔

اندریں صورت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق پہلا قول کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں راجح ہے ۔

ابن عباس رضؓ کا نقطہ نظر :

صحابۂ کرام میں ابن عباس کے متعلق یہ منقول ہے کہ ان کے

نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت ہے جو پاک دامن هوں اور اسلامی حکومت کی رعایا هوں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک دارالحرب اور دارالکفر کی کتابیہ عورتوں سے نکاح درست نہیں ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اهل کتاب کے اس گروہ سے جو دارالحرب کے رهنے والے هوں یعنی اسلامی حکومت کے باهر رهتے هوں جنگ کا حکم دیا ہے ۔ نیز یہ کہ جو لوگ خدا اور رسول کے دشمن هوں ان سے محبت رکھنا اهل ایمان کا شیوہ نہیں ۔ ابن عباس رضی‌اللہ عنہ اپنی اس دلیل کے ثبوت میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیتوں کو پیش کرتے هیں :

(۱) ''قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم‌الآخر ولا یحرمون ماحرم‌اللہ ورسولہ ولا یدینون دین‌الحق من‌الذین اوتوالکتاب حتی یعطوا الجزیة عن یدوهم صاغرون''[۱۲]۔

ترجمہ : اهل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے هیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے هیں جن کو خداوند تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے هیں ' ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت هو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں ۔

(۲) '' لا تجد قوماً یومنون باللہ و الیوم‌الآخر یوآدون من حاد اللہ و رسولہ و لوکانوا آباء هم او ابناءهم او اخوانهم او عشیرتهم[۱۳] ''۔

ترجمہ : جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے هیں آپ ان

۱۲) پارہ ۱۰ ' سورة التوبہ ' آیت ۲۹ ۔
۱۳) پارہ ۲۸ ' سورة المجادلہ ' آیت ۲۲ ۔

کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اوراس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں۔

(۳) ''ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنو آ الیہا وجعل بینکم مودۃً و رحمۃ''[۱۴]۔

ترجمہ: کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

حجۃ الاسلام امام ابی بکر احمد بن علی الرّازی الجصّاص نے اپنی کتاب احکام القرآن[۱۵] میں ابن عباس کے استدلال پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن عباس نے کتابیہ ذمیہ اور کتابیہ حربیہ میں جو تفریق پیدا کی ہے وہ بے بنیاد ہے، کیونکہ آیۂ کریمہ ''والمحصنٰت من الذین اوتواالکتاب من قبلکم'' میں ذمیات اور حربیات میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ نیز یہ کہ قرآن پاک کے کسی حکم میں بلا دلالت کے تخصیص پیدا کرنا غلط ہے۔

علاوہ ازیں سعید بن المسیب اور حسن بصری کے خیال میں یہ آیت اپنے اندر ایک عام حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ذمیہ اور غیر ذمیہ میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں۔ آخرالذّکر نقطۂ نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے۔

جہاں تک ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان دلائل کا تعلق ہے جو مذکورہ بالا تین آیتوں پر مبنی ہیں ان کے متعلق صحیح صورت

---

(۱۴) پارہ ۲۱، سورۃ الروم، آیت ۲۱۔

(۱۵) الجزء الاول، باب النکاح المشرکات، صفحہ ۳۲۴-۳۲۵۔

یہ ہے کہ کسی کے واجب القتل ہونے یا اس کے ساتھ جنگ کو لازمی قرار دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے ۔ فی الحقیقت نکاح کے جواز کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ھی نہیں ہے کیونکہ اگر کسی شخص کا واجب القتل ہونا فساد نکاح کی علّت ہوتا تو خوارج اور باغیوں کی عورتوں سے بھی نکاح ناجائز ہوتا ۔ چونکہ آیۂ مبارکہ '' فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ ''[16] کے مطابق اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے ' یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائیں ۔

ابن عباس کی دوسری دلیل ' کہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی تعلق کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہے وہ باہمی الفت اور محبت ہے اور حربی اہل کتاب سے محبت رکھنا اہل ایمان کا کام نہیں ہے ' فی الحقیقت جواز نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اگر نکاح کے لیے مودّت واجب ہوتی تو اس دلیل سے خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ایک ذمیہ کتابیہ کیونکر مستثنیٰ قرار پا سکتی ہے ؟ اسی طرح حربیہ ذمیہ سے نکاح کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ وہ اللہ و رسولؐ کے برخلاف ہیں' حکمت سے خالی ہے ۔ کیونکہ پھر ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذمی اہل کتاب اللہ اور رسول کے برخلاف نہیں ہیں اور ان سے دوستی رکھی جا سکتی ہے اور اسی بناء پر ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے' حالانکہ قرآن پاک سے ایسی تفریق یا تخصیص بالخصوص کتابیہ عورتوں سے نکاح کے معاملے میں ثابت نہیں ہے ۔

---

(۱۶) پارہ ۲۶ ' سورہ الحجرات ' آیت ۹ ۔

صحیح شرعی حیثیت :

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی آیت " و المحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم " اپنے اندر ایک عام حکم کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ذمیہ اور غیر ذمیہ میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں ۔ اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے ۔ البتہ تمام ائمہ دارالحرب اور دارالکفر کی رہنے والی کتابیہ عورتوں سے نکاح کو بالاتفاق مکروہ قرار دیتے ہیں ۔ جس کی بنیادی وجہ اسلامی معاشرت کے تقاضوں کی تکمیل ہے نہ کہ بجائے خود قرآن و سنت کا کوئی باضابطہ حکم ۔

کتابیہ حربیہ سے نکاح کو مکروہ قرار دینے کی وجہ ، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے ، یہ ہے کہ اس نکاح سے سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم ماں کی آغوش میں تربیت پائی ہوئی اولاد اسلامی معاشرے کے لیے کارآمد ثابت نہ ہو سکے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مسلمان گھرانے میں غیر اسلامی طریقے اختیار کرے چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے جب ایک یہودیہ سے نکاح کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس عورت کو چھوڑ دو ، حذیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ حکم کس بناء پر ہے ؟ کیا کتابیہ عورت سے نکاح حرام ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں تم لوگ اہل کتاب کی آبرو باختہ عورتوں میں نہ پھنس جاؤ ۔[۱۷]

---

(۱۷) " وروی عن حذیفہ ۔۔۔ انہ تزوج یھودیة و کتب الیہ عمر ان خل سبیلھا فکتب الیہ حذیفة أحرام ھی فکتب الیہ عمر لا ولکن اخاف ان تواقعوا المومسات منھن " (احکام القرآن ، الجصاص ، مصر ، جزء الاول ، باب النکاح ، المشرکات ، صفحہ ۳۲۳) ۔

نکاح کتابیہ اور شیعہ مکتب فکر :

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جائز (مگر مکروہ) ہونے کے سلسلے میں سنیوں میں اتفاق ہے ۔ لیکن شیعہ مکتب فکر میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اصولی شیعہ اور معتزلہ احناف سے متفق ھیں اور کتابیہ عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھتے ھیں جب کہ اخباری شیعوں کے نزدیک مسلم کا غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح دائمی جائز نہیں ۔[18] ان کے نزدیک کتابیہ عورتوں سے صرف متعہ جائز ہے[19]۔ چنانچہ کافی ، تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام باقر سے منقول ہے کہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ،، والی آیت کا حکم ،، و لا تمسکوا بعصم الکوافر ،، (اور کافر عورتوں کی ناموس پر قبضہ نہ کرو) والی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے ۔ لیکن امام باقر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تین وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں کہا جا سکتا ۔ ایک یہ ، کہ یہ آیت خاص طور پر ان مردوں اور عورتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف مسلمان ہو کر ہجرت کر آئی ہوں اور جن کے شوہر یا بیویاں دارالحرب میں بہ حالت کفر رہ گئی ہوں ۔ چوں کہ مسلمان ہونے اور دارالاسلام میں ہجرت کر آنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لیے اپنی کافر عورتوں پر قبضہ کرنے یعنی تعلقات زوجیت برقرار رکھنے کی ممانعت کر دی گئی ۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ،،الکوافر،، کے حکم کو اگر امام باقرؒ

) تفسیر جامع الاحکام قرطبی ، جلد ۳ ، صفحات ۶۹-۶۸ ۔

) شرائع الاسلام ، کتاب النکاح ، مطبوعہ ایران ، صفحہ ۱۸۱ ۔
جامع الاحکام فی فقہ الاسلام ، سید امیر علی ، لکھنو ۱۸۸۳ع ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۳ ۔

کے قول کے مطابق صحیح قیاس کر لیا جائے تو یہ ایک عام حکم ہوگا اور اہل کتاب استثنائی حکم کے تحت آ جائیں گے ۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ ''الکوافر'' کا لفظ مشرکین و کفار کے لیے ہے نہ کہ اہل کتاب کے لیے ۔ اس لیے ہمارے نزدیک اخباری شیعوں کا یہ نقطۂ نظر کہ مسلم مرد کا غیر مسلمہ ، (یعنی کتابیہ) کے ساتھ نکاح جائز نہیں، قرآن کی نص سے متصادم ہے[۲۰]۔

شمس الائمہ امام سرخسی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''المبسوط'' میں لکھا ہے کہ مسلمان کے لیے دارالحرب میں کتابیہ سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے، کیونکہ اگر وہاں شادی کرے گا تو ممکن ہے کہ کفار کے ملک میں رہ پڑے اور جب کتابیہ کے بطن سے اولاد ہو تو وہ کفار کے اخلاق پر اٹھے، اس میں اور بھی فتنے ہیں اس لیے یہ مکروہ ہے[۲۱]۔

تجویز

موجودہ زمانے میں جب کہ مسلمان غیر مسلموں سے مغلوب اور مرعوب ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں

---

(۲۰) محمد یوسف بنام احمد نواز گردیزی ، پی ۔ ایل ۔ ڈی ، ۱۹۶۱ع سپریم کورٹ ، صفحہ ۳۶۵ ۔

(۲۱) " (قال) رضی اللہ عنہ بلغنا عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ سئل عن منا کحۃ اہل الحرب من اہل الکتاب فکرہ ذالک و بہ نا خذ فنقول یجوز للمسلم ان یتزوج کتابیۃ فی دارالحرب و لکنہ یکرہ لانہ اذا تزوجہا ثمۃ ربما یختار المقام فیہم و قال صلی اللہ علیہ وسلم انا بری لا من کل مسلم مع مشرک لا ترا آی نارا ہما و لان فیہ تعریض ولدہ للرق فربما تحبل منہ فتسبی فیصیر ما فی بطنہا رقیقاً و ان کان مسلما و اذا ولدت تخلق الولد باخلاق الکفار و فیہ بعض الفتنۃ فیکرہ " (المبسوط ، سرخسی ، مصر ، جلد ۵ ، صفحہ ۵۰) ۔

شکست خوردہ ذهنیت کا مظاهرہ کر رہے هیں ' اسلام کے مصالح کے پیش نظر یہ امر ضروری ہے کہ یورپ اور امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کی کتابیہ عورتوں سے نکاح پر پابندی عائد کر دی جائے۔ تاکہ وہ فساد اور معصیت جو اس مخلوط گھرانے سے اسلامی معاشرے پر پڑے گی اس سے کسی حد تک بچاؤ ہو سکے ۔ اس لیے حکومت پاکستان کو چاهیے کہ شرعی اور ملکی مصالح کے پیش نظر مسلم پاکستانی باشندوں کو غیر مسلم ممالک کی عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کے لیے ایسے نکاحوں پر پابندی عائد کر دے ۔

عیسائی عورت سے نکاح کا نافذ الوقت طریقہ :

جہاں تک عیسائی عورت سے مسلمان مردوں کے طریقۂ نکاح کا تعلق ہے ' یہ امر مسلّم ہے کہ مسلمان مرد عیسائی عورت سے شرعی طریقہ کے بموجب نکاح کرے تو ایسا نکاح جائز اور نافذالعمل قرار پائے گا ' لیکن پاکستان میں صورت حال مختلف ہے وہ یہ کہ اگر مسلمان مرد کسی عیسائی عورت سے نکاح کرے تو قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) مجریہ ۱۸۷۲ع کی دفعہ ۴ و ۵ کی ذیلی دفعہ (۴) کی رو سے ایسا نکاح قانون مذکور کے تحت مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے رو برو ہونا لازمی ہے ۔ چنانچہ اگر ایسا نکاح رجسٹرار کے روبرو نہ ہو تو قانون مذکورہ کے تحت کالعدم ہوگا[۲۲] ۔ گویا اگر کوئی مسلمان مرد احکام شرع کے مطابق بطریق جائز کسی عیسائی عورت سے نکاح کر لے تو بموجب احکام

---

(۲۲) زرینہ تصدق حسین بنام تصدق حسین ' پی - ایل - ڈی ۱۹۵۳ع لاهور صفحہ ۱۱۲ ' الفریڈ رابرٹ جونز بنام مسماۃ تتلی ' اے - آئی - آر ۱۹۳۳ع الہ آباد ' صفحہ ۱۲۲ ۔

قانون مذکورہ ایسا نکاح درست نہ ہوگا اور پاکستانی عدالتیں ایسے نکاح کو نافذ نہ کرا سکیں گی ۔ نیز یہ کہ اگر شخص غیر مجاز (ایسا شخص جس کو تحت قانون مذکور اختیار نہ دیا گیا ہو) کسی عیسائی عورت کا مسلمان مرد سے نکاح پڑھائے گا تو دس سال سزائے قید یا عبور دریائے شور کا مستوجب ہوگا[۲۳] ۔

تجویز

انگریزوں نے اپنے دور حکمرانی میں عیسائی عورتوں کو ہندوستان میں شادی کرنے کی صورت میں نکاح و طلاق کے سلسلے میں عیسائی مذہب کے بموجب قانونی تحفظات دینے کی کوشش کی تھی ۔ لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے ۔ اس لیے ایسے نکاح کو جو اگرچہ قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) مجریہ ۱۸۷۲ع کے تحت مقررکردہ رجسٹرار کے روبرو نہ ہوا ہو مگر احکام شرع کے عین مطابق ہو ناجائز اور ناقابل نفاذ قرار دینا احکام قرآن و سنت کے ساتھ سراسر زیادتی کے مترادف ہوگا ۔ لہذا ضروری ہے کہ کرسچین میریجیز ایکٹ کی دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور خلاف شرع احکام کو منسوخ کیا جائے ۔

---

(۲۳) دفعہ ۶۸ قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) ۱۸۷۲ع

تیسرا باب

انعقاد اور جواز نکاح

اہلیت نکاح

۸۔ ہر، عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت بلا وساطت ولی نکاح کی اہل ہے۔ البتہ عورت کے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح کر لینے کی صورت میں اس کے ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

تشریح

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ مرد اپنا نکاح خود کرنے کا اہل و مجاز ہے۔ اسی طرح ایک بالغہ ثیّبہ (شوہر دیدہ عورت جو مطلّقہ یا بیوہ ہو) بھی اپنا نکاح خود کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن ایک باکرہ، عاقلہ، بالغہ عورت کے اپنا نکاح خود کرنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے آخری قول کے مطابق ایک باکرہ، بالغہ و عاقلہ عورت کو اپنا نکاح بلا وساطت ولی خود کرنے کا اختیار حاصل ہے[1]۔

اس بارے میں شیعہ مکتب فکر بھی حنفیہ سے متفق ہے لیکن مالکیہ اور شافعیہ مکاتیب فکر کے نزدیک ایک باکرہ، بالغہ و عاقلہ

---

(۱) کنزالدقائق، مطبع مجتبائی دہلی، صفحہ ۱۰۰۔ قدوری، قرآن محل کراچی، صفحات ۴۹ - ۱۴۸۔ المغنی، مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۴۴۹۔

"ولیس للولی شرطاً لصحۃ نکاح الحر والحرۃ العاقلین البالغین بل ینفذ نکاحاً بغیر ولی۔" (دفعہ ۳۴ الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ، مصر)۔

عورت اپنا نکاح ولی کی وساطت کے بغیر نہیں کر سکتی۔

المبسوط، امام سرخسی:

شمس الائمہ امام سرخسی (متوفی ۴۸۲ھ) بغیر ولی کے باکرہ عورت کے نکاح کے بارے میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف المبسوط جلد ۵ کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی بن ابی طالب سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی سے کر دیا۔ بعد میں اس کے ولیوں کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی کی خدمت میں اعتراض پیش کیا لیکن آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ یہ فیصلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جب کوئی عورت اپنا نکاح خود کر لے یا ولی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حکم دے کہ وہ اس کا نکاح کر دے اور وہ شخص یعنی وکیل اس عورت کا نکاح کر دے تو ایسا نکاح جائز ہوگا۔''

اور اسی دلیل سے امام ابو حنیفہ نے یہ حکم اخذ کیا کہ عورت باکرہ ہو یا ثیّبہ جب اپنا نکاح خود کر لے تو ایسا نکاح ظاہری روایات کے بموجب جائز ہوگا خواہ شوہر اس عورت کا کفو ہو یا غیر کفو، نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن اگر شوہر اس عورت کا کفو نہ ہو تو اولیاء کو اس نکاح پر حق اعتراض حاصل ہوگا اور یہ اس نکاح کو بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتے ہیں۔

امام ابو یوسف کے نزدیک (ان کے پہلے قول کے مطابق) اگر سی عورت نے جس کا ولی موجود تھا خود اپنا نکاح کر لیا، اہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، تو ایسا نکاح ناجائز ہوگا۔

پھر آپ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ اگر شوہر کفو ہے تو نکاح جائز ہوگا ورنہ نہیں ۔ لیکن امام ابو یوسف نے اپنے اس قول (ثانی) سے بھی رجوع کر لیا اور کہا کہ نکاح خواہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، صحیح ہوگا ۔

امام محمد کے نزدیک ایسا نکاح جو عورت نے خود کر لیا ہو ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا خواہ نکاح کفو کے ساتھ ہوا ہو یا غیر کفو کے ساتھ ۔ اگر ولی نے اجازت دے دی تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اگر انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے گا لیکن اگر شوہر اس عورت کا کفو ہے اور ولی نے عورت کے کیے ہوئے اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو تو مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے گا اور قاضی از سر نو نکاح کرائے گا ۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود کر لے تو ایسا نکاح ہر حال میں باطل ہوگا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا ۔ ان کے نزدیک نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا خواہ وہ خود اپنا نکاح کرے یا اپنی بیٹی کا کرے، یا اپنی ماں کا کرے یا کسی غیر کو نکاح کے لیے وکیل مقرر کرے، کسی صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا ۔

بدائع الصنائع، الکاسانی :

امام علاءالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) نے بھی اپنی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد دوم صفحہ ۲۴۷-۴۹ پر اس مسئلہ میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ :

''امام ابو حنیفہ، زفر اور ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق

بالغہ و عاقلہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی موجودگی مستحب ہے۔ خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ اور امام محمد اور ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق بالغہ و عاقلہ پر ولایت مشترک ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی بالغہ و عاقلہ پر ولایت مشترک ہے (یعنی خود بالغہ عاقلہ کو بھی اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور اس کے ولی کو بھی) لیکن امام شافعی کے نزدیک الفاظ نکاح صرف ولی کے ہو سکتے ہیں (یعنی ایجاب و قبول صرف ولی کر سکتا ہے) مولیٰ علیہ کو صرف رضامندی کی حد تک ولایت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔

چنانچہ ایک آزاد، بالغہ، عاقلہ عورت اگر اپنا نکاح کسی مرد سے خود کر لے یا اپنے نکاح کے لیے کسی شخص کو وکیل مقرر کرے اور وہ شخص اس عورت کا نکاح کر دے یا شخص غیر مجاز اس عورت کا نکاح کر دے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق وہ نکاح اس عورت کی اجازت سے جائز ہو جائے گا۔ یہی قول امام زفر کا ہے اور امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے کہ خواہ اس عورت نے اپنا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، زیادہ مہر پر کیا ہو یا کم مہر پر، نکاح ہو جائے گا البتہ اگر اس عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کیا ہو تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق غیر کفو سے نکاح کر لینے کے علاوہ اگر اس نے کم مہر پر نکاح کیا ہو تب بھی اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔

امام محمد کے قول کے مطابق اگر عورت اپنا نکاح خود کر لے تو وہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ اس کا

ولی یا حاکم اس نکاح کو جائز قرار نہ دے دے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اجازت سے پہلے شوہر کے لیے اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز نہیں ہے اور وہ فعل حرام ہوگا۔ اس عورت پر طلاق ظہار یا ایلاء واقع نہیں ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا خواہ اس عورت نے اپنا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے۔ اور امام ابو یوسف کا دوسرا قول بھی یہی بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن حسن بن زیاد نے ابو یوسف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ اگر لڑکی نے کفو سے نکاح کیا ہو تو وہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا اور تمام احکام شرعی اس نکاح پر ثابت ہوں گے۔ اور امام محمد سے بھی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بالآخر انہوں نے بھی امام ابو حنیفہ کے قول پر رجوع کر لیا تھا۔

امام محمد کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور ولی کے اذن و اجازت سے نافذ ہوتا ہے اسی طرح ولی کے الفاظ سے منعقد اور عورت کے اذن و اجازت سے نافذ ہو سکتا ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح کسی حال میں بھی منعقد نہیں ہوتا۔

امام محمد و امام ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق جب عورت نے اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو وہ نافذ ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے نکاح میں ولی کا حق صیانت (حفاظت و نگہبانی) کی غرض سے ہے۔ چونکہ عورت کے غیر کفو سے نکاح کرنے سے اس کے اولیاء کو عار لاحق

ہوگا ، اس لیے اگر عورت اپنا نکاح کفو سے کر لے تو اولیاء کا حق ختم ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ اگر کوئی عورت ایک کفو کو منتخب یا پسند کر لے اور ولی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح اس کفو سے کر دے تو ولی کے لیے یہ امر جائز نہیں ہے کہ اس کو منع کرے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ولی نے خود اس عورت کا نکاح کر دیا ہو ۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا ولی ہے تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا ۔ کیونکہ امام محمد کے نزدیک یہ حق ولی کا ہے لیکن جب اس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو یہ حق خود اس کا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ اگر اس نے ولی نہ ہونے کی صورت میں اپنا نکاح کر لیا تو گویا اس نے اپنے حق میں تصرف کیا اور وہ نکاح نافذ ہوگا ۔ چنانچہ اگر اس نے اپنا نکاح کفو سے کیا اور یہ خبر جب ولی کو پہنچی اور اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور وہ اپنے مقدمے کو حاکم کے پاس لے گئی تو ابو یوسف کے قول کے مطابق حاکم اس کو جائز قرار دے گا ۔ لیکن امام محمد کے قول کے مطابق حاکم از سر نو عقد کرائے گا ۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ نکاح جو اس عورت نے کیا ولی کی اجازت پر موقوف تھا ۔ جب ولی نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ نکاح رد ہوگیا اور فی‌الاصل باطل ہو گیا اس لیے دوبارہ نکاح کرنا لابدی ہوگا ۔

ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولی نکاح کی اجازت نہ دینے سے منحرف ہوگیا ، جب کہ اس کو حق نہیں ہے

کہ وہ کفو سے نکاح کی اجازت دینے سے انکار کرے، اور
چونکہ وہ نکاح کی اجازت دینے سے منحرف ہو گیا اس لیے
ولایت سے خارج ہوگیا اور ولایت حاکم کی جانب منتقل
ہوگئی اس لیے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ۔''

بدایۃالمجتہد — ابن رشد :

جبر ولایت کے ضمن میں امام مالک کے متعدد قول منقول ھیں
چنانچہ علامہ ابن رشد نے اپنی کتاب بدایۃالمجتہد میں لکھا ہے کہ
اشہب کی روایت کے بموجب امام مالک کے نزدیک ولی کی اجازت
کے بغیر نکاح نہیں ھوتا لیکن ابن القاسم نے امام مالک سے ایک اور
قول نقل کیا ہے ، جس کے مطابق امام مالک کے نزدیک ولی کی
شرط سنت ہے واجب نہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر مرد و عورت
دونوں بغیر ولی کے نکاح کر لیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک
فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا جائز وارث ہوگا ۔ اس کا یہ مطلب
ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر کوئی عورت بغیر ولی کے نکاح
کر لے تو نکاح ہو جائے گا لیکن فاسد یا ناقص ہوگا ، جو ولی کی
رضامندی سے صحیح ہو جائے گا ۔ گویا ولایت کی شرط اتمام نکاح کے
لیے ہے نہ کہ صحت نکاح کے لیے[۲] ۔

موطاء امام مالک :

امام مالک اپنی کتاب '' موطا '' میں چند روایتیں بیان کرتے

---

(۲) " اختلف العلماء هل الولاية شرط من شروط صحة النكاح ام ليست بشرط ؟ فذهب مالک الی أنه لایکون نکاح الا بولی ' وأنها شرط فی الصحة فی روایة اشهب عنه ۔ ۔ ۔ ویتخرج علی روایة ابن القاسم عن مالک فی الولایة قول رابع ان اشتراطها سنة لافرض' و ذلک أنه روی عنه أنه کان یری المیراث بین الزوجین بغیر ولی . . . . فکانه عنده من شروط التمام لامن شروط الصحة " بدایة المجتهد و نهایة المقتصد تالیف الامام ابی الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی ' مصر ۱۹٦۰ - جلد دوم ' صحفه ۸۔

ہیں جن میں پہلی روایت ابن عباس رضی‌اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثیّبہ ولی کے مقابلے میں اپنے نفس پر زیادہ حق رکھتی ہے ، اور باکرہ سے اذن لیا جائے گا اور سکوت اس کا اذن ہو گا ۔ اس روایت[۳] سے امام مالک یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ثیّبہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے (خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ) لیکن ولی کو باکرہ عورت پر جبر ولایت حاصل ہے ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن المسیب سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''نہ ہوگا نکاح عورت کا بجز اس کے ولی کی اجازت کے یا اس کے خاندان میں جو شخص اہل الرائے ہو اس کے اذن سے یا حاکم وقت کے اذن سے (اگر اس کا کوئی ولی موجود نہ ہو)[۴] ۔''

مذکورہ بالا روایت کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب وہ عورت کفو میں شادی کر لے اور مہر مثل میں کمی نہ کرے تو وہ نکاح جائز ہے'' ان کی دلیل مندرجہ بالا حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''اوذوی الرائے من اھلہا'' پر مبنی ہے کیوں کہ حضرت عمر کے ارشاد کے مطابق نکاح اگر خاندان کے

---

(۳) ''عن عبد اللہ بن عباس ان رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا و اذنھا صماتھا ''۔ (موطا ' امام مالک' کتاب النکاح' فی استئذان البکر والایم فی انفسھا ' صفحہ ۵۳۶) ۔

(۴) '' عن مالک انہ بلغہ عن سعید بن المسیب انہ قال عمر بن الخطاب لاتنکح المراۃ الا باذن ولیھا اوذوی الرای من اھلھا او السلطان ''۔ (موطا امام مالک ' کتاب النکاح ' فی استئذان البکر و الایم فی انفسھا ' ص ۵۳۶) ۔

کسی صاحب الرائے شخص کی اجازت سے کیا جائے تو جائز ہوگا۔ حالاں کہ وہ شخص ولی نہیں ہے لیکن اس کے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ۔ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ عورت مہر مثل میں کمی نہ کرے اور جب اس نے مہر مثل میں کمی نہ کی اور نکاح کفو سے کیا تو وہ مقصد پورا ہو گیا اور نکاح جائز ہوگا[۵]۔

امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں دو اور روایتیں بھی بیان کی ہیں ' پہلی روایت قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ کے متعلق ہے کہ وہ اپنی باکرہ بیٹیوں کا نکاح ان سے پوچھے بغیر کیا کرتے تھے۔ دوسری روایت قاسم بن محمد ' سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار کے متعلق ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر باکرہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا جائے تو وہ لازم ہو جائے گا[۶]۔

اگر ان ہر دو روایتوں کا عرب اور بالخصوص مدینہ کے سماجی پس منظر میں جائزہ لیا جائے تو یہ امر واضح ہوگا کہ یہ روایتیں مدینہ کے عام عرف و عادت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ولی کے

---

(۵) " قال محمد . . . فلما ابوحنیفہ قال اذا وضعت نفسہا فی کفاءۃ ولم تقصر فی نفسہا فی صداق فالنکاح جائز و من حجتہ قول عمر فی ھذا الحدیث اوذوی الرای من اھلہا انہ لیس بولی وقد اجاز نکاحہ لانہ انما ارادان لا تُقَصِّر بنفسہا فاذا فعلت ھی ذالک جاز " ۔ (موطا امام محمد ' کتاب النکاح ' فی النکاح بغیر ولی ' صفحہ ۲۳۸) ۔

(۶) "عن مالک انہ بلغہ ان القاسم بن محمد وسالم بن عبداللہ کانا ینکحان بناتہما الا بکار و لا یستامرانہن " ۔
"عن مالک انہ بلغہ ان القاسم بن محمد وسالم بن عبداللہ و سلیمان ابن یسار کانوا یقولون فی البکر یزوجہا ابوھا بغیر اذنہا ان ذالک لازم لہا " ۔ (موطا امام مالک کتاب النکاح ' فی استئذان البکر و الایم فی انفسہا ' صفحہ ۳۳۶) ۔

اذن و اجازت کو صحت نکاح کی شرط کے طور پر بحیثیت دلیل یا قطعی حکم شرعی کے پیش نہیں کی جا سکتیں۔

امام مالک کا صحیح مسلک :

مندرجہ بالا تجزیے کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام مالک ولی کی اجازت کو اتمام نکاح کے طور پر ضروری قرار دیتے ہیں نہ کہ صحت نکاح کے لیے ۔ ہمارے اس نتیجۂ فکر سے علامہ ابن رشد اور دیگر مصری مالکی حضرات متفق نظر آتے ہیں، البتہ بغداد کے مالکی اصحاب ولی کی اجازت کو صحت نکاح کی شرط قرار دیتے ہیں ۔

امام شافعی کا نقطۂ نظر :

جہاں تک اس مسئلے میں امام شافعی کا تعلق ہے، کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۱ میں ان سے منقول ہے کہ جو عورت بھی بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرے اس کا نکاح نہیں ہوگا کیوں کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ اس کا نکاح باطل ہے ۔

شافعیہ کا قرآن سے استناد :

امام شافعی اپنے قول کے استناد میں حسب ذیل آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہیں :

پہلی آیت ۔ ''فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضو بینھم بالمعروف'' (پھر تم ان عورتوں کو اس سے مت روکو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ باہم رضامند ہوں معروف طریقہ پر) ۔

امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں جب کہ خداوند

---

(۷) پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۲ ۔

تعالیٰ نے اولیاء کو عورتوں کے نکاح کے معاملے میں رکاوٹ ڈالنے سے منع فرمایا ہے، اولیاء کے نکاح کر دینے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے جائز نہیں کیوں کہ کسی اجنبی کو، جسے ولایت حاصل نہ ہو، منع نہیں کیا جاتا۔ لیکن امام شافعی کی یہ دلیل مغالطہ پر مبنی نظر آتی ہے کیوں کہ جس حکم میں کسی کام سے باز رہنے کے لیے ہدایت کی جائے وہ ''نہی'' ہے اور ''نہی'' عدم اختیار کو ظاہر کرتی ہے نہ کہ اثبات حق کو۔

دوسری آیت جس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے ''وانکحوا لایاملی منکم''[۸] ہے یعنی تم اپنے میں سے غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح کر دو۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو خطاب کیا ہے اور لفظ ''ایّم'' ایک اسم ہے جس کے معنی ہیں ''وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبّہ'' چنانچہ جب اس عورت پر ولایت قائم ہوگئی اور وہ مولیا علیہ بن گئی پھر وہ ولیہ کیسے بن سکتی ہے ؟

فقہاء نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں خطاب اولی‌الامر یا عامۃ الناس کو کیا گیا ہے نہ کہ محض اولیاء کو ، اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استدلال کہ ولیوں کو غیر شادی شدہ عورتوں کے نکاح کر دینے کا حکم ان کے اختیار نکاح پر دلالت کرتا ہے، مشتبہ ہے۔ نیز اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت قرآنی

(۸) پارہ ۱۸ ، سورہ نور، آیت ۳۲۔

میں نکاح کے سلسلے میں اولیاء کو خطاب کیا گیا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولی کی اجازت کا ہونا نکاح کے جواز کی کوئی شرط ہے بلکہ یہ امر لوگوں کے درمیان عرف و عادت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیوں کہ عام طور پر لڑکیاں اپنا نکاح خود نہیں کیا کرتیں۔ اس کے لیے ان کو مردوں سے میل جول پیدا کرنے کی ضرورت ہو گی اور ایسا کرنے سے ان کو بے شرم کہا جائے گا۔ اس لیے باکرہ لڑکی کے نکاح میں ولی کی موجودگی یا اجازت عام طور پر مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اس کی مثال ''والصالحین من عبادکم وامائکم'' والی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے نیک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو۔ اس آیت سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ تم صرف ان غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کرو جو نیک ہیں بلکہ یہ آیت اپنے عموم پر قائم رہے گی اور یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں صلاح و نیکی نکاح کے جواز کی شرط کے طور پر بیان نہیں ہوئی' اسی طرح ''فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا'' میں غلاموں کے ساتھ ان کو ٹھیکہ پر اٹھانے کا معاہدہ خیر کے علم ہونے پر ہی موقوف نہیں ہے۔

امام شافعی (کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۱) ''لا نکاح الا بولی'' کے ضمن میں آیات قرآنی ''الرجال قوامون علی النساء'' اور ''فانکحوھن باذن اھلھن'' کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن پہلی آیت کا تعلق ولایت نکاح سے نہیں ہے بلکہ اس سے عورتوں پر مردوں کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے اور دوسری آیت کنیزوں کے نکاح کے بارے میں ہے نہ کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورتوں کے نکاح کے سلسلے میں۔

شافعیہ کا حدیث سے استناد :

امام شافعی اور شافعیہ مذہب کے دیگر ائمہ '' لا نکاح الابولی'' کے ثبوت میں حسب ذیل حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ھیں :

(۱) حضرت عائشہ سے مروی ھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

'' ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل و اذا دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فرجھا لا وکس ولا شطط فان تشاجرا فالسلطان ولی من لاولی لہ ۔''

یعنی جو عورت بغیر اذن ولی کے نکاح کرے' اس کا نکاح باطل ھے'باطل ھے' باطل ھے' اس (مرد) نے صحبت کی تو عورت کو مہر ادا کرنا ھوگا' شرم گاہ کے حلال ھونے کے معاوضے میں' اور اگر تنازعہ ھو تو بادشاہ ولی ھے اس کا' جس کا کوئی ولی نہ ھو ۔

(۲) حضرت ابن عباس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث منقول ھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کل نکاح لم یحضرہ اربعۃ فھو سفاح خاطب و ولی و شاھدا عدل '' ۔

یعنی جس نکاح میں چار چیزیں نہ ھوں وہ زنا ھے :

(۱) پیغام دینے والا ۔

(۲) ولی ۔ اور

(۳-۴) دو عادل گواہ ۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

'' لا تنکح المرأة المرأة نفسہا و انما الزانیة هی التی تنکح نفسہا ''۔

یعنی نہ کرے کوئی عورت نکاح کسی عورت کا اور وہ عورت جس نے اپنا نکاح خود کیا وہ زانیہ ہے۔

(۴) ایک اور روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

'' کانت تحضر النکاح و تخطب ثم تقول اعقدوا فان النساء لا یعقدن ''۔

یعنی خود مجلس نکاح میں موجود ہوتیں اور نکاح کا پیغام دیتیں پھر فرماتیں کہ تم نکاح کر دو کیوں کہ عورتیں نکاح منعقد نہیں کرتیں۔

(۵) حضرت عائشہ سے ایک اور روایت ہے کہ

'' لا نکاح الا بولی والسلطان ولی من لاولی له ''

یعنی نہیں ہے کوئی نکاح سوائے ولی کے اور جس کا ولی نہ ہو اس کا سلطان ولی ہے۔

(۶) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ۔

'' ایة امرأةٍ نکحت نفسہا بغیر ولی فهی زانیة ''

(او کما قال) ۔

یعنی جس عورت نے خود اپنا نکاح بغیر ولی کے کر لیا وہ زانیہ ہے۔

تصریح :

ان سب حدیثوں کو جن سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور

دیگر شافعی ائمہ استدلال کرتے ہیں حنفی محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے اس کا مدار زہری کی روایت پر ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ میں نے جب زہری سے ملاقات کی اور ان کے سامنے یہ حدیث پیش کی تو انہوں نے اس حدیث سے انکار کیا۔

یہ امر حدیث کے لیے ضعف کا باعث ہے۔ اگرچہ اس اعتراض کا مختلف فقہاء نے جواب دیا ہے، چنانچہ ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی بیان کردہ روایت کو بھول جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شخص کی بیان کردہ روایت درست نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایک شخص ایک روایت بیان کرنے کے بعد بھول جاتا ہے۔

اسی طرح ابن حزم نے محلّی (جلد ۵ صفحہ ۴۹۳) میں لکھا ہے کہ ابن جریج ثقہ ہیں اور اس روایت کے بارے میں سلیمان بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان سے زہری نے حدیث بیان کی تھی۔ لہذا یہ روایت حجت ہوگی، جب کہ ان لوگوں نے سن کر آگے بیان کر دی، خواہ اس کے بعد وہ خود بھول جائیں۔

لیکن یہاں صورت حال ذرا مختلف ہے وہ یہ کہ زہری کا انکار کے ساتھ روایت بیان کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرنا اور اپنے شاگرد کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے وہم ہو گیا ہے روایت کے عدم صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سوال محض نسیان کا نہیں بلکہ حدیث کی صحت کا ہے۔ نیز یہ کہ زہری کا خود اپنا مسلک یہ ہے کہ وہ بغیر ولی کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں ''باطل'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے

وہ فاسد کے معنی میں ہے ۔ کیونکہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہوتا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوتا تو پھر مجامعت کے سبب مرد و زن پر حد یا کم از کم تعزیر واجب ہوتی ۔ لیکن اس فعل کو جائز قرار دیتے ہوئے مہر کی ادائیگی کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہوگا نہ کہ سرے سے باطل ، جو ولی کی مابعد مرضی سے صحیح ہو جائے گا ۔

دوسری حدیث کی اسناد میں ابن میسر ابو خطیب مجہول ہے اس لیے حنفی اس حدیث کی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ۔

تیسری حدیث کو دارقطنی نے دو طریقوں سے بیان کیا ہے ایک کی اسناد میں جمیل بن الحسن اور دوسرے کی اسناد میں مسلم بن ابی مسلم ہیں ۔ لیکن یہ دونوں غیر معروف ہیں اس لیے ان کی روایت مقبول نہیں ۔

چوتھی اور پانچویں حدیث کو بھی احناف نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عائشہ بغیر ولی کے نکاح کے جواز کی قائل تھیں ۔ اس کی دلیل میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی یعنی بھائی عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں جب کہ وہ ملک شام گئے ہوئے تھے منذر بن زبیر سے کر دیا تھا ۔ چنانچہ ایک ایسی حدیث جس پر خود ان کا عمل نہ ہو اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے حکم شرعی کے طور پر استدلال نہیں کیا جا سکتا یا کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حکم واجب نہیں ہے ۔ مزید برآں بعض علماء سے منقول ہے کہ ''لا نکاح الا بولی'' والی حدیث ان تین احادیث میں سے ایک ہے جو رسول اللہ سے ثابت نہیں ہیں اور اسی لیے اس کو صحیح بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا ہے ۔

چھٹی حدیث کو دارقطنی نے متروک کہا ہے۔

اگرچہ محدثین نے سند اور روایتوں کے اعتبار سے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ احادیث نقد و جرح سے خالی نہیں۔ اس کے مقابلے میں صحیحین کی روایتیں خصوصاً ابن عباس کی روایت ''الایّم احق بنفسہا من ولیہا'' ثابت کرتی ہے کہ ولی کے مقابلے میں مولیہ کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار حاصل ہے۔

بہر حال، ولی کو عاقلہ بالغہ پر جبر ولایت حاصل نہیں، جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں باکرہ اور ثیّبہ عورتوں کے ان کے ولیوں کے کیے ہوئے نکاح رسول اللہ نے ان عورتوں کی شکایت پر رد کر دیے تھے کہ ولی کو ان عورتوں پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔

امام شافعی اور استدلال:

امام شافعی اپنے دعوے کے ثبوت میں استدلال سے بھی کام لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اپنی اصلیت، حکم اور نتیجے کے اعتبار سے باعث مضرت ہے۔

اصلیت کے اعتبار سے اس بناء پر کہ نکاح حضرت محمد صلعم کے قول ''النکاح رق'' اور ''النکاح عقد ضررا'' کے مطابق ایک غلامی اور اسیری ہے اور ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں ضرر ہے اور ظاہر ہے کہ غلامی یا اسیری ایک آزاد شخص کے لیے موجب ضرر ہوتی ہے۔

حکم کے اعتبار سے نکاح اس لیے موجب مضرّت ہے کہ نکاح سے شوہر کو عورت کے منافع بضع میں تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے جس کے سبب مرد عورت سے جماع کا فائدہ اٹھاتا ہے۔

نیز عورت کو باہر نکلنے، گھومنے پھرنے، اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کو منع کرتا ہے اور اسی حق ملکیت کے سبب وہ طلاق کے ذریعہ جب چاہے نکاح کو ختم بھی کر سکتا ہے ۔

نیز نکاح اپنے نتیجہ کے اعتبار سے عورت کے لیے اس لیے موجب مضرت ہے کہ اس کی بناء پر خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے مرد کو عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ سب نکاح کی مضرتیں ہیں لیکن نکاح اپنے اندر بہت سی ظاہری و باطنی مصلحتیں بھی رکھتا ہے جن کو رائے کامل کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا اور چونکہ عورت ناقص الرائے ہے اس میں عقل کی کمی ہے اس لیے اس کے کیے ہوئے نکاح میں مضرت باقی رہ جائے گی ۔

لیکن حدیث نبوی ''النکاح عقداً ضرراً'' کے بارے میں محدثین کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ناقابل قبول ہے ۔ کیونکہ عقد میں منفعت ہے اور اس میں دین و دنیا کی مصلحتیں مثلاً سکون، محبت، مؤدت تولید نسل، زنا سے تحفظ اور عورت کی نفقے سے بے فکری پوشیدہ ہیں اور یہ ایسی مصلحتیں ہیں جو عورت کے خود کو شوہر کی ملک میں دیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں ۔ اس لیے عورت پر جو ملکیت رکھی گئی ہے وہ ضرورت کے لحاظ سے ہے تاکہ مصلحتوں کا حصول ممکن ہو، کیونکہ یہ ملک زوج مصلحتوں کے حصول کا وسیلہ ہے اور جو امر مصلحت کا وسیلہ ہو وہ خود مصلحت ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ نکاح غلامی ہے یا ایک ایسا معاہدہ ہے جو مضر ہے ۔

بہرکیف، نکاح کو غلامی کہنا تمثیل کے طور پر ہوسکتا ہے

نہ کہ تحقیق کے طور پر، ورنہ حقیقت میں تو نکاح عورت کو دوسروں کی غلامی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح امام شافعی کی یہ دلیل کہ عورت ناقص العقل ہے اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ ایسا نقص نہیں ہے جو عورت کے لیے نکاح کی مصلحتوں کے علم میں مانع ہو اور نہ ہی یہ کوئی ایسا نقص ہو سکتا ہے جو سرے سے نکاح کی اہلیت ہی کو سلب کر لے، کیونکہ یہ نقص دوسرے تمام معاملات میں عورت کے تصرف کرنے کی اہلیت کو سلب نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر ایک باکرہ بالغہ عورت اپنے مال میں بلا شرکت غیرے تصرف کر سکتی ہے، جب کہ مالی تصرفات میں خفیہ خیانتیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن کو بلا غور و فکر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں عورت کا حدود و قصاص کے معاملات میں اقرار کرنا صحیح تسلیم کیا گیا ہے اور اس کو خطاب بالایمان اور شرعی احکام کا مکلّف مانا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس کافی عقل ہے اور اسی بناء پر شوہر کے انتخاب میں اس کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ امر مسلّمہ ہے کہ جب وہ اپنے ولی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح فلاں کفو کے ساتھ کر دے تو ولی کے لیے اس کفو کے ساتھ نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اگر ولی مانع ہو تو قاضی کے لیے بطور نائب نکاح کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ عورت ناقص العقل ہے اور نکاح کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتی معاملات سے غیر متعلق چیز ہے۔

امام ابو حنیفہ کا نقطۂ نظر:

امام ابو حنیفہ، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کر لینے کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں وہ اپنے قول

کے ثبوت میں قرآن پاک، سنت اور استدلال سے کام لیتے ھیں۔ امام ابو حنیفہ کا پہلا استدلال '' ان وھبت نفسھا للنبی ان ارادالنبی ان یستنکحھا '' سے ھے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ھے کہ ایک مومنہ عورت نے اپنے نفس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ھبہ کیا۔ پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاھتے تو اس عورت سے نکاح کر سکتے تھے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ھے کہ یہ آیت عورت کے اپنے الفاظ سے نکاح کرنے کے اختیار پر نص ھے' کیونکہ نکاح کا انعقاد لفظ ''ھبہ'' سے ھو جاتا ھے۔ شافعیہ کا یہ اعتراض کہ لفظ ''ھبہ'' سے نکاح کا ھو جانا رسول اللہ کی خصوصیت ھے' صحیح نہیں ھے کیونکہ رسول اللہ کے نکاح کی خصوصیت لفظ ''ھبہ'' سے نکاح ھو جانے میں نہیں ھے بلکہ بلا وجوب مہر نکاح کر لینے میں ھے۔ اس لیے کہ اس آیت کے ساتھ ھی اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب رسول اللہ کی تنگی کو دور کرنا قرار دیا ھے اور ظاھر ھے کہ تنگی لفظ ''نکاح'' کے بجائے لفظ ''ھبہ'' سے دور نہیں ھوتی۔ اصل تنگی زر مہر کی ھے جو ھبہ سے دور کرنا مقصود ھے۔

دوسری آیت '' فلا جناح علیکم فیا فعلن فی انفسھن ''[۹] ھے اور تیسری آیت ''فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ'' ھے۔[۱۰]

امام ابو حنیفہ ان آیات سے دو طرح استدلال کرتے ھیں ایک یہ کہ یہ آیات خود عورت کے اپنے آپ نکاح کرنے کے حق کی جانب صریح ھیں۔ اور دوسرے یہ کہ شخص دیگر سے نکاح کر لینا پہلے شوھر سے دوبارہ نکاح کرنے کی حرمت کو ختم کرنے کا باعث ھے

---

(۹) سورۃ البقرہ' آیت ۲۳۱

(۱۰) سورۃ البقرہ' آیت ۲۳۰

جو خود اس عورت کے اپنے نکاح کرنے سے ختم ہوتی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا دوسرے شوہر سے نکاح مؤثر ہوگا ۔ یہ امر بھی محل نظر ہے کہ دو آیات میں الفاظ ''فعلن'' اور ''تنکح'' تانیث کے صیغے ہیں اور ان کا فاعل عورت ہے ۔

قرآن پاک کی آیت '' فلا جناح علیہما ان یترا جعا ''[۱۱] بھی عورتوں کے' بغیر ولی کے' نکاح کی طرف نسبت کرتی ہے ۔ اس آیت میں صیغہ تثنیہ کا ہے اور اس کا فاعل مرد و عورت دونوں ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت بلا ولی کے ایجاب و قبول کر سکتے ہیں ۔

قرآن پاک کی چوتھی پانچویں آیت ''و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن''[۱۲] سے بھی امام ابو حنیفہ دو طرح استدلال کرتے ہیں ۔ ایک یہ کہ اس آیت میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے ۔ کیونکہ '' ان ینکحن'' کا فاعل عورت ہے اور یہ خود عورت کے الفاظ سے بغیر کسی ولی کی شرط کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں ولیوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو خود اپنے نکاح کرنے سے نہ روکیں' جب کہ شریعت کے مطابق دونوں فریق راضی ہوں ۔

اس دلیل پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ آیت عورتوں کے اپنے پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے کے ضمن میں نازل ہوئی ہے ۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ آیت قرآنی اپنے عموم پر قایم رہتی ہے اور شان نزول اس کا صرف ایک پہلو یا جزو ہوتا ہے ۔

---

(۱۱) سورۃ البقرہ' آیت ۲۳۰

(۱۲) سورۃ البقرہ' آیت ۲۳۲

حنفیہ کا احادیث نبوی سے استدلال :

بغیر ولی کے نکاح کے جواز کے بارے میں متعدد احادیث بھی ملتی ہیں ۔ چنانچہ ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثیّبہ پر ولی کا کوئی حکم نہیں اور ثیّبہ ہونا ولی کی ولایت کو منقطع کرتا ہے ۔[۱۳]

اسی طرح ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ''ایّم'' اپنی ذات کے معاملے میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے[۱۴] ('' ایّم '' اس عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیّبہ) ۔ یہ حدیثیں مسلم ' ابو داؤد ' ترمذی اور نسائی نے بیان کی ہیں ۔

علاوہ ازیں چند واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے پیش ہوئے ہیں جن میں باپ نے لڑکیوں کی منشاء کے خلاف نکاح کر دیے تھے ۔ لڑکیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کی تو آپ نے باپ کے کیے ہوئے نکاحوں کو رد فرما دیا ۔ ان واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

پہلا واقعہ خنسا بنت خذام کا ہے ۔ خنسا کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تھا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی ۔ چنانچہ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی' آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا ۔[۱۵]

---

(۱۳) روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لیس لاولی مع الثیب امر و ھذا قطع ولایۃ لولی عنھا(بدائع الصنائع ' الکاسانی ' جزو دوم صفحہ ۲۴۸ اور نصب الرایہ جلد ۳ صفحہ ۱۸۲)

(۱۴) عن عبداللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ وسلم قال الآیم احق بنفسہا من و لیھّا والبکر تستاذن فی نفسہا و اذنہا صماتہا ۔ (موطا' امام مالک' کتاب النکاح ' فی استئذان البکر و الایم فی انفسہا) ۔

(۱۵) وعن خنساء بنت خذام ان ابا ھا زوجہا وھی ثیب فکرھت ذالک

دوسری حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ " قتادہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ اس کا حسب بڑھے۔ حضرت عائشہ نے قتادہ کو بٹھایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کے باپ کو بلایا اور قتادہ کو نکاح کا اختیار دیا۔ تب قتادہ نے کہا کہ "اے رسول اللہ! تحقیق کہ اجازت دی میں نے اس کی جو میرے باپ نے کیا اور میں نے سوائے اس کے کوئی ارادہ نہیں کیا کہ میں عورتوں کو آگاہ کر دوں کہ ان پر باپوں کو اختیار نہیں ہے۔"

اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے اور استدلال کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہ کے اس قول پر کہ باپوں کو کچھ اختیار نہیں، سکوت اختیار فرمایا۔

یہ حدیث حضرت عائشہ کی پہلی حدیث "لا نکاح الابولی" سے معارض ہے اس ضمن میں محدثین نے قتادہ والی حدیث کو از روئے سند صحیح تر اور قوی تر کہا ہے۔

ایک اور حدیث ابی سلمہ ابن عبدالرحمان سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا نکاح ایک شخص سے کر دیا ہے اور میں اسے ناپسند کرتی ہوں۔ آنحضرت نے اس لڑکی کے باپ سے فرمایا کہ نکاح کا اختیار تمھیں نہیں ہے اور لڑکی سے فرمایا جاؤ جس سے تمھارا جی چاہے نکاح کر لو۔[16]

فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فردّ نکاحہ۔ رواہ البخاری وفی روایۃ ابن ماجہ نکاح ابیہا۔ (مشکوۃ شریف، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، کراچی صفحہ ۸۵)۔

(۱۶) عن ابی سلمہ ابن عبدالرحمن قال جاءت امراۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان ابی انکحنی رجلاً وانا کارھۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علاوہ ازیں احناف بغیر ولی کے نکاح کی صحت کے ثبوت میں ام سلمیٰ کے خود آنحضرت سے، نکاح کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں، جس میں آنحضرت نے ام سلمیٰ سے ان کے ولیوں کی موجودگی کے بغیر عقد کیا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب آنحضرت نے ام سلمیٰ سے نکاح کی خواہش کی تو ام سلمیٰ نے فرمایا کہ میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''تمھارے ولیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے تمھارے نکاح کو نا پسند کرے۔'' اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام سلمیٰ کی جانب سے بغیر کسی ولی کے منعقد ہو گیا۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ باکرہ بالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔ اگر نکاح ولی کی موجودگی یا اجازت کے بغیر کیا جائے تو وہ نکاح اصلاً صحیح ہوگا۔ البتہ عدم کفاءت کی بناء پر اور امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق بسبب کمی مہر مثل بھی ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

چند مزید دلائل:

قرآن پاک اور حدیث نبوی کے علاوہ اگر اس مسئلہ کا عقلی بنیادوں پر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ جس طرح ایک عاقل لڑکا بالغ ہو جانے پر اپنا نکاح خود کر سکتا ہے اسی طرح ایک لڑکی بھی بالغ ہونے پر اپنے نفس کی خود مالک بن جاتی ہے اور اس پر کسی کی ولایت باقی نہیں رہتی۔ باپ کو اپنی نابالغ اولاد

وسلم لابیھا لا نکاح لک اذ ھی فانکحی من شئت (نصب الرایہ جلد ۳، صفحہ ۱۸۲)۔

فتح المعین مطبوعہ قاہرہ، کتاب النکاح، جلد ۲ صفحہ ۲۶۔

مجمع الانہر، مصر، جلد ۱ صفحہ ۳۳۲۔

کے نکاح کرنے کی جو ولایت حاصل ہے وہ اس کو بطور نیابت کے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نابالغ خود ان مصلحتوں کو حاصل کرنے سے عاجز ہے ۔ اس لیے اولاد کے عجز کے سبب باپ کا ان کے نکاح میں تصرف کرنا صحیح ہوگا لیکن جب وہ اولاد بالغ ہو گئی تو وہ عجز دور ہو گیا ۔ چنانچہ لڑکے کی طرح ایک لڑکی کو بھی بلوغ کے بعد اپنی ذات میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی اور کسی غیر کی ولایت اس پر باقی نہیں رہی بلکہ اس پر خود اپنی ولایت قایم ہو گئی ۔ اور چونکہ شرعاً نیابت ضرورت کے طور پر ثابت ہوتی ہے، اس لیے ضرورت کے ختم ہونے پر نیابت بھی ختم ہو گئی ۔ اور چونکہ نیابت اور اصالت دونوں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے باپ کو لڑکی کے بالغ ہو جانے کے بعد اس پر بحیثیت نائب کے حق ولایت باقی نہیں رہا ۔

یہ بات مسلّم ہے کہ بالغ ہو جانے پر لڑکی کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے باپ یا کسی دیگر ولی کی ولایت اس کے مال پر سے زائل ہو جاتی ہے، اسی طرح جب وہ مال پر تصرف کر سکتی ہے تو نکاح کے معاملے میں بھی اس کو تصرف کا اختیار ہے اور اس پر کسی کی ولایت باقی نہیں رہتی ۔

نکاح کے سلسلے میں عورت اور ولی کے حقوق کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ ولی کا حق عورت پر نہیں ہے بلکہ خود عورت کا حق ولی پر ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ولی کو اپنی پسند کے کفو سے نکاح کرنے پر مجبور کر سکتی ہے لیکن اگر ولی اپنی پسند کے مرد سے اس کا نکاح کرنا چاہے تو وہ انکار کر سکتی ہے اور اس معاملے میں اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا ۔

ولی کے حق کی بنیاد دراصل کفاءت پر ہے ۔ چنانچہ عورت اگر

غیر کفو سے نکاح کر لے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ نکاح کے لزوم اور نفاذ سے انکار کر دے تاکہ ولی کو عورت کے غیر کفو سے نکاح کر لینے کے سبب شرم و عار لاحق نہ ہو ۔ لیکن اگر عورت کفو سے نکاح کرے تو پھر ولی کا مقصد پورا ہوگیا اور شرم و عار کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ چنانچہ جب لزوم اور نفاذ کا مانع زائل ہوگیا تو نکاح لازم اور نافذ ہو جائے گا ۔

دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں کہی جا سکتی ہے کہ اگر عورت نے غیر کفو سے نکاح کر لیا تو اس کے نفاذ میں اولیاء کو ضرر ہے اور نکاح کے عدم نفاذ میں اس عورت کو ضرر ہے ۔ لہذا ضرر دو ہیں ۔ اس لیے کوشش اس امر کی کرنی چاہیے کہ دونوں ضرر دور ہوں ۔ چنانچہ نکاح کے نفاذ کے ذریعہ اس عورت کا ضرر دور کیا جاسکتا ہے اور اولیاء کے حق اعتراض کو تسلیم کرکے ان کے ضرر کو دور کیا جاسکتا ہے ۔ شریعت میں اس کی نظیریں موجود ہیں ۔ مثال کے طور پر اگر ایک غلام مشترک ہو اور ایک مالک اپنا حصہ اس کو ٹھیکہ پر اٹھا دے تو دوسرے شریک مالک کو قیمت کی ادائگی سے قبل اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس معاملے کو فسخ قرار دے دے ۔ یا اسی طرح ایک شفیع کو یہ حق ہے کہ شفعہ کے ذریعہ اس ضرر کو دفع کرے جو خریدار کے ہبہ کر دینے کی صورت میں نفاذ ہبہ کے ذریعہ اس کے حق کو پہنچ سکتا ہے ۔

تجزیہ :

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ معاہدۂ نکاح کے اصل فریق مرد اور عورت ہیں نہ کہ ان کے ولی ۔ اس لیے ایک بالغ اور عاقل عورت کو یہ حق ہونا چاہیے کہ

وہ بلا وساطت ولی اپنا نکاح کرنے پر قادر ہو ۔

وجہ اختلاف :

فی الحقیقت اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ولایت کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں ان سے واضح طور پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ باکرہ بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت یا موجودگی شرط ہے نیز اس سلسلے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان کے الفاظ اور صحت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ' چنانچہ فقہاء کا ایک گروہ چند احادیث کو اس استدلال کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ولایت صحت نکاح کی شرط ہے جب کہ دوسرا گروہ ایسی احادیث پیش کرتا ہے جن سے نکاح کے لیے ولایت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہے ۔ نتیجے کے طور پر جتنی آیات اور احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ محتمل علیہ ہیں ۔ ان کے معنی اور وسعت میں اختلاف ہے اور ان سے موافق و مخالف دونوں مفہوم نکالے جا سکتے ہیں ۔

اس صورت حال کے پیش نظر جب کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی محتمل علیہ ہوں اور ائمۂ اربعہ کے درمیان نکاح کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہو تو عامّۃ المسلمین کے نزدیک جو قول راجح رہا ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ صریح نص کے خلاف اور مصلحت عامہ کے مطابق ہو ۔

صحیح شرعی حکم :

چنانچہ اس پوری بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شافعیہ کا یہ نظریہ کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور اس کے نکاح کے لیے ولی کی وساطت ناگزیر ہے ' در اصل عورت کی آزاد مرضی کو مشروط بنانے اور اس کے

وہ بلا وساطت ولی اپنا نکاح کرنے پر قادر ہو۔

وجہ اختلاف:

فی الحقیقت اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ولایت کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں ان سے واضح طور پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ باکرہ بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت یا موجودگی شرط ہے نیز اس سلسلے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان کے الفاظ اور صحت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ فقہاء کا ایک گروہ چند احادیث کو اس استدلال کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ولایت صحت نکاح کی شرط ہے جب کہ دوسرا گروہ ایسی احادیث پیش کرتا ہے جن سے نکاح کے لیے ولایت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر جتنی آیات اور احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ محتمل علیہ ہیں۔ ان کے معنی اور وسعت میں اختلاف ہے اور ان سے موافق و مخالف دونوں مفہوم نکالے جا سکتے ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر جب کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی محتمل علیہ ہوں اور ائمۂ اربعہ کے درمیان نکاح کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہو تو عامّۃ المسلمین کے نزدیک جو قول راجح رہا ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ صریح نص کے خلاف اور مصلحت عامہ کے مطابق ہو۔

صحیح شرعی حکم:

چنانچہ اس پوری بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شافعیہ کا یہ نظریہ کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور اس کے نکاح کے لیے ولی کی وساطت ناگزیر ہے، دراصل عورت کی آزاد مرضی کو مشروط بنانے اور اس کے

ذاتی حق و اختیار پر ایک قدغن کے مترادف ہے۔ البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے شرع نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے کہ اگر لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا ہو یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو تو ولی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتا ہے اور عدالت معقول شرعی وجوہ کی بناء پر نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

انعقاد نکاح

۹۔ نکاح مرد و عورت کے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

تشریح

نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول پر منحصر ہے۔[۱۷] ایجاب نکاح کی پیشکش کرنے والے کلام اول کو کہتے ہیں اور اس کو منظور کرنے والے کلام کو قبول کہتے ہیں۔[۱۸]

نکاح کی بنیادی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول ہو۔

الکافی میں لکھا ہے کہ ایجاب و قبول نکاح کے ستون ہیں۔ پہلا قول خواہ کسی فریق کی جانب سے ہو ایجاب کہلائے گا اور اس کا جواب دوسرے فریق کی جانب سے قبول۔[۱۹]

معاہدۂ نکاح میں عموماً ایجاب عورت کی جانب سے ہوتا ہے

---

(۱۷) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۳۷۔
کنزالدقائق، مطبع مجتبائی، دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۷۔
شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور، جلد دوم، صفحہ ۳۶۳۔
الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۵۔
قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۵۔
(۱۸) عنایہ بحوالہ فتاوی عالمگیری عربی جلد ثانی، صفحہ ۱۔
(۱۹) الکافی بحوالہ فتاوی عالمگیری (عربی)، جلد ثانی، صفحہ ۱۔

اور قبول مرد کی جانب سے۔

بعض صورتوں میں ایک شخص جو دونوں طرف سے ولی یا وکیل ہو خود ایجاب اور قبول کر سکتا ہے۔[۲۰]

قاضی کی ضرورت

۱۰۔ انعقاد کے لئے کسی رجسٹرار، قاضی یا مولوی کی ضرورت نہیں۔

توضیح: فریقین ایک دوسرے سے خود اپنا نکاح کر سکتے ہیں یہ امر لازم نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا نکاح پڑھائے۔

تشریح

اسلام میں نکاح کے لیے قاضی یا پادری کی ضرورت نہیں ہے اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی قانون کے بموجب نکاح قاضی یا رجسٹرار کے بغیر منعقد ہو سکتا ہے۔ اسلام میں پاپائیت کا کوئی وجود نہیں۔

ایجاب و قبول زبانی یا تحریری

۱/۱۰۔ ایجاب و قبول زبانی یا تحریری دونوں طرح جائز ہے۔

توضیح: اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب و قبول لازم ہوگا الاّ یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔

تشریح

اگر کوئی فریق اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود نہ ہو بلکہ اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریر کی شکل میں موجود ہو اور وہ ایجاب بموجودگی گواہان مجلس نکاح میں پڑھا جائے اور فریق ثانی اس کے جواب میں اپنی منظوری ظاہر کر دے تو نکاح

---

(۲۰) بدائع الصنائع، الکاسانی، مصر، جلد دوم، صفحات ۲۳-۲۳۲۔

منعقد ہو جائے گا ۔[۲۱] چنانچہ اگر عورت کے پاس قاصد بھیجا یا اس کو ایجاب کا خط لکھا اور عورت مذکورہ نے ایسے دو گواہوں کے سامنے جنھوں نے قاصد کے کلام کو یا خط کی عبارت کو سنا ، قبول کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا کیوں کہ مجلس من حیث المعنی متحد ہے ۔[۲۲]

اسی طرح اگر عورت نے گواہوں سے کہا کہ فلاں مرد نے مجھے خط لکھا ہے ۔ اس میں یہ مضمون ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرنا ہے پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنے نفس کو اس کے نکاح میں دیا تو نکاح صحیح ہوگا کیوں کہ گواہوں نے عورت کا کلام اس کے قبول کرنے سے سنا اور مرد کا کلام (ایجاب) اس طریقہ پر سنا کہ مذکورہ عورت نے اس کا کلام ان گواہوں کو سنایا ہے ۔[۲۳]

ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً

۱۲ ۔ (۱) ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً دونوں طرح جائز ہے ، بشرطیکہ وکیل عاقل و بالغ ہو ۔

(۲) اگر شخص غیر مجاز (فضولی) کسی کا نکاح کر دے یا اپنے اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے موکل کی جانب سے نکاح کا ایجاب یا قبول کر لے تو ایسا نکاح موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا ۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گا ورنہ کالعدم قرار پائے گا ۔

---

(۲۱) قانون الاحوال الشخصیہ ' شام ' دفعہ ۷ ۔

(۲۲) بدائع الصنائع ' الکاسانی ' جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ ۔
فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور ' جلد ثانی کتاب النکاح صفحہ ۲ ۔

(۲۳) ذخیرہ بحوالہ فتاوی عالمگیری (عربی) ' مطبع مجیدی کانپور ' جلد ثانی ' صفحہ ۲ ۔
رد المحتار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۷۲ ۔

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ نکاح میں ایجاب و قبول وکلاء (Agents) کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

وکیل نکاح کی اہلیت :

بیشتر کتب فقہ کی رو سے وکیل نکاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو لیکن بلوغ شرط نہیں ۔ چنانچہ صبی عاقل (ایسا لڑکا جو بھلے برے اور نفع و نقصان کی تمیز رکھتا ہو) وکیل نکاح بن سکتا ہے ۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ جو معاہدات ایسے ہیں جن میں معاہدے کے حقوق کی نسبت وکیل اپنی ذات کی طرف کر سکتا ہے ، وہاں یہ حقوق وکیل کی طرف راجع ہوں گے جیسے بیع و شراء ، اجارہ و صلح ۔ لیکن جن عقود کی نسبت وکیل اپنی ذات کی طرف نہیں کر سکتا بلکہ ان کی نسبت موکّل ہی کی طرف کرنا لازم ہے وہاں معاہدہ کے تحت حقوق موکّل کی طرف راجع ہوں گے اور وکیل اس صورت میں محض سفیر و معبّر متصور ہوگا ، جیسے نکاح ، طلاق و خلع وغیرہ ۔[۲۴]

حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف :

حنفیہ کے نزدیک ایسے نا بالغ لڑکے کو جو عاقل ہو اچھے و برے ، نفع و نقصان کی تمیز و سمجھ رکھتا ہو وکیل نکاح بنانا جائز ہے ۔[۲۵] ان کے نزدیک وکالت میں بلوغ و حریت کی

---

(۲۴) بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مطبوعہ مصر ' جلد ۶ ' کتاب الوکالت ' صفحہ ۳۳ ۔

(۲۵) در مختار برحاشیہ رد المحتار ' مصر جلد ۴ ' صفحہ ۴۱۷ ۔
مجمع الأنہر ' مصر ' جلد ۲ کتاب الوکالت ' صفحہ ۲۳۲ ۔
فتح المعین ' مصر ' جلد ۳ ' صفحات ۹۵-۹۴ ۔
فتاوی عالمگیری (عربی) مطبوعہ کان پور ' جلد ۳ کتاب الوکالت ' صفحہ ۲۵۴ ۔

شرط نہیں ۔ صرف عاقل ہونا شرط ہے ۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک صبي کی وکالت درست نہیں کیوں کہ وہ غیر مکلّف ہے ۔[۲۶]

کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک مقدمہ عرفان الدین بنام بدّن شیخ میں یہ قرار دیا کہ یہ امر کہ وہ وکیل جس نے لڑکی کی جانب سے بحیثیت وکیل عمل کیا نابالغ تھا نکاح کے جواز کو متأثر نہیں کرتا کیوں کہ زیر دفعہ ۱۸۴ قانون معاہدہ ۱۸۷۲ع ایک نابالغ ، اصل شخص (Principal) اور شخص ثالث کے درمیان بحیثیت کارندہ عمل کرسکتا ہے ۔[۲۷]

تجزیہ :

وکیل ، کارندہ یا ایجنٹ کا جو عام مفہوم ہمارے معاشرے میں لیا جاتا ہے اور جو ذمہ داریاں اس سے منسوب کی جاتی ہیں ان کے پیش نظر عقد کی بات چیت طے کرنے کی حد تک اس کی حیثیت معبّر اور سفیر کی ہوسکتی ہے ۔ لیکن جب وہ اس امر کا مجاز ہو کہ اپنے موکل یا موکلہ کا نکاح خود ایجاب یا قبول کرکے کسی عورت یا مرد کے ساتھ کر دے تو اس کی حیثیت محض ایک معبر اور سفیر کی نہیں رہتی بلکہ ایک کارندۂ مجاز کی ہو جاتی ہے ، جس کا قول یا عمل قابل نفاد اور اس کے موکل کے لیے قابل پابندی ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں کارندہ کے لیے لازم ہونا چاہیے کہ وہ عاقل و بالغ ہو ، کیوں کہ زمانہ کے عام معیار کے مطابق ایک عاقل و بالغ شخص ہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے موکل یا موکلہ کے حقوق کی

---

(۲۶) بدائع الصنائع ، الکاسانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۶ ، کتاب الوکالت ، صفحہ ۲۰ ۔

(۲۷) ۵۱ انڈین کیسیز صفحہ ۵۸۳ ۔

نگہداشت کا اہل ثابت ہوگا۔ اس سے قطع نظر، ایک نابالغ، جب خود معاہدہ کرنے کا اہل نہیں ہے تو وہ دوسروں کو اپنے کیے ہوئے معاہدہ کا کیوں کر پابند کر سکتا ہے؟۔

عقلاً بھی یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وکیلِ نکاح کا بالغ ہونا ضروری قرار دیا جائے۔ اس ضمن میں ہم خود کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق پاتے ہیں۔

ایجاب و قبول کے الفاظ

۱۳۔ نکاح ایجاب و قبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ مثلاً

(ا) "میں نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دے دی"۔

(ب) "میں نے اپنی لڑکی کو تمہاری ملک میں دے دیا"۔

(ج) "میں نے اپنی لڑکی تمہیں ہبہ کر دی"۔

توضیح : بحالت معذوری بذریعہ تحریر یا ایسے اشارہ کے ذریعہ بھی ایجاب و قبول ہو سکتا ہے جس سے فریقین ایک دوسرے کے مقصد کو غیر مبہم طور پر سمجھ لیں۔

تشریح

حنفیوں کے نزدیک نکاح مختلف کلمات مثلاً نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ[۲۸] وغیرہ سے منعقد ہوسکتا ہے۔[۲۹] لیکن امام

(۲۸) حنفی لفظ "ہبہ" سے نکاح ہو جانے کے جواز میں "ان المراة المومنة التی وھبت نفسھا للنبی ۔ ۔ ۔" الخ سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲۹) "ینفذ النکاح والتزویج والتملیک والھبة والصدقة ولا ینعقد بلفظ لاجارة والاعارة والاباحة" (قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۳۷) "لاخلاف ان النکاح ینعقد بلفظ النکاح والتزویج وھل ینعقد بلفظ البیع والھبة والصدقة والتملیک قال اصحابنا رحمہم اللہ وقال الشافعی لاینعقد الا بلفظ النکاح والتزویج" (بدائع الصنائع، الکاسانی، مصر، جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)۔

شافعی کے نزدیک نکاح صرف نکاح یا تزویج کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے ۔ اسی طرح شیعیہ مکتب فکر میں بھی "نکاح" یا "تزویج" کے الفاظ کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ۔[۳۰] بہر کیف ایجاب و قبول کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں جو لفظاً و معناً اور عرفاً نکاح پر دلالت کرتے ہوں ۔[۳۱]

سبب اختلاف :

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کی نیت کے ساتھ ایسے واضح الفاظ کے اظہار کی بھی ضرورت ہے جن سے سوائے نکاح کے اور کوئی مفہوم نہ نکلتا ہو لیکن دوسرے فقہاء کے نزدیک نکاح کی نیت کے علاوہ ایسے خاص الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں جو صرف نکاح کے لیے مستعمل ہوں بلکہ اگر نکاح کا اظہار ایسے الفاظ سے بھی کر دیا جائے جو اپنے اصلی معنی کے علاوہ نکاح پر بھی دلالت کرتے ہوں تو یہ کافی ہو گا ۔

گونگے بہرے کا ایجاب و قبول :

اگر فریقین یا ان میں سے کوئی ایک گونگا یا بہرا ہو تو ایجاب و قبول اشارے کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن وہ اشارہ ایسا ہونا چاہیے جس سے فریقین پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ زوجیت میں منسلک ہو رہے ہیں ۔[۳۲]

---

(۳۰) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز جلد ۲ ' صفحہ ۳۶۳ ۔

شرائع الاسلام مطبوعہ ایران ' کتاب النکاح ۔

(۳۱) قانون الاحوال الشخصیہ ' شام ' دفعہ ۹ ۔

(۳۲) فتاوی عالمگیری (عربی) جلد ثانی ' مطبع مجیدی کان پور ' صفحہ ۳ ۔

الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ ' مصر ' دفعہ ۱۰ ۔

اگر عاقدین نکاح یا ان میں سے کوئی ایک گونگا یا بہرا ہو اور وہ مجلس نکاح میں موجود ہو اور بذریعۂ تحریر ایجاب یا قبول کرے تو اشارے کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

ایجاب و قبول کے صیغے

۱۴۔ ایجاب و قبول کے الفاظ میں دونوں صیغے ماضی کے ہوں گے یا ایک ماضی اور دوسرا مستقبل کا، یا ایک صیغہ امر اور دوسرا ماضی کا۔

تشریح

ایجاب و قبول کے لیے دونوں صیغے ماضی کے ہوں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنا یا اپنی بیٹی کا یا اپنی موکلہ کا نکاح تجھ سے کیا۔ اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ نکاح ان دو لفظوں سے بھی منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک لفظ ماضی کے لیے موضوع ہو اور دوسرا مستقبل یا حال کے لیے۔ مستقبل سے مراد امر کا صیغہ ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا نکاح اپنی ذات سے کر دے یا یوں کہے کہ تو میری بیوی ہو جا۔ اور دوسرا کہے کہ میں نے تیرا نکاح اپنی ذات سے کر دیا یا میں تیری بیوی ہو گئی۔ نکاح ان دو لفظوں سے بھی ہو سکتا ہے جن میں ایک صیغہ ماضی اور دوسرا مضارع کا ہو لیکن صیغہ مضارع سے اس وقت نکاح منعقد ہوگا جب کہ متکلم اس سے استقبال کے معنی کا ارادہ نہ کرے بلکہ حال مراد ہو، ورنہ وعدۂ نکاح ہو گا نہ کہ ایقاعِ نکاح۔ بہر حال ایجاب و قبول کے الفاظ میں ایک صیغہ ماضی کا ہونا لازمی ہے۔[۳۳] اگر نکاح کی نسبت مستقبل کی

---

(۳۳) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۳۷۔
کنزالدقائق مطبع مجتبائی دھلی، صفحہ ۹۷۔
فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور جلد ثانی، کتاب النکاح، صفحہ ۳۔

(بقیہ برحاشیہ صفحہ ۱۱۰)

طرف ہو یا کسی غیر متحقق شرط پر معلق ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔[۴۴]

ایجاب و قبول میں تطابق

۱۵۔ ایجاب و قبول کے لیے ایک کلام کا دوسرے کلام سے مطابق ہونا ضروری ہوگا۔

تشریح

ایجاب و قبول کے لیے ضروری ہے کہ ایک کلام دوسرے سے مختلف نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے ایک ہزار درہم پر کیا اور مرد نے جواب دیا کہ میں نے نکاح قبول کیا لیکن مہر قبول نہیں کرتا تو نکاح باطل ہوگا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔[۴۵]

جواز نکاح

۱۶۔ نکاح کا جواز متناکحین یا ان کے اولیاء کے عاقل و بالغ ہونے اور دو بالغ و عاقل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اور سماعت میں برضا مندی فریقین ایک مجلس میں ایجاب و قبول پر منحصر ہے بشرطیکہ متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات میں کوئی ایسا امر شرعی موجود نہ ہو جو مانع نکاح ہو۔

استثنا: متناکحین اگر شیعہ ہوں یا نکاح شیعہ مذہب کے مطابق پڑھایا جائے تو اس کے جواز کے لیے گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔

(بقیہ از حاشیہ صفحہ ۱۰۹)
درالمختار و رد المحتار جلد ۲، مطبوعہ مصر، کتاب النکاح، صفحہ ۲۷۰۔
شرح وقایہ (اردو ترجمہ) جلد ۲، صفحہ ۳۶۳۔
غایۃ الاوطار مطبع نو لکشور لکھنؤ، جلد دوم صفحہ ۴۔
(۴۴) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۳۔
(۴۵) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ثانی، صفحہ ۲۔
الدرالمختار و رد المحتار، جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴، مطبوعہ مصر۔

تشریح

فقہا نے نکاح کی شرائط کو تین انواع میں تقسیم کیا ہے :

(۱) شرائط انعقاد نکاح ۔

(۲) شرائطِ جوازِ نکاح ۔

(۳) شرائطِ لزومِ نکاح ۔

انعقاد نکاح کی شرائط کو دو انواع میں تقسیم کیا گیا ہے :

(الف) وہ شرائط جن کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے ۔

(ب) وہ شرائط جن کا تعلق مجلس عقد سے ہے ۔

پہلی شرط انعقاد ۔ عقل :

جن شرائط کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے وہ عقل ، بلوغ اور رضا مندی ہیں ۔ چنانچہ نکاح کے لیے عاقل ہونے کی شرط لازمی حیثیت رکھتی ہے ۔ کیونکہ پاگل یا بے عقل لڑکا نکاح کی اہلیت نہیں رکھتا ۔ لیکن صبی عاقل کا کیا ہوا نکاح اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا ۔[۳۶]

دوسری شرط انعقاد ۔ بلوغ :

انعقاد نکاح کی دوسری شرط بلوغ ہے ۔ کیونکہ نکاح کی قابلیت بلوغ ہی سے پیدا ہوتی ہے ۔ اگر متناکحین یا ان میں سے کوئی ایک بالغ نہ ہو تو ان کا کیا ہوا نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ نابالغ کی طرف سے اس کا ولی ایجاب یا قبول (جیسی صورت ہو) کر سکتا ہے ۔[۳۷]

---

(۳۶) واماشروطه فمنها العقل و البلوغ و الحرية فى العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى لا يعقل والآخرين شرط انعقاد فان لكاح الصبى العاقل يتوقف نفاذه على اجازة وليه ۔ (فتاوی عالمگیری ، کتاب النکاح ، جلد ثانی ، صفحہ ۱) ۔

(۳۷) ملاحظہ ہو باب "ولایت نکاح" کتاب ھذا ۔

بلوغ اور حنفیہ و شافعیہ مکاتیب فکر :

شرعاً لڑکی اس وقت بالغ سمجھی جاتی ہے جب کہ اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔ حیض آنے کی کم از کم عمر ۹ سال ہے۔ حیض نہ آنے یا بلوغ کی کوئی دوسری شہادت نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکی کی عمر بلوغ سترہ سال ہے۔ لڑکا اس وقت بالغ سمجھا جاتا ہے جب کہ اسے احتلام ہونے لگے اس کی کم از کم عمر ۱۲ سال ہے۔ احتلام یا بلوغ کی کوئی دوسری شہادت نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا لیکن امام ابویوسف اور امام محمد نے امام اعظم سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر لڑکا محتلم یا لڑکی حائضہ ہو جائے یا دونوں اپنی عمر کے پندرہ سال پورے کر لیں تو بالغ متصور ہوں گے امام شافعی نے بھی صاحبین کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔[۳۸]

شیعہ مکتب فکر :

شیعہ مکتب فکر کے نزدیک بھی لڑکے اور لڑکی دونوں کا بلوغ شرعی پندرھواں سال قمری ختم ہونے پر قیاس کر لیا جائے گا۔ الاّ یہ کہ شہادت سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ بلوغ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔[۳۹]

---

(۳۸) عن سیدنا عمر رضی‌اللہ عنہ عرّض علی رسول اللہ صلی علیہ وسلم غلام و هوابن اربع عشرۃ سنۃ فردہ و عرض هوابن خمس عشرۃ فاجازہ فقد جعل علیہ السلام خمس عشرۃ حدالباوغ۔ (بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مصر ' جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)۔
ہدایہ (انگریزی) صفحہ ۵۲۹ ۔

(۳۹) جامع‌الاحکام فی فقہ‌الاسلام مطبوعہ لکھنؤ ' جلد اول ' صفحہ ۱۱۰ ۔

نافذالوقت قانون :

پاکستان میں از روئے دفعہ ۳ قانون بلوغ (Majority Act) مجریہ ۱۸۷۵ع تقویم عیسوی کے مطابق ۱۸ سال کی عمر سن بلوغ ہے اور جن نابالغوں کا ولی بحکم عدالت مقرر کیا گیا ہو یا جو کورٹ آف وارڈز کی زیر نگرانی ہوں، ۲۱ سال کے اختتام پر بالغ متصور ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے عائلی امور مثلاً نکاح، مہر، اور طلاق کے معاملات میں قانون مذکور کا اطلاق نہیں ہوتا۔[۳۰]

البتہ مسلم عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸، مجریہ ۱۹۶۱ع کے تحت امتناع ازدواج اطفال مجریہ ۱۹۲۹ع میں ترمیم کے ذریعہ اطفال کی شادیوں سے پیدا ہونے والی سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے متناکحین کی کم از کم عمروں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ از روئے قانون نافذالوقت لڑکی اور لڑکے کی قابل نکاح عمر علی الترتیب سولہ اور اٹھارہ سال قرار دی گئی ہے۔

دیگر مسلم ممالک میں عمر نکاح کا تعین :

عمر نکاح کے تعین کے سلسلہ میں دیگر مسلم ممالک میں بھی قانون سازی کی گئی ہے چنانچہ عراق کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت عمر نکاح اٹھارہ سال مقرر ہے۔ قانون الاحوال الشخصیہ سوریہ اور قانون حقوق العائلۃ الاردنی کے تحت لڑکے کی عمر نکاح اٹھارہ سال اور لڑکی کی سترہ سال مقرر ہے۔ مراکش کے مدونۃ الاحوال الشخصیہ میں بھی لڑکے کی عمر نکاح اٹھارہ سال مقرر ہے مگر لڑکی کی عمر نکاح پندرہ سال مقرر ہے۔ در اصل عمر نکاح کے تعین کا مسئلہ معاشرتی حالات و کوائف پر منحصر ہوتا ہے۔

---

(۳۰) قانون بلوغ، ۱۸۷۵ع، دفعہ ۲۔

تیسری شرط انعقاد ــــ رضا مندی :

عاقدین نکاح سے متعلق نکاح کی تیسری شرط رضا مندی ہے۔ چنانچہ طرفین کی رضا مندی کے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا۔[۴۱] خواہ عورت باکرہ بالغہ ہو یا ثیّبہ ' رضا مندی لازمی ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔[۴۲] چنانچہ ان کے نزدیک بالغہ عورت (باکرہ ہو یا ثیبہ) کا نکاح اس کی رضا مندی کے بغیر یا اس کی مرضی کے خلاف منعقد نہیں ہو سکتا۔ خواہ نکاح کرنے والا اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک باکرہ عورت کے نکاح میں ' اگر وہ نکاح اس کے باپ اور دادا نے کیا ہو ' اس کی رضا مندی شرط نہیں ہے۔[۴۳] لیکن اگر اس کے باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور شخص نکاح کرنے والا ہو تو اس صورت میں باکرہ عورت کا نکاح کے لیے واضح الفاظ میں اظہار رضا مندی ضروری ہے۔[۴۴]

اس امتیاز کا سبب یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک صرف باپ یا

---

(۴۱) وفی الحدیث المعروف البکر تستأمر فی نفسها و سکوتها رضاها فدل ان اصل الرضا منها معتبر۔ (المبسوط ' السرخسی ' مصر ' جلد ۵ ' صفحہ ۲)۔
محمد زمان بنام نعیمہ سلطان ' پی ایل ڈی ' ۱۹۵۲ ع ' پشاور ' صفحہ ۳۷۔

(۴۲) رضاء المراة اذا کانت بالغة بکراً کانت اوثیبا فلا یملک الولی اجبارها علی النکاح۔ (فتاوی قاضی خان ' مطبوعہ انڈیا ' صفحہ ۱۵۷)۔
ولاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ۔ (در المختار برحاشیہ رد المحتار ' کتاب النکاح ' مصر ' صفحہ ۲۰۶)۔
لسان الحکام ' مطبوعہ مصر ' صفحہ ۱۵۳۔

(۴۳) والشافعی رحمةالله تعالی لایعمل بهذا الحدیث أصلا (البکر تستأمر فی نفسها و سکوتها رضاها) فانه یقول فی حق الاب والجد لایشترط رضاها۔ (المبسوط ' السرخسی ' مصر ' جلد ۵ باب نکاح البکر ' صفحہ ۲)۔

(۴۴) وفی تزویج غیرالاب والجد لایکتفی بسکوتها۔ (محولہ بالا صفحہ ۳)۔
بدایة المجتهد ' ابن رشد ' مصر ' جلد ۲ صفحہ ۵۔

دادا ہی ولی نکاح ہوسکتے ہیں ۔ کسی دوسرے کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہے ۔ ہمارے نزدیک شافعیوں کا یہ نقطۂ نظر درست نہیں معلوم ہوتا ، باکرہ بالغہ کے نکاح میں اس کی رضامندی بہر صورت شرط ہے ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''اہلیت نکاح'' کتاب ہذا) ۔

معنوی رضامندی :

رضامندی صریح یا معنوی دونوں طرح ہو سکتی ہے ۔ محض باکرہ لڑکی کا مسکرا دینا ، ہنس دینا ، یا خاموش رہنا یا بلا آواز رونا معنوی رضامندی سمجھی جائے گی[۳۵] ۔ لیکن اگر ہنسی سے تضحیک یا تمسخر ظاہر ہوتا ہو یا خاموشی سے غم و غصے کا اظہار ہوتا ہو تو وہ معنوی رضامندی نہیں کہلائے گی[۳۶] ۔

معنوی رضامندی صرف اس وقت صریح اجازت یا رضامندی کی قائم مقام ہوگی جب کہ نکاح کی اجازت کا طالب ولی‌اقرب ہو ۔ اگر ولی ابعد یا اجنبی باکرہ بالغہ سے اجازت حاصل کرے گا تو ثیبہ کی طرح اس کی صریح رضامندی لازمی ہوگی[۳۷] ۔

فقہاء نے معنوی رضامندی کا اصول صرف باکرہ عورتوں کے نکاح کے سلسلے میں تسلیم کیا ہے لیکن ثیبہ (یعنی بسبب طلاق یا وفات

---

(۳۵) المبسوط السرخسی ، مصر ، جلد ۵ باب نکاح البکر ، صفحہ ۴ ۔
قدوری ، قرآن محل کراچی ، کتاب النکاح صفحہ ۱۳۹ ، اصح المطابع کراچی صفحہ ۱۶۲ ۔
در مختار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۷ ۔
لسان الحکام ، مصر ، صفحہ ۱۵۳ ۔

(۳۶) وکذلک قالوا ان ضحکت کالمستہزئة لماسمعت لایکون رضا والضحک الذی یکون بطریق الاستہزاء معروف بین الناس (المبسوط السرخسی ، مصر ، جلد ۵ ، باب نکاح البکر ، صفحہ ۴) ۔

(۳۷) در مختار و رد المحتار ، مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ ۔
المبسوط ، السرخسی ، مصر ، جلد ۵ صفحہ ۴ ۔

شوہر سے جدا شدہ) عورتوں کی صریحی رضامندی ضروری ہے[۴۸]۔

اگر کسی عورت کا پردۂ بکارت اچھل کود، حیض، زخم یا عمر کی زیادتی کے سبب زائل ہو جائے تو تمام حنفی ائمہ کے نزدیک نکاح کے لیے اس کی معنوی رضامندی کافی ہوگی[۴۹]۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک وہ عورت رضامندی کے معاملے میں ثیبہ کے حکم میں داخل ہوگی۔ اس مسئلہ میں حنفی ائمہ کی رائے معاشرتی آداب کے پیش نظر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

البتہ اگر کسی عورت کی بکارت زنا کے سبب زائل ہو جائے تو نکاح کے لیے باکرہ کی طرح معنوی رضامندی قابل اعتبار ہوگی یا نہیں؟ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت باکرہ کے حکم میں داخل ہے۔ لیکن امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک ثیبہ (شوہر دیدہ) کی طرح صرف صریح رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا[۵۰] اور یہی نقطہ نظر امام شافعی کا بھی ہے۔

وجہ اختلاف:

ائمہ کے درمیان اس فرق کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ امام شافعی ثیبہ اور باکرہ کے لغوی معنی سے استدلال کرتے ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ ان الفاظ سے شرعی اور فقہی معنی مراد لیتے ہیں۔ اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی سکوت یا

---

(۴۸) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع کراچی، صفحہ ۱۰۳۔
رد المحتار، مصر، جلد ۲ صفحہ ۲۰۷۔

(۴۹) قدوری، قرآن محل، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع کراچی صفحہ ۱۶۳۔
در مختار و رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۱۰

(۵۰) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹ واصح المطابع کراچی، صفحہ ۱۶۳۔

معنوی رضامندی کے اصول کو باکرہ عورتوں سے بر بناء بکارت منسوب کرتے ھیں جب کہ امام ابو حنیفہ عورت کی حیاء و شرم کی بناء پر معنوی رضامندی کے اصول کا اطلاق کرتے ھیں۔

عقلاً امام ابو حنیفہ کا قول مستحسن ھے کیوں کہ کوئی عورت اپنے زنا کا اعلان نہیں کیا کرتی۔

احادیث بسلسلۂ رضامندی :

رضامندی کے سلسلے میں مندرجہ بالا احکام کا حسب ذیل احادیث سے استخراج کیا گیا ھے :

(۱) ''عن عبداللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکرتستاذن فی نفسہا و اذنہا صماتہا'' [۵۱]۔

ابن عباس سے روایت ھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایّم (یعنی غیر شادی شدہ) عورت اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس پر زیادہ حق رکھتی ھے اور باکرہ عورت سے اس کی رضامندی معلوم کی جائے اس کے نفس کے بارے میں، اور اس کی خاموشی اس کی طرف سے اجازت اور اظہار رضامندی ھے۔

(۲) دوسری روایت میں اس حدیث کو ''الثیب احق بنفسہا من ولیہا'' اور ''لا تنکح الایم حتی تستامر'' کے الفاظ میں بھی بیان گیا ھے۔

امام محمد نے اپنی کتاب ''موطا'' میں لکھا ھے کہ ثیبہ اور بالغہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر مناسب نہیں۔ باکرہ کی

---

(۵۱) موطا امام مالک، صفحہ ۳۳۶۔

اجازت اس کی خاموشی سے اور ثیبہ کی رضامندی زبان کے ذریعہ معتبر ہے[۵۲]۔

رضامندی غیر مشروط ہونی چاہیے ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ البتہ بعض صورتوں میں شرط باطل ہو جاتی ہے اور نکاح صحیح قرار پاتا ہے۔

رضامندی بالجبر :

رضامندی کا بلاجبر و اکراہ ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر مرضی جبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو تو نکاح فاسد ہوگا، بجز اس کے کہ بعد میں توثیق ہو جائے[۵۳]۔

رضامندی بذریعہ غلط بیانی :

اگر کسی مرد نے خود کو باعتبار نسب ایسا شخص باور کرا کر، جو وہ حقیقتاً نہ ہو، عورت سے نکاح کی مرضی حاصل کر لی ہو اور اس کو نسب کے معاملے میں دھوکہ دیا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر وہ مرد نسب کے اعتبار سے اس سے بہتر ہو جو اس نے ظاہر کیا ہے تو عورت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا[۵۴]۔

عورت کے معاملے میں صورت حال مختلف ہے چنانچہ اگر عورت خود کو مرد کا کفو ظاہر کرے جب کہ حقیقت میں وہ مرد کی کفو نہ ہو تو مرد پر نکاح لازم ہو جائے گا اور اسے اس بناء پر نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ کفاءت کے معاملے میں عورت

(۵۲) موطا، امام محمد، قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۳۱۔
(۵۳) عبدالطیف بنام نیاز احمد (۱۹۰۹ء) ۳۱ الہ آباد، ۳۴۳۔
کلثوم بی بنام عبدالقادر (۱۹۲۱ء) ۴۵ بمبئی، ۱۵۱۔
(۵۴) المبسوط، السرخسی، مصر، جلد ۵، باب الاکفاء، صفحہ ۲۹۔

کا اعتبار نہیں کیا جاتا ۔ البتہ وہ طلاق دے سکتا ہے[۵۵] ۔

اگر تفریق دخول سے قبل واقع ہو تو مرد پر کوئی مہر واجب نہ ہوگا اور نہ عورت پر عدت ۔ دخول کی صورت میں مرد پر مہر مثل یا مہر مسمیٰ (جو کم ہو) واجب ہوگا۔ نیز عورت پر عدت واجب ہوگی اور مرد پر دوران عدت عورت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

حق تفریق کی بنیاد :

تفریق کے حق کی بنیاد بیع میں خیار عیب کے اصول پر رکھی گئی ہے بعد دخول مہر ادا کرنے کا حکم اس عورت کے ملک بضع کے زائل ہونے کی بناء پر دیا گیا ہے اور عدت کا حکم نسب اولاد کے قیام کے سبب ہے ۔

چوتھی شرط انعقاد ــــ اتحاد مجلس :

وہ شرائط جن کا تعلق مجلس عقد سے ہے دو ہیں ۔ ایک شرط مجلس نکاح ہے جس کو فقہی اصطلاح میں مکان عقد کہا جاتا ہے اور دوسری شرط مجلس عقد میں گواہوں کی موجودگی ہے ۔

مجلس سے مراد وہ نشست ہے جو انعقاد نکاح کی غرض سے منعقد کی جاتی ہے ۔ ایجاب و قبول کے لیے یہ امر لازمی ہے کہ دونوں (ایجاب و قبول) ایک ہی مجلس میں ہوں ۔ چنانچہ اگر ایک مجلس میں ایجاب اور دوسری میں قبول ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا[۵٦] ۔ حتیٰ کہ

---

(۵۵) ماخوذ از المبسوط ' امام سرخسی' مصر' جلد ۵ ' باب الاکفاء ' صفحہ ۳۰ ۔ مزید ملاحظہ ہو صفحہ ۹۷ جس میں غلط بیانی کی چند مزید صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً با کرہ ظاہر کرنا اور حقیقتاً ثیبہ ہونا یا حسین و جمیل ظاہر کرنا مگر کریہہ صورت ہونا ۔

(۵٦) ہدایہ (انگریزی) ہملٹن ' صفحہ ۲٦ ۔

اگر مجلس بدل جائے (مثلاً دونوں ایک مجلس میں ہوں ، ایک نے ایجاب کیا مگر دوسرا قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو گیا جو مجلس بدل جانے کا موجب ہو تو کہا جائے گا کہ مجلس بدل گئی ۔) تو اس دوسری مجلس میں قبول سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔[57] صاحب بدائع الصنائع نے مجلس عقد کو انعقاد نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب عاقدین نکاح مجلس میں موجود ہوں تو اتحاد مجلس کے لیے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں کیا جائے ، ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا[58] ۔

یہاں اس سوال کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا ایجاب قاصد کے ذریعہ ہونے کی صورت میں اتحاد مجلس کی شرط کس طرح پوری کی جاسکتی ہے ؟ مثال کے طور پر عورت کراچی میں ہے اور مرد لاہور میں، مرد لاہور سے عورت کو بذریعۂ خط یا قاصد مطلع کرتا ہے کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں ۔ اس صورت میں ایک مجلس عقد میں ایجاب اور قبول کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب عورت کے پاس وہ خط یا قاصد پہنچا اور عورت نے دو گواہوں کے سامنے یہ بیان کرنے کے بعد کہ فلاں شخص نے مجھے خط لکھا ہے یا قاصد بھیجا ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرتا ہے اس ایجاب نکاح کو قبول کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا ۔ اسی طرح مستند تحریر یا ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی تقریر ایجاب کو مجلس عقد میں گواہوں پر ظاہر کرکے فریق ثانی کی طرف سے نکاح کا قبول ہو سکتا ہے بشرطے کہ قبول کے وقت ایجاب بھی گواہوں کی موجودگی میں بیان کردیا گیا ہو، کیونکہ قبول کے وقت ایجاب کے

---

(۵۷) فتاوی عالمگیری، (عربی) ، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ثانی ، صفحہ ۲ - رد المحتار، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۷۲ -

(۵۸) بدائع الصنائع، الکاسانی ، مصر ، کتاب النکاح، جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۲ -

اظہار سے مجلس عقد متحّد خیال کی جائے گی۔

موجودہ دور میں رسل و رسائل کی ترقی اور آسانی کے پیش نظر فون پر بھی نکاح کا ایجاب و قبول ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایجاب اور قبول کو دونوں گواہان بھی بیک وقت سن سکیں اور آواز پہچانتے ہوں۔

گواہوں کی موجودگی و سماعت :

مجلس عقد کی دوسری شرط ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی اور ایجاب و قبول کی سماعت ہے۔ اس کے تین جزو ہیں :

(۱) موجودگی گواہان جواز نکاح کی شرط کے طور پر۔

(۲) تعداد گواہان۔

(۳) اہلیت گواہان بوقت ایجاب و قبول۔

گواہوں کی موجودگی :

ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی جواز نکاح کی شرط کی حیثیت سے ماسوائے مالکیہ عام علماء کے نزدیک مسلم ہے۔ فقہاء نے اس کو نکاح کے جواز اور انعقاد کی شرط کہا ہے۔ چنانچہ برہان الدین علی ابن ابی ابکرالمرغینانی (متوفی ۵۸۳ ھجری) نے اپنی مستند کتاب ''ھدایہ'' کی ''کتاب النکاح'' میں شہادت کو نکاح کے جواز کی ایک شرط کہا ہے[۵۹] اسی طرح قاضی‌خان نے بھی '' کتاب النکاح '' کی فصل ''شرائط النکاح'' میں گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی شرط جواز قرار دیا ہے[۶۰]۔ الکاسانی نے بھی اپنی کتاب بدائع

(۵۹) " ان الشهادة شرط فی باب النکاح " (ھدایہ عربی جلد دوم کتاب النکاح صفحہ ۵ -

(۶۰) " فصل فی شرائط النکاح ' منها الشهادة عندنا " (فتاوی قاضی خان ' مطبوعہ ھند صفحہ ۱۵۵) -

الصنائع میں گواہوں کی موجودگی کو انعقاد نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''نکاح پاگلوں اور بچوں کی موجودگی میں منعقد نہیں ہوتا . . . چونکہ شہادت ارکان عقد کی شرائط میں سے ہے اور عقد کے رکن ایجاب و قبول ہیں اور قبول کے بغیر عقد کے ایک رکن کا وجود نہیں ہوتا۔ پس جس طرح بغیر قبول کے حقیقتاً عقد کا ایک رکن موجود نہیں ہوتا اسی طرح شرعاً بغیر شہادت کے اس رکن کا کوئی وجود نہیں ہوتا[61]۔

شہادت نکاح کی حیثیت :

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک گواہوں کی موجودگی انعقاد نکاح کے رکن (ایجاب و قبول) کی ایک شرط ہے۔ ان کی رائے میں نکاح میں گواہوں کی موجودگی اور سماعت عام معاہدات کے برعکس بصورت انکار تصدیق کے لیے نہیں بلکہ بجائے خود معاہدۂ نکاح کے جواز کے لیے ہے چنانچہ حنفیہ ' شافعیہ اور حنفیہ مکاتیب فکر کے نزدیک نکاح کے وقت گواہوں کی موجودگی اور سماعت لازمی ہے[62]۔ بالفاظ دیگر ' ان کے نزدیک ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی اور سماعت معاہدۂ نکاح کا ایک جزو ہے نہ کہ محض شہادت کا کوئی قاعدہ۔

---

(٦١) "فلاينعقدالنكاح بحضرة المجانين و الصبيان - - - لان الشهادة من ركن العقد و ركنه و هو الايجاب والقبول و لاوجود للركن بدون القبول فكما لا وجود للركن بدون القبول حقيقة لاوجود له شرعا بدون الشهادة" (بدائع ' الكاسانى ' مصر ' جلد دوم ' صفحه ٢٥٣) -

(٦٢) "ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين بالغين عاقلين مسلمين اورجل اوامرأتين " (قدورى قرآن محل ' كراچى ' صفحه ١٢٧ و اصح المطابع كراچى صفحه ١٦١ -
كنز الدقايق مطبع مجتبائى ' دهلى صفحه ٩٧ -

امام مالک کا نقطۂ نظر :

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایجاب و قبول کے وقت گواھوں کی موجودگی جواز نکاح کی شرط نہیں ھے صرف نکاح کا اعلان شرط ھے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر نکاح گواھوں کی غیر موجودگی میں ھوا ھو مگر اس کا اعلان یا شہرت ھو گئی ھو تو ایسا نکاح جائز ھوگا ۔ امام مالک اپنے قول کی بنیاد دو حدیثوں پر رکھتے ھیں ، ایک یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ نکاح کرنے سے منع فرمایا ۔[63] اور دوسرے یہ کہ آپ نے فرمایا ، نکاح کا اعلان کرو خواہ دف کے ذریعے ھو ۔[64]

امام مالک نے پہلی حدیث سے یہ نتیجہ نکالا کہ چونکہ سرکار دو عالم نے خفیہ نکاح کرنے سے منع فرمایا ھے اس لیے بالفاظ دیگر آپ نے اعلان نکاح کا حکم دیا ھے ۔ ان کا یہ استدلال منطق کے اس اصول پر قایم ھے کہ جس فعل کو منع کیا جاتا ھے اس میں اس کی ضد کے کرنے کا حکم پوشیدہ ھوتا ھے ۔ اس بناء پر امام مالک نے نکاح کے جواز کے لئے اعلان کو ضروری شرط قرار دیا ھے ۔ اور نکاح کے وقت دف بجانے کو بطور ذریعہ اعلان کے اختیار کیا ھے ۔

دراصل امام مالک کے جواز نکاح کے لیے اعلان کو شرط قرار دینے کی وجہ یہ ھے کہ وہ نکاح کو اعلان کے ذریعہ زنا سے ممیز کرنا چاھتے ھیں ۔ چونکہ زنا خفیہ ھوتا ھے اس لیے ان

(۶۳) " انہ نہی عن نکاح السّر " (بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مصر جلد دوم صفحہ ۲۵۲-۵۳)

(۶۴) " اعلنوا النکاح ولو بالدف " (بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مصر جلد دوم صفحات ۲۵۲-۵۳) ۔

کے نزدیک نکاح کا اعلان ایک وجوب کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس لیے امام مالک کے نزدیک اگر کسی نکاح میں ایجاب و قبول کے وقت گواہ موجود ہوں مگر ان کو نکاح خفیہ رکھنے کی ھدایت کی جائے تو ایسا نکاح جائز نہ ہوگا ۔

حنفی مسلک :

حنفی فقہاء اپنے دعوے کے ثبوت میں بالخصوص دو حدیثوں سے استدلال کرتے ھیں ۔ پہلی حدیث ''لا نکاح الا بشہود'' ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا اور دوسری حدیث ''الزانیۃ التی تنکح نفسہا بغیر بینۃ'' ہے یعنی ایسی عورت جو بغیر گواہوں کے نکاح کرے زانیہ ہے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر شہادت نکاح شرط نہ ہوتی تو وہ عورت اس کے بغیر زانیہ سے تعبیر نہ کی جاتی ۔

یہ صحیح ہے کہ شہادت نکاح زنا کی تہمت کو رفع کرنے کی غرض سے ہے لیکن گواہوں کی موجودگی کے ذریعہ نکاح کے اعلان اور اظہار کا مقصد پورا ہو جاتا ہے ۔ رسول مقبول کی مذکورہ بالا حدیث '' اعلنو النکاح '' کی صحیح تعبیر بھی یہی ہے ، کیونکہ جب نکاح کے وقت گواہ موجود رہیں گے تو وہ خفیہ نہ رہے گا ۔ لہذا اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ ''ایک نکاح جو دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو مگر اس کا اعلان عام نہ ہوا ہو یا شہرت نہ ہوئی ہو تو وہ نا جائز ہو جائے گا'' ۔[۶۵]

جہاں تک دف بجا کر نکاح کرنے کے اعلان کا تعلق ہے اس کی حیثیت محض ایک آلہ یا ذریعہ کی ہے ۔ بجائے خود اعلان

(۶۵) شہزاد بیگم بنام عبدالحمید پی ایل ڈی ' ۱۹۵۰ع ' لاہور ' ۵۴ ۔

نکاح کا کوئی مقررہ طریقہ نہیں ہے البتہ فقہاء نے دف بجانے کو مستحب کہا ہے۔

تجزیہ :

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے لیے شرط ہے لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ یہ شرط تکمیل نکاح کے لیے ہے یا صحت نکاح کے لیے۔ کیونکہ تکمیل نکاح کی شرط ہونے کی صورت میں نکاح تو ہو جائے گا مگر فاسد رہے گا تاآنکہ دخول سے قبل گواہی کی شرط پوری نہ کر دی جائے لیکن صحت نکاح کی شرط ہونے کی صورت میں نکاح اس وقت تک منعقد ہی نہ ہوگا جب تک کہ ایجاب و قبول کے وقت گواہ موجود نہ ہوں۔

بناء اختلاف :

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ آیا نکاح میں شہادت کا وجوب شرعاً ہے یا محض اس لیے ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے انکار کی صورت میں شہادت موجود ہو۔ جن فقہا کے نزدیک شہادت نکاح ایک شرعی حکم ہے ان کے نزدیک صحت نکاح کے لیے شہادت کا ایجاب و قبول کے وقت ہونا ضروری ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ اس لیے ضروری ہے کہ فریقین میں سے کوئی فریق عقد نکاح سے انکار نہ کر سکے، وہ اسے تکمیل کی حد تک ضروری قرار دیتے ہیں جو ایجاب و قبول کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

مصر و شام میں جو شرعی قانون رائج ہے اس کے تحت

شہادت کو صحت نکاح کی شرط قرار دیا گیا ہے۔[66] اور یہی نقطۂ نظر صحت پر مبنی نظر آتا ہے۔

تعداد گواہان :

قرآن کریم میں جو آیت مداینہ یا معاملات کے لین دین میں گواہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اس میں ضمناً گواہوں کی تعداد بھی بیان ہو گئی ہے۔ چنانچہ فقہاء آیہ کریمہ ''یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمًّی فاکتبوہ . . . . واستشھدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضلَّ احد اھما فتذکر احد اھما الاخری''۔[67] (یعنی اے ایمان والو! جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو . . . . پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔) پر مدار رکھتے ہوئے عام حکم قرآنی کی پیروی میں معاہدہ نکاح کے لیے بھی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو کافی قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔[68] لیکن اجماع پہلی صورت پر ہے۔

---

(۶۶) '' یشترط فی صحۃ عقدالزواج حضور شاھدین رجلین او رجل وامرأتین مسلمین عاقلین بالغین سامعین الایجاب و القبول فاھمین المقصود بھما''
(المادہ ۱۲ شرح قانون الاحوال الشخصیہ ' مولفہ مصطفی السّباعی ' دمشق ۱۹۵۸ع صفحہ ۶۱)۔
مادہ ۷ احکام الشر عیہ فی الاحوال الشخصیہ ' مصر۔

(۶۷) سورہ بقرہ ' آیت ۲۸۲۔

(۶۸) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۶۳۔

بہر کیف ایجاب و قبول کے وقت دو عاقل و بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اور طرفین کے ایجاب و قبول کی سماعت ضروری ہے صرف ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔[69] یہ اس لازم ہے کہ دونوں گواہ ایجاب و قبول کے وقت موجود رہیں اور اپنے کانوں سے ایجاب و قبول سنیں۔ اگر گواہوں نے صرف ایک کا کلام سنا یا ایک گواہ نے ایک کا کلام سنا اور دوسرے نے دوسرے کا تو نکاح منقعد نہ ہوگا۔[70]

امام سرخسی اپنی شہرہ آفاق کتاب المبسوط جلد ۵ باب ''النکاح بلا شہود'' صفحہ ۳۵ پر امام محمد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا یا ایک شخص کی گواہی پر نکاح کر لیا اور اس کے بعد گواہی کی تکمیل کی تو نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ شہادت کی شرط نکاح کے وقت ہے اور ایجاب و قبول کے وقت شہادت نہیں پائی گئی۔ اور جو شہادت عقد فاسد پر قائم کی گئی وہ عقد فاسد کا اقرار ہے، عقد فاسد کا اقرار عقد صحیح نہیں ہوتا اور اس پر شہادت لانا نکاح فاسد کو نکاح صحیح میں تبدیل نہیں کر سکتا۔[71]

---

(٦٩) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد ثانی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۔
رد المحتار، کتاب النکاح، صفحہ ۲۸۰۔
ھدایہ (عربی) مطبوعہ ھند، کتاب النکاح

(۷۰) البدائع الصنائع الکاسانی، مصر، جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔
رد المحتار، مصر، کتاب النکاح، صفحہ ۲۸۰۔

(۷۱) ولو تزوج امرأۃ بغیر شہود أو بشاھد واحد ثم أشہد بعد ذالک لم یجز النکاح لان الشرط ہ الا شہاد علی العقد ولم یوجد وانما وجد الا شہاد علی

لیکن ایسا نکاح جو گواہوں کی موجودگی میں یا ایک گواہ کی موجودگی میں ہوا ہو، فاسد قرار پائے گا (نکاحاً فاسداً ہی المنکوحۃ بغیر شہود ردالمحتار، مصر، جلد ۲ صفحہ ۶۲۳)۔

اہلیت گواہان :

گواہوں کے سلسلے کی دوسری کڑی بوقت نکاح ان کی اہلیت ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ گواہوں کا آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔[۷۲] البتہ اگر مرد مسلمان اور عورت غیر مسلمہ ہو تو شیخین (امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالی) کے نزدیک نکاح غیر مسلم گواہوں کے روبرو ہو سکتا ہے۔ البتہ امام محمد و امام شافعی و امام احمد بن جنبل کے نزدیک غیرمسلموں کی گواہی میں نکاح کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔[۷۳]

اگرگواہ فاسق یا اندھے ہوں تو حنفیوں کے نزدیک ان کی گواہی درست ہوگی مگر امام شافعی کے نزدیک ایسی گواہی نادرست ہوگی کیونکہ عدالت گواہی کی شرط ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک گواہ کا بینا ہونا بھی شرط عدل ہے۔[۷۴]

الاقرار بالعقد الفاسد والا قرار بالعقد الفاسد لیس بعقد و بالاشہاد علیہ لاینقلب الفاسد صحیحاً۔ (المبسوط السرخسی، مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵)۔

(۷۲) وشرط فی الشاهد اربعۃ امور الحریۃ و العقل و البلوغ و الاسلام ۔ ولا بحضرۃ الکفار فی نکاح المسلمین (بحرالرائق مصر، جلد ۳ صفحہ ۹۵)۔

(۷۳) سراج الوہاج بحوالہ فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور جلد ثانی صفحہ ۱۔
قدوری، قرآن محل، کراچی صفحہ ۱۳۷ واصح المطابع کراچی صفحہ ۱۶۱۔
وقال محمد لا یجوز و بہ قال زفر والشافعی و احمد لاشہادۃ الکافر علی المسلم ۔ ۔ ۔ وصح تزوج مسلم ذمیۃ عند ذمیین ۔ حاشیہ بر کنز الدقایق، مطبع مجتبائی، دہلی صفحہ ۹۷۔

(۷۴) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور، صفحہ ۳۶۴۔
کنزالدقائق مطبع مجتبائی دہلی، صفحہ ۹۷۔

وجہ اختلاف :

حنفیہ اور شافعیہ میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف شہادت کو موقع و محل کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ ایک حمل شہادت[۷۵] اور دوسری ادائے شہادت[۷۶]۔ چنانچہ انعقاد نکاح کے لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق گواہ بھی کافی ہیں کیونکہ اس وقت مقصود صرف سماعت ہے البتہ ادائے شہادت کے وقت ان کی گواہی مقبول نہیں ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ ایک فاسق شخص میں بھی حمل شہادت کی اہلیت موجود ہے گو ایک عارضی وصف عدالت نہ ہونے کی وجہ سے بوقت اداء مردود الشہادۃ ہے ۔ اس بناء پر ان کی شہادت بوقت نکاح درست ہوگی اور ان کی موجودگی میں نکاح ہو جائے گا ۔

تجویز

اس وقت پاکستان میں جو قانون شہادت رائج ہے اس کے تحت مسلمانوں کے معاملات سے متعلق گواہوں کی اہلیت کے بارے میں اسلامی قانون شہادت کا بالکل لحاظ نہیں رکھا گیا ۔ اسی طرح نکاح کے انعقاد یا بصورت انکار اس کے اثبات کے لیے بھی کوئی مخصوص التزام یا رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی ۔

---

(۷۵) " حمل شہادت " سے بوقت نکاح مجلس میں موجودگی اور سماعت مراد ہے ۔

(۷۶) " ادائے شہادت " سے مراد یہ ہے کہ اگر فریقین نکاح (یعنی مرد یا عورت) میں کوئی ایک نکاح کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو اور اس وقت نکاح کے اثبات کے لیے گواہی دی جائے تو اسے اصطلاحاً ادائے شہادت کہتے ہیں ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر ' کتاب النکاح مصر' جلد ۲ صفحہ ۳۵۳) ۔

نکاح کی شہادت، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، دو حصوں میں منقسم ہے ایک انعقاد نکاح کے لیے اور دوسری اثبات کے لیے ۔ جہاں تک انعقاد کے لیے شہادت کے احکام کا تعلق ہے وہ در اصل اسلامی قانون نکاح کا ایک جزو ہیں اور (Substantive Law) کی تعریف میں آتے ہیں البتہ نکاح کے انکار کی صورت میں اثبات کے لیے کتب فقہ میں شہادت کے جو احکام پائے جاتے ہیں ان کو احکام ضابطہ (Rules of Procedure) کہا جا سکتا ہے ۔

رائج الوقت قانون شہادت کے تحت اس صراحت کی غیر موجودگی میں کہ ''مسلمانوں کا نکاح غیر مسلموں کی گواہی سے منعقد نہیں ہو سکتا'' ۔ مسلمانوں کا نکاح غیرمسلم گواہوں کی موجودگی میں منعقد ہوسکتا ہے ۔ اور ادائے شہادت کے وقت بھی ان کی گواہی مقبول ہوگی ۔ یہ صورت نص قرآن سے متصادم ہے ۔ '' اذاتداینتم '' والی آیت میں ''رجالکم'' کا لفظ گواہوں کے لیے مسلمان ہونے کو شرط قرار دیتا ہے ، اس لیے منجملہ دیگر معاملات کے ، بالخصوص مسلمانوں کے نکاح کے انعقاد کی شہادت کے سلسلے میں اسلامی قانون شہادت کی پیروی ضروری ہے ۔ اور موجودہ قانون شہادت اور عائلی قوانین میں ضروری ترمیم کی جانی چاہیے ۔

موانع شرعی :

نکاح کے شرعی موانع چار قسم کے ہیں :

(۱) نسبی (۲) رضاعی (۳) ازدواجی (۴) سببی ۔

(۱) نسبی موانع وہ ہیں جو قرابت نسب یعنی خون کے رشتے سے پیدا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں ، خالاؤں، بھتیجیوں سے خواہ وہ کتنے ہی بالائی یا زیرین درجہ کی ہوں نکاح بوجہ قرابت نسب ممنوع ہے ۔

(۲) رضاعی موانع وہ ہیں جو بچے کے کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لینے کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں سے نکاح بوجہ رضاعت ممنوع ہے ۔

(۳) ازدواجی موانع وہ ہیں جو ازدواج کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ مدخولہ بیوی کی بیٹی ، بیوی کی ماں ، بیٹے ، پوتے ، نواسے کی بیوی سے نکاح کی ممانعت ہے ۔

(۴) سببی موانع وہ ہیں جو مختلف اسباب کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایسی عورت سے نکاح جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہو یا جس کی عدت نہ گزری ہو یا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح یا ایسی حاملہ سے نکاح جس کا حمل ثابت النسب ہو، اس وقت تک کے لیے ممنوع ہے۔" جب تک سبب امتناع دور نہ ہو جائے۔

نکاح کی رجسٹری

۱۷۔ (۱) عائلی قانون کے بموجب عمل میں لایا ہوا ہر نکاح درج رجسٹر کیا جائے گا ۔

(۲) اس غرض کے لیے صوبائی حکومتیں مختلف علاقوں میں مناسب اشخاص کو بحیثیت نکاح رجسٹرار مقرر کریں گی ۔

(۳) ہر ایسے نکاح کی اطلاع جس کو نکاح رجسٹرار نے سرانجام نہ دیا ہو درج رجسٹر کرنے کے لیے وہ شخص جس نے نکاح

---

(۶۷) مجمع الانہر ، صفحہ ۳۲۲ ۔
رد المحتار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۸۳ ۔

سرانجام دیا ہو نکاح رجسٹرار کو بھیجنے کا پابند ہوگا۔

(۴) نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔

(۵) نکاح رجسٹر نہ کرانے کی صورت میں خاطی کو ایک ماہ قید سادہ یا پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

تشریح

نکاح کی رجسٹری کا حکم قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں مگر کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں ہے جس سے نکاح کی رجسٹری کی ممانعت کی گئی ہو بلکہ فقہائے حنفی کے نزدیک کتابت نکاح مستحب ہے۔ (ملاحظہ ہو، فتح القدیر، ابن ہمام، کتاب النکاح)۔

لیکن نکاح کا حسب ضابطہ رجسٹر ہونا یا نہ ہونا جواز نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر کسی کے نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو مگر نکاح کے دوسرے مطلوبہ ارکان پورے کیے گئے ہوں تو نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ رجسٹری نکاح کی حیثیت محض اضافی ہے، بجائے خود نکاح کی کسی شرط کا حکم نہیں رکھتی۔

نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دینے کا منشاء ان دقتوں اور دشواریوں کو دور کرنا ہے جو نکاح سے انکار کی صورت میں ثبوت نکاح کے سلسلے میں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ انتظامی مصالح کے پیش نظر رجسٹرار کا تقرر اور شرعی مصالح کے حصول کے لیے رجسٹری کے حکم میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

پاکستان میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۵ کے تحت نکاح کی رجسٹری لازمی قرار دے دی گئی ہے اور بصورت

خلاف ورزی تین ماہ قید سادہ یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک نکاح کی رجسٹری نہ کرانے کو قابل تعزیر جرم قرار دینا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حکومت کا نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دینا مصالح معاشرہ کے موافق ہے تو اولی الامر یا قانون ساز ادارہ کو کیوں نہ یہ اختیار حاصل ہو کہ ایک مباح یا مستحب فعل کو واجب قرار دے کر اس کی خلاف ورزی کو قابل تعزیر بنا دے، ورنہ اس کی پابندی کون کرے گا؟ اور اس طرح مقصد قانون ہی فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ جن مسلم ممالک میں نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دیا جاچکا ہے وہاں بھی اس امر کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے کہ لوگ اس کی تعمیل نہیں کرتے۔ چنانچہ ان ممالک کی مقننہ کو اس ضرورت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اس کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے (ملاحظہ ہو شرح قانون الاحوال الشخصیہ، شام، مؤلفہ مصطفی السباعی)۔

تجویز

اس حقیقت کے مدنظر کہ اس ملک کے عوام صدہا برس سے بلا رجسٹری نکاح کے عادی ہیں، سزا میں تخفیف اور نرمی برتنی چاہیے۔ بریں بناء مناسب ہوگا اگر تین ماہ قید کے بجائے ایک ماہ اور ایک ہزار روپے جرمانہ کے بجائے پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا رکھی جائے، نیز بلا رجسٹری، نکاح کی قانونی نوعیت کو واضح کر دیا جائے، جو بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا باعث ہوگا۔

تعدّد ازدواج

۱۸۔ (۱) کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے بجز عائلی عدالت کی ماقبل تحریری اجازت کے دوسرا نکاح کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۲) عائلی عدالت صرف اس صورت میں اجازت دے گی جب کہ اسے اس امر کا اطمینان ہو گیا ہو کہ۔

(ا) وہ شخص حسب ضرورت مالی استطاعت رکھتا ہے۔

(ب) ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح میں شرعی مصلحت مضمر ہے، اور

(ج) اس امر کے باور کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں کہ وہ دوسرے نکاح کی اجازت دیے جانے کی صورت میں بیویوں میں عدل نہ کرے گا۔

(۳) دوسرے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی منظوری حاصل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص بلا اجازت دوسرا نکاح کر لے تو ایسا نکاح جائز ہوگا مگر ما قبل اجازت نہ لینے کے جرم میں اس کو ایک سال تک قید سادہ اور پانچ ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

تشریح

اللہ تعالی قرآن پاک میں فرماتا ہے :

"وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع فان خفتم الّا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنی الا تعولوا"[۸۸]۔ یعنی اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کر

---

۸۸) سورۃ النساء آیت ۳

سکوگے تو (انھیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ) اور جو عورتیں تمھیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو ، دو دو ، تین تین اور چار چار ' لیکن اگر تمھیں اندیشہ ھو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ھی زوجہ پر اکتفا کرو یا جو کنیز تمھاری ملکیت میں ھو (اسی پر اکتفا کرو) ۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے ایسا کرنا زیادہ قرین صواب ھے ۔

حکم قرآنی مشروط ھے :

مذکورہ بالا آیت مسلمان مردوں کے بیک وقت چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت پر دلالت کرتی ھے ، لیکن اس اجازت کے ساتھ ھی مرد کو اس کی اخلاقی ذمہ داری کا احساس دلا کر اس اجازت کو ''قدرت عدل'' پر مشروط کر دیا گیا ھے ۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کا جزو ''فان خفتم الاّ تعدلوا فواحدة'' یعنی اگر تم ان عورتوں کے درمیان عدل و مساوات قایم نہ کر سکو تو پھر ایک ھی عورت پر اکتفا کرو ، اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ھے کہ بیک وقت ایک عورت سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی صرف اسی وقت اجازت ھے جب کہ ان کے درمیان عدل قایم رکھا جا سکے ۔ چنانچہ قرآن پاک چار عورتوں تک کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی قانوناً اجازت دینے کے ساتھ ھی عام انسانی سطح پر ان عورتوں کے درمیان عدل و مساوات کا بھی طالب ھے ۔

عدل کا معیار :

یہاں سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ بیویوں کے درمیان جس عدل کے قایم کرنے پر قرآن پاک زور دیتا ھے وہ کیا ھے؟ کتب فقہ میں عدل کی دو قسمیں بیان کی گئی ھیں :-

۱- وہ عدل جس پر انسان قادر نہ ہو ، اور
۲- وہ عدل جس پر انسان قادر ہو۔

جس ''عدل'' پر انسان قادر نہیں ، ظاہر ہے کہ ، قرآن بھی اس کا مطالبہ نہیں کرتا ۔ اللہ تعالی نے ''لا یکلف اللہ نفساً الّا وسعہا'' کہہ کر انسانی قوت و صلاحیت کو عدل کا معیار قرار دے دیا ، کیونکہ جن باتوں پر انسان کا اختیار ہی نہ ہو اس سے کسی فریضہ کا تعلق نہیں ہو سکتا ۔ البتہ جس عدل پر انسان قادر ہے اس کا مطالبہ قرآن ضرور کرتا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک عام پاکستانی مسلمان ایک سے زائد عورتوں کے نکاح میں ہونے کی صورت میں ان بیویوں کے درمیان بالعموم عدل و مساوات قایم رکھتا ہے یا نہیں ؟ شاید ہی کوئی ہوش مند اور باخبر شخص اس حقیقت کا منکر ہو کہ اس کا جواب ''نفی'' میں ہے ۔

ایک سوال :

لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں مسلمانوں کی عام اخلاق حالت گری ہوئی ہو ، خدا کا خوف اور حقوق العباد کا تصور ذہنوں سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا ہو اور حکومت یہ دیکھ رہی ہو کہ شریعت کی اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے ۔ ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں پہلی بیوی سے مجرمانہ غفلت برتی جاتی ہے اور شوہر کی مرکز توجہ اس کی نئی نویلی دلہن قرار پاتی ہے ۔ زندگی کے عام معاملات میں بھی بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قایم کرنے کا تصور دماغ سے یکسر محو ہو گیا ہے ۔ پہلی (موجودہ) بیوی کی اولاد بھی اپنے باپ کے لطف و کرم سے محروم ہو جاتی ہے اور گوناگوں معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں ، جس کا نتیجہ ، بعض

اوقات ، ایک خاندان کی اندوہناک تباہی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اگر صورت حال یہ ہو تو احتیاطی تدابیر کو روبہ کار لاتے ہوئے حکومت وقت کو ایک سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے کے اختیار پر کوئی پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں ؟

قانون سازی کا حق :

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ معاشرہ کو برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حکومت کو مناسب قانون سازی کا حق حاصل ہے بشرطے کہ وہ قانون سازی اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

ایک سے زائد بیویاں نکاح میں رکھنے کے حق پر پابندی اور اجازت کا مشروط کر دینا مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہے۔

چند رائیں :

مصر کے ایک متبحّر عالم سید محمد رشید رضا نے ازدواج کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب تعدد ازدواج میں مضرتوں اور مفاسد کی کثرت ہو تو ایک سے زائد بیویوں کو نکاح میں رکھنے سے منع کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب یہ امر ثابت ہو جائے کہ عوام الناس ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہیں کرتے تو اولی الامر کو تعدّد ازدواج پر پابندی لگانے کا اختیار ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قایم ہے کہ امام کے لیے یہ امر جائز ہے کہ وہ ایک مباح فعل کے کرنے سے باز رکھے جس سے فساد پیدا ہوتا ہو ، کیونکہ مصلحت کا حصول فساد کو باقی رکھنے سے بہتر ہے۔ نیز یہ کہ زمانے کے تغیر سے حکم میں تغیر ہو سکتا ہے بشرطے کہ وہ حکم شرعاً فرضیت کے درجے کا نہ ہو۔

مصر کے ایک اور مشہور عالم مفتی محمد عبدہ تفسیر المنار (جلد ۴ صفحات ۳۴۹-۵۰) میں تعدّد ازدواج کے موضوع پر لکھتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں تعدّد ازدواج میں بڑے فوائد تھے - جن میں سب سے اہم فائدہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے نسبی اور سسرالی تعلقات کے قیام کی وجہ سے عصبیت کو تقویت حاصل ہوتی تھی - اور اس زمانہ میں اس سے وہ نقصانات پیش نہیں آتے تھے جو آج پیش آرہے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں اور مردوں دونوں کے دلوں میں دینی شعور کافی مستحکم ہوتا تھا - چنانچہ سوکن کا ضرر سوکن تک ہی محدود رہتا تھا لیکن آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ہر سوکن کا ضرر اس کی اولاد ، ماں باپ اور تمام رشتہ داروں تک متعدّی ہو جاتا ہے - چنانچہ سوکنیں ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑکاتی رہتی ہیں - وہ اپنی اولاد کو اپنے باپوں سے بغاوت کرنے پر بھڑکاتی ہیں - اپنے شوہروں کو پہلی بیوی کی اولاد کے حقوق مارنے پر اکساتی ہیں اور شوہر اپنی حماقت سے اپنی محبوب ترین بیوی کے اشارۂ ابرو پر رقص کرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کا فساد پورے خاندان میں سرایت کر جاتا ہے - اگر عورتوں کی دینی اعتبار سے صحیح تربیت کی جائے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں دین کا غلبہ و اقتدار قایم ہو جائے اور وہ ان معاملات میں دین کے فیصلوں پر سر جھکا دیں تب البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعدّد ازدواج سے قوم و ملت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا ، بلکہ یہ ایک دینی اور قومی ضرورت ہوگی جو زیادہ تر عورتوں ہی پر منحصر ہے لیکن موجودہ حالات میں اس تعدّد ازدواج کی عمومیت کے ساتھ ساتھ قوم اور ملّت کی صحیح بنیادوں پر تربیت کرنا اور اسے نشوونما اور ارتقاء سے ہم کنار

کر دینا قطعاً ناممکن ہے ۔ دین کا نزول لوگوں کی مصلحت اور بھلائی کے لیے ہوا ہے دین کے اصول میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ضرر کو روکا جائے اور ان کاموں کو بند کیا جائے جن سے ایک دوسرے کو ضرر پہنچایا جا سکتا ہے ۔ اگر کسی خاص زمانہ میں کسی بات پر فساد مرتب ہونے لگے جو پہلے زمانوں میں مرتب نہیں ہوتا تھا تو اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس قاعدہ کی بناء پر کہ مفاسد کو دور کرنا مصالح کو حاصل کرنے سے مقدّم ہے فیصلہ اور حکم کو بدل دینا اور حالات حاضرہ کے مطابق اس فیصلہ کی تطبیق کرنا واجب ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ جب عدل نہ کیے جا سکنے یا اسی قسم کا کوئی اور اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں تعدّد ازدواج حرام ہے ۔

جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمان القرآن بابت محرم ۱۳۷۶ھ میں اپنے مضمون ''نکاح کتابیہ'' کے ضمن میں لکھا ہے کہ '' شریعت کی تمام رخصتوں کے معاملہ میں ، جن سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا اندیشہ پایا جاتا ہو ، مسلمانوں کے اولی الامر کو امتناعی احکام جاری کرنے کا حق ہے اور اس قسم کے امتناعی احکام جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام کیے بغیر نافذ کیے جا سکتے ہیں ۔''

دیگر مسلم ممالک میں :

آج کل شام[۷۹]، عراق[۸۰] اور مراکش[۸۱] کے قانون کے تحت ایک

---

(۷۹) شرح قانون الاحوال الشخصیه ' سوریه ' مصطفی السباعی ' دمشق ۔
(۸۰) لا یجوز الزوج باکثرمن واحدة الا باذن القاضی و یشترط لا عطاءالاذن تحقق الشرطین التالیین :
(الف) أن تکون للزوج کفایة مالیة لا عالة اکثرمن زوجة واحدة ۔
(ب) ان تکون هذا بمصلحة مشروعة (قانون الاحوال الشخصیه ' عراق)
(۸۱) اذا خیف عدم العدل بین الزوجات لم یجز التعد (مدونة الاحوال الشخصیة ' مراکش) ۔

سے زائد نکاحوں پر پابندی عائد ہے اور ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح صرف قاضی کی اجازت پر موقوف ہے ۔ شام میں اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف ہے ۔ لیکن عراق میں اجازت دو شرطوں کی تکمیل پر دی جاتی ہے ایک یہ کہ شوہر اتنی مالی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کا خرچ اٹھا سکے اور دوسرے یہ کہ اس نکاح میں شرعی مصلحت پائی جائے ۔ قاضی کی اجازت کے بغیر (پہلی زوجہ کی موجودگی میں) دوسرا نکاح کرنے پر قید یا ۱۰۰ دینار جرمانہ کی سزا مقرر ہے ۔

البتہ تیونس[۸۲] کے قانون کے تحت تعدّد ازدواج قطعاً ممنوع ہے خلاف ورزی کی صورت میں ایک سال قید اوردو لاکھ چالیس ہزار فرانک (ساڑھے سات ہزار روپے پاکستانی) جرمانہ یا دونوں میں کوئی ایک سزا دی جا سکتی ہے ۔ نیز مراکش کے قانون کے تحت بھی تعدّد ازدواج کو اس صورت میں منع کیا گیا ہے جب کہ عدم عدل کا خوف ہو ۔

مراکش اور عراق کے قانون کے تحت عدم عدل کے خوف کی بناء پر قاضی کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نکاح ثانی کی اجازت دینے سے انکار کر دے ۔

پاکستان میں :

پاکستان میں از روئے عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء تعدّد ازدواج پر پابندی عائد کرتے ہوئے ایک عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کے لیے

(۸۲) تعدد الزوجات ممنوع و التزوج باکثر من واحدة یستوجب عقاباً بالسجن مدة عام و بخطیة قدرها . . . ۲۴ اوباحدى العقوبتین فقط (مجلة الاحوال الشخصیة تیونس)

کچھ شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ دفعہ کا متن حسب ذیل ہے :

۶- (۱) کوئی بھی شخص ، ایک نکاح کے قیام کی موجودگی میں ، ثالثی کونسل کی ماقبل تحریری اجازت کے بغیر ، دوسرا نکاح نہ کر سکے گا اور نہ ہی وہ نکاح جو ایسی اجازت کے بغیر منعقد ہوا ہو ، آرڈی نینس ہذا کے تحت درج رجسٹر کیا جائے گا۔

(۲) درخواست برائے اجازت زیر ذیلی دفعہ (۱) مقررہ فارم پر چیرمین کو مقررہ فیس کے ساتھ دی جائے گی جس میں مجوزہ نکاح کی وجوہ قلم بند ہوں گی اور یہ بھی تحریر ہوگا کہ موجودہ بیوی یا بیویوں سے اجازت لے لی گئی ہے یا نہیں۔

(۳) زیر دفعہ ذیلی (۲) درخواست موصول ہونے پر چیرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں میں سے ہر ایک کو اپنا ایک نمایندہ مقرر کرنے کا حکم دے گا۔ اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل ، اگر اس پر مطمئن ہو کہ مجوزہ نکاح ضروری اور درست ہے تو وہ ایسی شرائط کے تحت، اگر کوئی ہوں، جن کو موزوں خیال کیا گیا ہو مطلوبہ اجازت عطا کر سکتی ہے۔

(۴) درخواست کا تصفیہ کرنے کے معاملہ میں ثالثی کونسل فیصلہ کی وجوہ قلم بند کرے گی اور کوئی بھی فریق مقرر کردہ طریقہ کے مطابق مقررہ میعاد کے اندر مقررہ فیس کی ادائی پر درخواست برائے نگرانی ، مغربی پاکستان کی صورت میں متعلقہ کلکٹر کو اور مشرقی پاکستان کی صورت میں سب ڈیویژنل آفیسر کو، پیش کر سکتا ہے اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا، جس کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) ہر وہ شخص جو ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح کرے گا ، اس پر لازم ہوگا کہ :

(الف) مہر کی کل رقم ادا کرے، جو موجودہ بیوی یا بیویوں کا واجب ادا ہو، خواہ مہر معجل ہو یا موجّل اور اگر وہ مہر ادا نہ کیا جائے گا تو بطریق مالیۂ اراضی قابل وصول ہوگا۔

(ب) استغاثہ دائر کیے جانے کی صورت میں مجرم قرار دیے جانے پر قید سادہ کا مستوجب ہوگا جو ایک سال تک ہو سکتی ہے اور یا جرمانہ عائد کیا جائے گا جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں ۔

مذکورہ بالا دفعہ کے تحت مغربی و مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومتوں نے جو قواعد وضع کیے ہیں اس کے تحت ان اسباب کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کی بناء پر ثالثی کونسل تعدّد ازدواج کی اجازت دے سکتی ہے ، وہ اسباب حسب ذیل ہیں :

(۱) بانجھ پن ۔

(۲) جسمانی کمزوری ۔

(۳) تعلقات زنا شوئی کی برقراری کے لیے جسمانی ناموزونیت ۔

(۴) اعادۂ حقوق زوجیت کی ڈگری سے بالقصد گریز ۔

(۵) موجودہ زوجہ کا پاگل پن ۔

مذکور بالا قواعد کے تحت جو اسباب بیان کیے گئے ہیں وہ محض بطور تمثیل ہیں ۔ در حقیقت زوجۂ اول کی حیات میں دوسرے نکاح کی اجازت شرعی مصالح کی تابع ہونی چاہیے ۔ شرعی مصلحت کیا ہے ؟ اس کا لحاظ ہر معاملے کے حالات و واقعات پر موقوف ہوگا ۔

تجویز

پاکستان کے نافذ الوقت قانون میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی اجازت کے حصول کے لیے موجودہ زوجہ کی مرضی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے اس کو حذف کر دینا چاہیے۔ نیز دوسری شادی کے سلسلے میں ثالثی کونسل کا تقرر بھی غیر ضروری ہے۔ کیونکہ موجودہ بیوی کو فریق کی حیثیت حاصل نہیں۔ دراصل یہ معاملہ عائلی عدالت کے روبرو پیش کیا جانا چاہیے جو شرعی مصالح کے پیش نظر سرسری سماعت کے بعد اجازت دینے کی مجاز ہو، جیسا کہ قانون ھذا کی مذکورہ بالا دفعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا باب

صحیح، فاسد اور باطل نکاح

تمہید :

کتب فقہ میں جو نکاح، صحیح نکاح کی مخالف صورت میں ہو اس کو نکاح فاسد یا نکاح باطل کہا گیا ھے ۔ بد نصیبی سے فقہی کتابوں میں فاسد اور باطل کے الفاظ کا استعمال غیر محتاط طور پر کیا گیا ھے جس کی وجہ سے نکاح کے فاسد ھونے کا مسئلہ کافی الجھ گیا ھے ۔ کیوں کہ نکاح کی جن صورتوں کو فاسد کہا گیا ھے بعض جگہ ان کو باطل بھی کہا گیا ھے ۔ اس لیے ضروری ھے کہ اس مسئلہ کا دقّت نظر سے جائزہ لیا جائے ۔

فقہاء نے نکاح فاسد کی مثال میں جو صورتیں پیش کی ھیں ان میں بعض صورتوں کو باطل بھی کہا ھے البتہ بعض صورتیں ایسی بھی ھیں جن کے لیے صرف باطل ھی کا لفظ استعمال کیا گیا ھے ۔ چنانچہ کتب فقہ میں نکاح فاسد کی حسب ذیل صورتیں تصریح کے ساتھ بیان کی گئی ھیں :

(۱) بغیر گواھوں کے نکاح ۔

(۲) ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح ۔

(۳) یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح جس میں پہلا نکاح معلوم ہو تو دوسرا نکاح ۔

(۴) محرمات سے نکاح، خواہ محرمات نسبی ھوں یا ازدواجی یا رضاعی ۔

(۵) کسی مسلمان کا کسی کافرہ (غیر کتابیہ) سے نکاح ۔
(۶) کسی کافر ذمی یا حربی کا کسی مسلمہ سے نکاح ۔
(۷) کسی عورت کا مرد پر جبر کرکے مرد کی رضامندی کے بغیر نکاح ۔
(۸) معتدۂ غیر سے نکاح ۔
(۹) لاعلمی میں منکوحۂ غیر سے نکاح ۔
(۱۰) علم رکھتے ہوئے منکوحۂ غیر سے نکاح ۔
(۱۱) چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح ۔
(۱۲) اپنی زوجہ کی عدت میں اس کی ھمشیرہ سے نکاح ۔
(۱۳) مطلّقہ ثلاث سے نکاح ۔
(۱۴) دیگر محرمات بالنسب یا بالرضاع کو جمع کرکے نکاح ۔ یعنی ایسی دو قرابت دار عورتوں کا ایک مرد کے نکاح جمع ہونا جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو ان کا نکاح باہم جائز نہ ہو ۔

نکاح فاسد کی یہ صورتیں ردالمحتار و درالمختار جلد ۲ باب المہر صفحہ ۳۵۹ ، فتح المعین شرح الشرح کنزالدقائق جلد ۲ باب المہر صفحہ ۶۰ ، فتح القدیر جلد ۳ ، مصر باب العدت صفحہ ۲۷۹ ، مجمع الانہر ، مصر جلد ۱ باب المہر صفحہ ۳۵۵ اور بحرالرائق ، مصر جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ میں بیان کی گئی ہیں ۔

مذکورہ بالا نکاحوں میں حسب ذیل نکاحوں کے لیے باطل کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ھے :

(۱) یک بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح کی صورت میں اگر نہ معلوم ہو کہ دوسرا نکاح کون سا ھے تو نکاح ثانی کے لیے باطل کا لفظ استعمال کیا گیا ھے ۔ (ردالمحتار و

درالمختار جلد ۲ صفحات ۹۳ - ۳۹۲ ' مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ ' بحرالرائق جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ' فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ ' فتح المعین جلد ۲ صفحہ ۱۴) -

(۲) محرمات سے نکاح خواہ موبدّہ (دائمی) ہو یا موقتہ (عارضی) - (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۷۹) -

(۳) کافر کا کسی مسلمہ سے نکاح (ردالمحتار و درالمختار جلد ۲ باب ثبوت النسب صفحہ ۶۵۰ و جلد ۲ باب المہر صفحہ ۳۵۹) -

(۴) باوجود علم کے منکوحۂ غیر سے نکاح (فتح القدیر جلد ۳ باب العدت صفحہ ۲۷۹ ' درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار جلد ۲ باب العدت صفحہ ۶۳۱ ' فتح المعین جلد ۲ باب العدت صفحہ ۲۱۶ ' بحرالرائق جلد ۴ باب العدت صفحہ ۱۵۱) -

(۵) بیک وقت ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح کی صورت میں دونوں نکاح (ردالمحتار ' مصر ' جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ ' مجمع الانہر ' مصر ' جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ ' فتح المعین مصر ' جلد ۲ صفحہ ۱۴) -

بعض کتب فقہ میں نکاح کی حسب ذیل صورتوں کے لیے صرف باطل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے :

(۱) محرمات سے نکاح -

(۲) کافر کا مسلمہ سے نکاح -

(۳) باوجود علم منکوحۂ غیر سے نکاح - اور

(۴) عورت کی جانب سے مرد پر جبر کر کے نکاح -

نکاح فاسد اور باطل کا فرق :

دیکھنا یہ ہے کہ جس طرح فاسد اور باطل کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف معنی رکھتے ہیں کیا مذکورہ بالا دونوں میں ان دونوں الفاظ کے استعمال سے ان کے احکام یعنی اثرات و نتائج میں بھی اسی طرح فرق ہے ؟

جہاں تک نکاح فاسد اور نکاح باطل کی تعریف کا تعلق ہے ان میں بین فرق کیا گیا ہے ۔ نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاح صحیح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو ، جب کہ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہ کالعدم ہو یعنی جس کا وجود اور عدم برابر ہو ۔ اسی طرح ان ہر دو کے احکام یعنی اثرات و نتائج میں بھی فرق ہے ۔ نکاح فاسد میں جب کہ ہم بستری ہو گئی ہو مرد کے ذمہ عورت کا مہر (مسمی یا مہر مثل جو کم ہو) واجب ہوجاتا ہے نیز طلاق یا وفات کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اور ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ جائز ہوتی ہے اس کے برخلاف نکاح باطل میں نہ مہر واجب ہوتا ہے نہ عدت اور نہ ہی اولاد ثابت النسب قرار پاتی ہے ۔

شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ بیوع میں شرعاً فاسد اور باطل کا فرق معتبر ہے (اس لیے کہ ان کا تعلق اموال سے ہے اور اموال شرعاً محترم نہیں) نکاح میں اور فاسد اور باطل میں کوئی فرق نہیں (اس لیے کہ نکاح کا تعلق بضع سے ہے اور بضع شرعاً محترم ہے) لہٰذا ہر فاسد نکاح ، جو مخصوص محرمات کے ساتھ کیا گیا ہو ، باطل ہے ۔

نتیجۂ فکر :

چنانچہ مسئلہ کا دقت نظر سے جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو نکاح نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہوں وہ

باطل ہیں اور مذکورہ بالا تمام صورتوں میں نکاح باطل ہے۔ البتہ بعض دیگر صورتوں میں (جن کا ذکر آگے آئے گا) صحبت کے بعد نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ در اصل ان صورتوں میں بھی نکاح فاسد کے جو احکام مرتب ہوتے ہیں وہ نکاح کے احکام نہیں ہیں بلکہ وطی(جماع) کے احکام ہیں جو فقہاء نے صرف اس لیے مرتب کیے ہیں کہ یہ جماع صورتاً نکاح کے مشابہ ہونے کی وجہ سے زنا نہیں رہا اور شبہ فی‌المحل ، شبہ فی‌الفعل یا شبہ فی‌العقد کی وجہ سے حد زنا ساقط ہو گئی۔ اسی بناء پر فاسد نکاح میں وجوب مہر ، وجوب عدت اور ثبوت نسب کے باوجود بالاتفاق تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک ان صورتوں میں فساد ظاہر ہو جانے پر مرد کے لیے وطی کرنا حرام ہے اور عورت کو اپنے نفس پر قدرت دینا بھی حرام ہے۔ نیز عدالت پر واجب ہے کہ مرد و عورت کے درمیان تفریق کرا دی جائے کیوں کہ ان صورتوں میں عورت کا شرعاً محلّ نکاح ہونا نہیں پایا گیا۔ بالفاظ دیگر جس محلّ (عورت) پر وطی کا فعل خالص زنا کے درجے میں ہو جس کے حرام ہونے میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہ ہو ، وہ نکاح باطل ہے۔ بصورت دیگر وطی بالشّبہ کے احکام مرتب ہوں گے جس کو اصطلاحاً نکاح فاسد کہا جاتا ہے۔

تجویز

جن صورتوں میں وطی حرام ہے ان میں فعل کے حرام ہونے کی بناء پر حکومت کو تعزیر دینے کا حق حاصل ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک فعلِ حرام کے ارتکاب پر تعزیر دینی چاہیے۔ ضرورت ہے کہ ان افعال کو

جن کا تفصیلی ذکر اس باب میں کیا گیا ہے حکومت قابل تعزیر قرار دے کر تعزیرات پاکستان میں شامل کرے ۔

نکاح صحیح

۱۹ - وہ نکاح جو شرع کے عین مطابق ہو اور جملہ ارکان اور شرائط کی پابندی کے ساتھ بلا کسی شرعی مانع کے منعقد ہوا ہو ، نکاح صحیح کہلائے گا ۔

نکاح صحیح کے اثرات

۲۰ - نکاح صحیح سے زوجین کو حسب ذیل حقوق حاصل ہوں گے :

(۱) دائمی رشتہ زوجیت و حقوق حبس زوجہ (بیوی کو پابند بنانے کا حق) (الّا یہ کہ طلاق واقع ہو جائے یا کسی امر شرعی کی بناء پر تفریق واقع ہو یا کوئی فریق مر جائے) ۔

(۲) حق مقاربت جنسی ۔

(۳) حرمت مصاہرت ۔

(۴) تولید نسل و ثبوت (قیام) نسب اولاد ۔

(۵) حق مہر زوجہ ۔

(۶) حق نفقۂ زوجہ ، راحت و آسایش بقدر استطاعت ۔

(۷) حق وراثت اولاد مابین زوجین ، اور

(۸) دیگر استمتاع جس کی شرع نے اجازت دی ہو ۔

تشریح

زوجین کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں خداوند تعالیٰ اور شارع علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح اصول اور ہدایات دی ہیں ۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

"ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف"[1]

یعنی مردوں پر عورتوں کا بھی ایسا ھی حق ھے جیسا کہ اُن پر مردوں کا حق ھے موافق دستور کے۔

حقوق کو موافق دستور کہہ کر ان میں بڑی گنجائش اور وسعت پیدا کر دی گئی ھے۔ نیز الرجالُ قوّامون علی النساء کے ذریعہ عورتوں پر مرد کی برتری اور فضیلت کے اصول کو بیان کرکے زوجہ پر شوھر کی متابعت (بجز چند استثنائی صورتوں کے) واجب قرار دی گئی ھے۔ جس کی تفصیل قرآن و حدیث میں اور کتب فقہ میں موجود ھے۔[2]

نکاح فاسد

۲۱- نکاح فاسد وہ نکاح ھے جس میں نکاح صحیح کی کوئی شرط مفقود ھو۔

تشریح

بیلی[3] اور امیر علی[4] کے خیال میں اگر نکاح کے موانع شرعی یا اسباب التحریم (Causes of Prohibition) عارضی نوعیت کے ھیں یعنی کسی بھی وقت دور ھو سکتے ھیں تو نکاح فاسد ھوگا اور اگر موانع شرعی دائمی ھیں تو نکاح فی نفسہ باطل اور حرام ھے۔

لیکن قرآن و سنت میں اس قسم کی کوئی تفریق نہیں کی گئی چنانچہ اگر نکاح کے وقت متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات

(۱) پارہ ۲ سورہ نساء۔

(۲) فتاوئ قاضی خاں' مطبوعہ ھند' کتاب النکاح' باب حقوق الزوجیة' صفحہ ۲۰۳ میں کچھ حقوق مندرج ھیں۔ اور فتاوئ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ھند' کتاب النکاح کے آخر صفحہ ۱۴ میں بھی کچھ حقوق مذکور ھیں۔

(۳) ڈائجسٹ آف محمڈن لا' صفحہ ۱۵۲۔

(۴) محمڈن لا' جلد دوم پانچواں ایڈیشن' صفحہ ۲۸۰۔

پر نکاح کرنے کے سلسلے میں کوئی امر مانع شرعی (خواہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو) موجود ہو تو اس عارضی امتناع کے ختم ہونے کا محض امکان نکاح کے وقت کے اثر قانونی کو تبدیل نہیں کر سکتا ۔ اور اس امتناع کے باوجود اگر نکاح کیا جائے گا تو وہ باطل ہوگا ، البتہ اگر مرد نے عورت سے لا علمی میں وطی کر لی ہو تو وطی بالشبہ کی بناء پر مہر واجب ہوگا اور دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی ۔ اس صورت میں عورت پر استقرار حمل کے احتمال کی بناء پر عدت واجب ہوگی اور اگر اولاد ہوگی تو ثابت النسب ہوگی ۔

شیعہ مکتب فکر میں فاسد اور باطل نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ ان کے نزدیک یا تو نکاح جائز ہوگا یا ناجائز ۔

نکاح فاسد کے اثرات

۴۴۔ (الف) اگر دخول نہ ہوا ہو تو نکاح فاسد نکاح باطل کے حکم میں ہوگا اور نتیجتاً طرفین کو ایک دوسرے پر کوئی حق حاصل نہ ہوگا ۔

(ب) دخول کی صورت میں نکاح فاسد کے حسب ذیل اثرات و نتائج مرتب ہوں گے :

(۱) مہر مسمی یا مہر مثل دونوں میں جو کم ہو ۔

(۲) اثبات نسب اولاد ۔

(۳) حرمت مصاہرت ۔

(۴) نفقۂ اولاد ۔

(۵) زوجہ کا نفقہ تاوقتیکہ فساد نکاح کا علم نہ ہو ۔

(۶) وراثت اولاد ۔

(۷) عدت بصورت تفریق یا وفات شوہر ۔

(۸) عدم توارث بین الزوجین ۔

(ج) نکاح فاسد کی صورت میں فساد ظاہر ہو جانے پر

تفریق واجب ہوگی ۔ اگر زوجین خود تفریق اختیار نہ کریں تو حاکم عدالت پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کرا دے ، نیز وہ انہیں سزا دینے کا بھی مجاز ہوگا ۔

تشریح

مہر :

نکاح فاسد کی صورت میں اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور تفریق ہو جائے تو مرد پر عورت کا کچھ مہر واجب نہ ہوگا اور نہ ہی عورت پر عدت واجب ہوگی ' لیکن اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ جماع کر لیا تو عورت مذکورہ کو مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم مقدار ہو دینا ہوگا بشرطے کہ اس نکاح میں مہر طے ہو گیا ہو ۔ اگر نکاح میں مہر طے نہ ہوا ہو تو عورت مذکورہ کو مہر مثل دلایا جائے گا ' خواہ کتنا ہی ہو[5] ۔

نسب اولاد :

اولاد کا نسب اپنی ماں سے بہر صورت خواہ وطی جائز ہو یا ناجائز ثابت ہوتا ہے لیکن باپ سے صرف چار صورتوں میں ثابت ہوتا ہے (۱) نکاح صحیح کی صورت میں (۲) نکاح فاسد کی صورت میں (۳) وطی بالشبہ کی صورت میں (۴) اقرار بالنسب کی صورت میں ۔

حرمت مصاہرت :

نکاح فاسد میں اگر دخول ہو گیا ہو تو حرمت مصاہرت قایم ہو جائے گی ۔ خواہ وہ دخول حرام ہی کیوں نہ ہو اس کی

---

(۵) فتاویٰ عالمگیری ' مطبع مجیدی کانپور ' الجزء الثانی ' کتاب النکاح باب الثامن فی النکاح فاسد ' صفحہ ۳۵ ۔

بنیاد قرآن پاک کی آیت ''و ربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن، فان لم تکونوا دخلتم بہنّ فلا جناح علیکم'' ہے ۔ جس میں اللہ تعالی نے جن عورتوں سے جماع ہو چکا ہو ان کی بیٹیوں سے (جو دوسرے شوہر سے ہوں) نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے ۔ اس کی بنیاد پر یہ مشہور قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ''والعقد علی البنات یحرم الامہات والدخول بالامّہات یحرّم البنات'' جس کے تحت بیٹیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں ان کی ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے اور ماؤں کے ساتھ جماع کرنے سے ان کی بیٹیوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے ۔

نفقہ :

نکاح صحیح ہو یا فاسد باپ پر اولاد کا نفقہ بہر صورت واجب ہے البتہ نکاح فاسد میں شوہر پر زوجہ کا نفقہ فساد ظاہر نہ ہونے تک واجب ہے اس کے بعد نہیں ، کیوں کہ جب فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر مرد و عورت میں تفریق کرانے اور حرمت استمتاع کا حکم ہے تو نفقہ کا سوال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے ؟

وراثت اولاد :

چونکہ نکاح فاسد میں شبہ کی بناء پر حد زنا ساقط ہو جاتی ہے اور اولاد ثابت النسب قرار پاتی ہے اس لیے وہ اپنے والدین کی جائز وارث ہوگی اور شرع کے مطابق ترکے میں حصہ دار ہو گی ۔

عدت :

نکاح فاسد میں چونکہ صورتاً نکاح پایا جاتا ہے اس لیے عورت پر بصورت تفریق یا وفات شوہر عدت واجب ہوگی بشرطے کہ دخول ہوا ہو ۔ کیوں کہ علوق (استقرار حمل)

کا احتمال ہے ۔ اگر دخول نہیں ہوا تو عورت پر عدت واجب نہ ہوگی کیوں کہ عدت کا حکم نکاح کی بناء پر نہیں بلکہ دخول کی بناء پر ہے ۔

تفریق کی صورت میں عدت اس وقت سے شمار ہوگی جب سے قاضی نے دونوں میں تفریق کرائی ہو بشرطیکہ دخول ہو چکا ہو ۔ یہی حکم خود تفریق اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہوگا ۔

فقہاء نے نکاح فاسد میں طلاق کی بجائے متارکت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی باہم ایک دوسرے کو چھوڑ دینا ہے ۔ یہ طلاق سے مختلف چیز ہے ۔ چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک پر فسخ نکاح واجب ہوگا ۔ البتہ دخول کے بعد فریق ثانی کی موجودگی ضروری ہو گی ۔

نکاح فاسد میں وفات پر عدت واجب نہیں ہوتی الا یہ کہ دخول ہو چکا ہو ۔

توارث بین الزوجین :

تمام ائمہ کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ نکاح کے فاسد ہونے کی صورت میں زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ۔

نکاح باطل

۴۳۔ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہ کالعدم ہو ۔

نکاح باطل کے اثرات

۴۴۔ نکاح باطل باعتبار نتیجہ بالکلیہ بے اثر ہوتا ہے ۔ اس سے مابین فریقین کوئی ازدواجی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا ۔

تشریح

امام محمد نے نکاح باطل کے متعلق کہا ہے کہ وہ تصرفات شرعی کے اعتبار سے باطل ہوتا ہے یعنی اس کی بناء پر بیع باطل

کی طرح کوئی شرعی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا ۔[۶]

نکاح کے باطل یا حرام ہونے کے اسباب حسب ذیل ہیں :-

۱- قرابت -

۲- رضاعت -

۳- مصاہرت -

۴- اجتماع ، دو محرمات کا -

۵- ملک ، دو کنیزوں کی جو آپس میں بہنیں ہوں ، اُن سے جماع -

۶- شرک ، مثلاً مشرکہ یا مشرک سے نکاح -

۷- طلاق الثلاثۃ ، اپنی زوجہ کو -

۸- حق الغیر ، مثلاً منکوحہ غیر سے نکاح -

مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر باطل نکاحوں کا تفصیلی بیان آگے آئے گا -

ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں ، پھوپھیوں ، خالاؤں ، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح

۲۵- ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں ، پھوپھیوں ، خالاؤں ، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح ، خواہ وہ کتنے ہی پشت پہلے یا بعد کی ہوں ، حرام ہے -

تشریح

عرب میں ایام جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ باپ کی وفات کے بعد اس کی بیویاں بھی متروکہ شمار ہوتی تھیں اور اس کے بیٹے ان سے تعلقات زوجیت قایم کر لیتے تھے - اسلام نے اس رسم قبیح کا سختی کے ساتھ قلع قمع کیا چنانچہ آیت قرآنی ''لا تنکحو مانکح آباؤکم من النساء الا ماقد سلف'' کے ذریعہ

---

(۶) والباطل من التصرفات الشرعیہ مالا حکم لہ شرعا کالبیع الباطل (بدائع الصنائع ، کاسانی ، جلد دوم صفحہ ۲۴۷) -

ان تمام عورتوں سے جو آباؤ اجداد کے نکاح میں رہ چکی ہوں نکاح حرام قرار دے دیا ہے۔

اسی طرح ''حرمت علیکم امہاتکم و بنتکم و اخوانکم و عمٰتکم و خالاتکم و بنات‌الاخ و بنات‌الاخت''۔[8] کہہ کر خداوند تعالیٰ نے بر بنائے نسب (ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں ، پھوپھیوں ، خالاؤں ، بھتیجیوں ، بھانجیوں) آباؤ اجداد اور اولاد اور دوسرے سلسلہ کے حقیقی رشتہ داروں مثلاً بھائی بہن اور ان کی اولاد سے نیز چچا ، ماموں ، پھوپھی اور خالہ سے خواہ کسی بالائی یا زیریں درجہ (Degree) کی ہوں نکاح مطلقاً حرام قرار دے دیا ہے۔[9]

رضاعی ماؤں بہنوں سے نکاح

۲۶۔ رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

تشریح

شرع اسلام میں قرابت نسبی کے ساتھ ھی قرابت رضاعی کی بناء پر بھی نکاح حرام ہے۔ چنانچہ آیت قرآنی '' حرمت علیکم .... وامہاتکم التی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعـة '' کے تحت رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح کی قطعی ممانعت کی گئی ہے۔[10]

---

(۷) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۲ -
درمختار بر حاشیہ ردالمحتار باب المحرمات ،طبوعہ مصر ، ص ۲۸۴ -
فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ مصر -

(۸) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۳ -
درمختار بر حاشیہ رد المحتارباب المحرمات ، مصر ،صفحہ ۲۸۴
فتح القدیر ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ -

(۹) کنزالدقائق مطبع مجتبائی دھلی صفحہ ۹۷ -
قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۳۷ ،
فتاویٰ عالمگیری عربی جلد ثانی کتاب النکاح صفحہ ۴ - درمختار بر حاشیہ ردالمحتار باب المحرمات مصر ، صفحہ ۲۸۵ -
فتح القدیر ، مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ -
بحرالرائق جلد صفحہ ۱۰۰-۹۹ -

(۱۰) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۳ -

عام اصول یہ ہے کہ وہ عورتیں جو بر بنائے قرابت نسب حرام ہوتی ہیں رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔[11]

دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی عورت کے خاندان کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کی اپنی اولاد کے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ ایسے جملہ بچے جنھوں نے ایک انّا کا دودھ پیا ہو باہمی رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں اور ان میں باہم نکاح حرام ہوجاتا ہے۔ لیکن رضاعت کے سبب حسب ذیل عورتوں سے نکاح حرام نہیں ہے :

(۱) حقیقی بہن کی رضاعی ماں سے۔

(۲) رضاعی بہن کی حقیقی ماں سے۔

اس ماں کی تین صورتیں ہیں :

(الف) لڑکے کی حقیقی بہن کی رضاعی ماں جس کا دودھ لڑکے نے نہ پیا ہو۔

(ب) لڑکے کی رضاعی بہن کی نسبتی ماں جس نے لڑکے کو دودھ نہ پلایا ہو۔

(ج) لڑکے کی رضاعی بہن کی دوسری رضاعی ماں۔

(۳) رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے۔

(۴) رضاعی بیٹے کی حقیقی بہن سے۔

چنانچہ سنیوں کے نزدیک لڑکے کا باپ اس کی انّا کی ماں یا بیٹی کے ساتھ عقد کر سکتی ہے جس کو اس نے دودھ پلایا ہو

---

(۱۱) وھوقولہ علیہ السلام یحرم من الرضاع کما یحرم من النسب۔
درمختار برحاشیہ رد المحتار باب المحرمات ، مصر ، جلد ، صفحہ ۲۸۳
فتح القدیر ، مصر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷۔
بحرالرائق ، جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۳۔

نیز چچا اور چچی کی آنا سے بھی نکاح جائز ہے۔[12]

شرائط رضاعت:

حنفیوں کے نزدیک ایک دفعہ دودھ پینا رضاعت کے رشتہ کو قائم کر دیتا ہے اور اپنے اثر کے لحاظ سے مانع نکاح ہے۔[13] البتہ شافعیوں کے نزدیک کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پینا شرط ہے۔[14] لیکن شیعوں کے نزدیک رضاعت صرف اس صورت میں نکاح کے لیے مانع شرعی ہو سکتی ہے جب کہ لڑکے نے پندرہ مرتبہ یا کم از کم ایک دن اور ایک رات دودھ پیا ہو۔[15] لیکن رضاعت کی حرمت عارض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دودھ پلائے جانے کے وقت بچہ یا بچی کی عمر صاحبین کے نزدیک ۲ سال تک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ڈھائی سال تک ہونی چاہیے۔[16] (اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ قول صاحبین کا ہے اور اسی پر عمل کیا جانا چاہیے)۔ اگر اس سے

•(۱۲) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام، صفحہ ۷۲۔
البحر الرائق، جلد ۳، صفحہ ۲۲۳۔ در مختار بر حاشیہ ردالمحتار، جلد ۲، صفحہ ۳۱۶۔
فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحات ۱۰-۸۔ مجمع الانہر، جلد ۱، صفحات ۳۷۵-۷۶۔

(۱۳) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۵۵۔
مجمع الانہر، جلد ۱، مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۷۵۔
ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۱۵۔
فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۔

(۱۴) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۵۵۔
مجمع الانہر، مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۷۵۔
ردالمحتار، مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۱۵
فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۔

(۱۵) شرائع الاسلام مطبوعہ طہران، ایران، صفحہ ۱۷۶۔

(۱۶) فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۵۔
ردالمحتار و در مختار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۱۳۔

زائد عمر کے بچے کو دودھ پلایا گیا تو حرمت قائم نہ ہوگی ۔[۱۷]
اس کی علّت یہ ہے کہ طبعی نظام میں بچہ کی جسمانی نشو و نما کے لیے دو سال تک کی عمر میں دودھ کا وہی درجہ ہوتا ہے جو ہمارے لیے دوسری اغذیہ کا ہے ۔ دو سال کی عمر کے بعد دودھ کا پینا یا پلایا جانا بطور تفکّہ ہو سکتا ہے بطور تغذیہ نہیں ۔

رضاعت کی دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کی عمر نو سال یا اس سے زائد ہو تو حرمت رضاعت قائم ہوگی چنانچہ اگر کسی لڑکی کی عمر ۹ سال سے کم ہے اور اُسے دودھ اُتر آیا تو اُس کے پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی ۔[۱۸]

اس کی علّت یہ ہے کہ کوئی لڑکی نو سال کی عمر سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی اگر نو سال سے پہلے دودھ اُتر آئے تو وہ دراصل دودھ نہ ہوگا بلکہ طبی اصطلاح میں ایک رطوبت ہے جو بعض جسمانی اسباب و عوارض کی بناء پر جمع ہو جاتی ہے اور خارج ہونے لگتی ہے ۔ بعض اوقات یہ رطوبت مرد میں بھی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر مرد کے جسم سے رطوبت دودھ کی شکل میں خارج ہو اور پی جائے تو حرمت رضاعت قائم نہ ہوگی ۔

اس کی دوسری علّت یہ ہے کہ لڑکی کی شرعی بلوغ کی عمر کم از کم نو سال ہے اور وہ نو سال سے پہلے شرعاً غیر مکلّف ہے ۔ اور چونکہ رضاعت سے حرمت کا ثابت ہونا ایک تکلیف شرعی ہے جو صرف مکلّف ہی پر ثابت ہو سکتی ہے اس لیے نو سال سے کم

---

(۱۷) قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۵۵ ۔
فتح القدیر ، مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۵ ۔
رد المحتار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۱۳ ۔
(۱۸) فتح القدیر ، مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵ ۔
ردالمحتار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۱۹ ۔

عمر کی لڑکی چونکہ غیر مکلّف ہے اس لیے اس کے دودھ اتر آنے اور دودھ پلائے جانے کی صورت میں حرمت رضاعت قائم نہ ہوگی ۔

عام طور پر رضاعت چھاتی سے دودھ چوسنے سے ثابت ہوتی ہے لیکن اگر دودھ چھاتی سے نکال کر منہ میں ڈال دیا جائے تب بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی ۔[۱۹]

اگر عورت کا دودھ گائے ' بھینس یا بکری کے دودھ میں ملا دیا ' اگر عورت کے دودھ کا حصہ غالب ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں[۲۰] ۔ لیکن اگر عورت کے دودھ کو کسی شے کے ساتھ ملا کر پکایا جس سے کہ پختہ ہو کر متغیر ہو گیا اور وہ بچہ نے کھایا تو اسے کھانے سے حرمت رضاعت متعلق نہ ہوگی کیونکہ وہ رضاعت (دودھ پلائی) نہیں ہے ۔[۲۱]

رضاعت کا اثر:

اگر بلا علم ایسے مرد و عورت آپس میں نکاح کر لیں جن کا نکاح بسبب رضاعت حرام ہو تو جب اس کا علم ہو جائے گا تو ان پر تفریق واجب ہوگی ۔ اگر وہ بذات خود تفریق اختیار نہ کریں تو قاضی پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کرائے ۔ کیونکہ فساد عقد ظاہر ہو جانے پر وہ اپنی سابقہ حالت پر قائم نہیں رہ سکتے ۔ اگر وہ قبل دخول تفریق اختیار کر لیں تو زوجہ کو

---

(۱۹) فتاویٰ قاضی خان ' مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند ' صفحہ ' ۱۹۱
ردالمحتار و درمختار ' مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۱۳ ۔
فتح القدیر ' مصر ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۱ ۔

(۲۰) فتاویٰ قاضی خان ' مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند ' صفحہ ۱۹۱
رد المحتار ' مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۲۰ ۔
فتح القدیر ' مصر ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۲ ۔

(۲۱) بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مصر ' کتاب الرضاعت '
ردالمحتار ' مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۲۰ ۔
فتح القدیر ' مصر ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۲ ۔

کچھ نہ ملے گا لیکن اگر دخول کے بعد تفریق ہو تو زوجہ کو مہر مثل ملے گا۔ اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مہر مقرر ہو گیا تو مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہو ملے گا۔ چونکہ نکاح فاسد تھا اس لیے مرد پر عدت کا نفقہ واجب نہ ہوگا[۲۲]۔

ساس سے نکاح

۲۷۔ کسی مرد کا اپنی ساس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

تشریح

آیت قرآنی ''حرمت علیکم . . . وامہات نسائکم'' (یعنی حرام کی گئیں تم پر . . . تمھاری بیویوں کی مائیں) کے تحت بیوی کی ماں یا نانی سے خواہ وہ کتنے ہی اونچے درجے (Degree) کی ہوں نکاح حرام ہے[۲۳]۔

مسئلہ کی بنیاد :

مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے اصول سے بوجہ ازدواج نکاح حرام ہو جاتا ہے چنانچہ بیوی کی ماں ، نانی ، دادی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی اور کتنے ہی اونچے درجے کی ہوں اس مرد پر حرام ہیں۔ اسی طرح بیوی کے لیے شوہر کے آباؤ اجداد سے نکاح حرام ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ زوجہ کی اولاد سے نکاح کرنے کے سلسلے میں صحبت کی قید لگائی گئی ہے یعنی یہ کہ عورت سے صحبت ہو چکی ہو۔ چنانچہ اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کی اولاد سے نکاح جائز ہوگا ، لیکن زوجہ کی ماں ،

---

(۲۲) الاحکام الشریعۃ الاسلامیہ فی الاحوال الشخصیہ ، مصر ، عمر عبداللہ صفحہ ۱۵۹ -

(۲۳) پارہ ۴ سورۃ نساء رکوع ۴ آیت ۱ - قدوری ، قرآن محل کراچی کتاب النکاح صفحہ ۱۳۷ -
کنزالدقائق ، مطبع مجتبائی دہلی ، کتاب النکاح ، صفحہ ۹۸ -

نانی و دادی وغیرہ سے نکاح کی ممانعت غیر مشروط اور مطلق ہے۔ نکاح کے بعد زوجہ سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو حرمت مصاہرت قائم ہو جائے گی اور اس کی ماں وغیرہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ رشتۂ ازدواج قائم نہ بھی رہے تب بھی حرمت باقی رہتی ہے[۲۴]۔

یہی صورت زوجہ کے لیے شوہر کے باپ دادا وغیرہ سے نکاح کرنے کے سلسلے میں ہے۔

سوتیلی بیٹیوں سے نکاح

۲۸- کسی مرد کا اپنی سوتیلی بیٹی سے، جو اس کی مدخولہ بیوی کے بطن سے ہو، نکاح حرام ہے۔

تشریح

آیت قرآنی "حرمت علیکم . . . وربائبکم التی فی حجورکم من النساء کم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم" (تم پر حرام کی گئیں . . . وہ بیٹیاں جو ان عورتوں کے بطن سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے صحبت نہیں کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں) کے تحت ان سوتیلی بیٹیوں سے نکاح حرام ہے جو ان بیویوں کے بطن سے ہوں جن سے صحبت ہو چکی ہو[۲۵]۔

چنانچہ اگر زوجہ سے صحبت نہ ہوئی ہو اور بلا صحبتؔ طلاق

---

(۲۴) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور۔ کتاب النکاح باب ۳
درمختار و ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۸۶۔
فتح القدیر، مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۵۸۔
مجمع الانہر مصر، جلد ۱ صفحہ ۳۲۳۔
موطا، امام مالک، نور محمد کراچی، باب مالا یجوزمن نکاح الرجل ام المرأۃ۔ صفحات ۴۳ - ۴۴۲۔
(۲۵) پارہ ۴ سورہ نساء رکوع ۴ آیت ۱۔

ہو جانے تو سوتیلی بیٹی سے نکاح کی ممانعت نہیں ہے[۲۶]۔

اس ضمن میں محض خلوت صحیحہ دخول کے مترادف نہیں ہے[۲۷]۔

مسئلہ کی بنیاد :

دراصل اصول یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے فروع سے بوجہ ازدواج نکاح حرام ہو جاتا ہے چنانچہ بیوی کی بیٹی یا بیوی کے بیٹے کی بیٹی خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہو یا بیوی کے نواسے یا پوتے کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شوہر کی اولاد سے خواہ وہ سگی ہو یا سوتیلی اور کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو نکاح حرام ہو جاتا ہے بشرطے کہ عورت سے صحبت ہو چکی ہو اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو حرمت مصاہرت قائم نہ ہوگی۔

حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح

۲۹- کسی مرد کا اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

تشریح

آیت قرآنی ”حرمت علیکم . . . و حلائل ابناءکم الذین من اصلابکم“ کے تحت بیٹے ، پوتے یا نواسہ کی بیویوں سے خواہ وہ کتنے ہی زیریں پشت کے ہوں نکاح حرام ہے[۲۸]۔ خواہ بیٹے نے اپنی زوجہ سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اگر بیٹا متبنیٰ ہو تو اس کی زوجہ سے (بعد طلاق یا وفات شوہر) نکاح حرام نہیں ہے[۲۹]۔

---

(۲۶) قدوری ، قرآن محل ، صفحہ ۹۸ -
کنز الدقائق ، مطبع مجتبائی دہلی ، صفحہ ۹۸ -
(۲۷) ذخیرہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی کتاب النکاح باب ۳ صفحہ ۴ -
(۲۸) پارہ ۴ سورۃ النساء ۴ آیت ۲۳
قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۹۸ -
(۲۹) فتاویٰ عالمگیری عربی مطبع مجیدی کان پور ، جلد ثانی ، کتاب النکاح ، باب ۳ ، صفحہ ۴- درمختار و ردالمحتار ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۸۶ -
فتح القدیر ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۸-۶۰ -
مجمع الانہر ، مصر ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۲۳-۲۴ -

اجتماع خواہران

۳۰ - ایسا نکاح جو ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے کیا جائے حرام ہے۔ البتہ بیوی کے مر جانے یا اسے طلاق دے دینے اور عدّت گزر جانے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا۔

استثناء: اگر مرد نے لا علمی کی حالت میں ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کیا اور شبہ کی بناء پر صحبت کر لی تو نکاح ثانی پر فاسد نکاح کے احکام مرتب ہوں گے لیکن ان پر فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی، اگر خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور ان کو سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

بیک وقت دو سگی بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی قرآن پاک میں ممانعت آئی ہے چنانچہ ”حرمت علیکم . . . . ان تجمعوابین الاختین“ ”دو بہنوں کو (ایک مرد کے نکاح میں) جمع کرنا تم پر حرام کیا گیا“ کے صریح حکم کے پیش نظر ایک بہن کے نکاح میں ہونے کی صورت میں اس کی دوسری بہن (یعنی سالی) سے نکاح حرام ہے۔[۳۰]

فقہاء کی رائیں:

دو سگی بہنوں کے بحیثیت زوجہ اجتماع کے سلسلے میں امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ”ان تجمعوابین الاختین“ سے در اصل اپنے سیاق و سباق کے سبب ”حرمت علیکم الجمع بین

(۳۰) المبسوط، السرخسی، مصر، صفحات ۱۹۵-۹٦۔

الاختین" مراد ہے۔[۳۱] یہی بات الکاسانی مصنف بدائع الصنائع نے بھی لکھی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دو سگی بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے ، کیونکہ اللہ تعالی کے قول کے مطابق "ان تجمعوابین الاختین" اللہ تعالی کے قول "حرمت علیکم ... امہاتکم" پر معطوف ہے اور اس کا سبب قطع رحمی ہے۔[۳۲]

چنانچہ اگر ایک ساتھ نکاح کیا جائے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے اور اگر یکے بعد دیگرے کیا جائے تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔[۳۳] اور اگر دو بہنوں کو علیحدہ علیحدہ نکاح میں لائے اور یہ معلوم نہ ہو یا یاد نہ رہے کہ پہلے کس کے ساتھ نکاح کیا ہے تو ان میں (یعنی مرد اور دونوں عورتوں میں) تفریق کرا دی جائے گی۔[۳۴] البتہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی کتاب نکاح میں شمس الائمہ امام سرخسی کی کتاب "محیط" کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا جائے تو دوسرا نکاح فاسد ہوگا۔ لیکن امام سرخسی اپنی دوسری تصنیف المبسوط میں "فانہ محرم بالنص الجمع بین الاختین" کہہ کر اجتماع خواہرین کو حرام قرار دیتے ہیں۔

---

(۳۱) جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔

(۳۲) منقول لاخلاف فی آن الجمع بین الاختین فی النکاح حرام بقولہ تعالی و آن تجموا بین الاختین معطو فاعلی قولہ عزوجل حرمت علیکم امہاتکم ولان الجمع بینہما یفضی الی قطیعۃ الرحم (جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)۔

(۳۳) فتاویٰ قاضی خان ، مطبوعہ مصطفائی ، ہند ، صفحہ ۱۶۸ - رد المحتار مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ -
مجمع الانہر ، مصر ، (۱۳۲۷ھ) جلد ۱ صفحہ ۳۲۵-

(۳۴) ولوتزوج اختین فی عقدین ولم یدرالاول فرق بینہ و بینہما (کنز الدقائق صفحہ ۹۸)۔
رد المحتار و در مختار ، مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ - مجمع الانہر ، مصر ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۵-

فتح القدیر میں جو در اصل ہدایہ کی شرح ہے اور جس کا پایہ کتب فقہ میں بہت بلند ہے لکھا ہے کہ نکاح باطل کے لیے بعض فقہاء نے فاسد کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے چنانچہ بیع کے برعکس نکاح کے معاملہ میں باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے۔[۳۵] مثال کے طور پر فتاوئ قاضی خاں مطبوعہ مصطفائی ، ہند ، صفحہ ۱٦۸ کی اس عبارت ''واذا تزوج الحرخمساعلی التعاقب جاز النکاح الاربع الاول ولا یجوز نکاح الخامسة وان تزوج خمساً فی عقدة فسد نکاح الکل'' میں ''فسد'' باطل کے معنی میں ہے ۔

اسلامی قانون کے حالیہ مؤلفین نے اس مسئلہ میں مختلف رایوں کا اظہار کیا ہے چنانچہ نواب سر عبدالرحمٰن نے دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں ہونے کی صورت میں صراحتاً کہا ہے کہ اگر دونوں نکاح ایک ہی معاہدہ نکاح کے ذریعہ عمل میں آئے ہوں تو دونوں نکاح باطل ہوں گے ۔ اور اگر دو سگی بہنیں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئی ہوں تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔[۳٦]

سر عبدالرحیم دو سگی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی صورت میں نکاح ثانی کو فاسد قرار دینے کے حق میں نظر آتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''جو نکاح مستقل محارم کے ساتھ کیا جائے وہ باطل ہے مثلاً اپنی حقیقی بہن یا بھتیجی وغیرہ کے ساتھ اور ایسی عورتوں سے نکاح جو عارضی طور پر ممنوع ہو مثلاً بحالت عدت یا بغیر دو گواہوں کی موجودگی کے'' فاسد ہے ۔[۳۷]

---

(۳۵) فتح القدیر ، مصر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲ ۔
(۳٦) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا ۸۱-۸۰ ۔
(۳۷) اصول فقہ اسلام حیدرآباد دکن ، ۱۹۲۹ء صفحہ ۲٦۵ ۔

سکسینہ نے بھی ایسے نکاح کو فاسد لکھا ہے[۳۸]

جسٹس امیر علی نے بھی ایسے نکاح کو فاسد قرار دیا ہے ۔[۳۹] ان کی دلیل یہ ہے کہ ''پہلا نکاح کسی بھی وقت فسخ کیا جاسکتا ہے اور اس طرح دوسرا نکاح خود بخود صحیح ہو جائے گا''

ملّا اور طیب جی نے بھی ایسے نکاح کو فاسد لکھا ہے ۔

عدالتی نظائر :

شارحین و مؤلفین کے اس نقطۂ نظر کا اثر عدالتی فیصلوں پر بھی پڑنا لازمی و لابدی تھا چنانچہ ہند و پاکستان کی عدالتوں کے فیصلوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عدالتوں میں اس باب میں دو مختلف رائیں موجود رہی ہیں ۔ ایک یہ کہ ایسا نکاح باطل ہے اور اولاد نا جائز اور وراثت کی حقدار نہیں ہو سکتی اور دوسری رائے یہ کہ ایسا نکاح فاسد ہے ۔ اولاد جائز اور وراثت کی مستحق اور زوجہ بعد زفاف (مجامعت) مہر (مقررہ یا مثل جو کم ہو) کی حقدار ہوگی ۔

چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلا مقدمہ شریف النساء بنام خضر النساء ہے[۴۰] جس میں دوسری بہن کے نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے ۔ دوسرا مقدمہ عزیز النساء بنام کریم النساء ہے[۴۱] جس میں ایسے نکاح کو باطل اور کالعدم قرار دیا گیا ۔ لیکن بمبئی ھائی کورٹ نے اپنے فیصلے بمقدمہ تاج بی بنام مولا خاں[۴۲] کلکتہ ھائی کورٹ کے

---

(۳۸) دی مسلم لا صفحہ ۲۱۹ ۔
(۳۹) محمڈن لا پانچواں ایڈیشن صفحہ ۲۸۰ ۔
(۴۰) ۳۔ صدر دیوانی عدالت منتخب رپورٹس ۲۱۰ ۔
(۴۱) (۱۸۹۵) آئی ایل آر ۲۳ کلکتہ ۱۳۰ ۔
(۴۲) (۱۹۰۴) آئی ایل آر ۴۱ بمبئی ۴۸۵ ۔

مندرجہ بالا فیصلہ سے اختلاف کیا اور دوسرے نکاح کو محض فاسد قرار دیتے ہوئے اولاد کو صحیح النسب اور جائداد کا وارث قرار دے دیا ۔ اس کے بعد مدراس اور لاہور کی ہائی کورٹوں اور اودھ چیف کورٹ نے اس قسم کے مقدمات میں بمبئی ہائی کورٹ کی نظیر کا اتباع کیا[۴۳]

اگر ان نظائر کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ کلکتہ ہائی کورٹ نے آیت قرآنی ”حرمت علیکم . . . ان تجمعوا بین الاختین“[۴۴] اور اولین تالیفات کو اہمیت دی جب کہ بمبئی ہائی کورٹ نے فتاویٰ عالمگیری میں محیط مؤلفہ سرخسی[۴۵] کے حوالے اور بیلی و جسٹس امیر علی کی تحریروں کو درخور اعتناء سمجھا ۔

شارحین و مؤلفین میں دوسری بہن کے نکاح کو باطل یا فاسد سمجھنے کا اصل سبب یہ ہے کہ نکاح کے جواز یا عدم جواز پر غور کرتے ہوئے زنا ، حد ، مہر ، عدت ، نفقہ اور نسب اولاد کے مسائل

---

(۴۳) عطا محمد بنام صیقل بی بی ۔ انڈین کیسیز ۸۲۰
تالی محمد بنام محمد دین آئی ایل آر ۱۲ لاہور ۵۲
مسماۃ کنیزا بنام حسن احمد خان اے آئی آر ۱۹۲۶ء اودھ ۲۳۰ ۔
(۴۴) پارہ ۴ سورۃ النساء رکوع ۴ آیت ۱ ۔
(۴۵) اگر دونوں (بہنوں) کے ساتھ دو عقدوں میں نکاح کیا تو بعد والی کا نکاح فاسد ہوگا اور مرد مذکور کو اس کا چھوڑنا واجب ہوگا اور اگر قاضی کو معلوم ہو گیا تو دونوں میں تفریق کرا دے گا پس اگر مرد مذکور نے اس کو قبل دخول کے چھوڑا تو کوئی حکم ثابت نہ ہوگا اور اگر بعد دخول کے چھوڑا تو اس کو مہر مسمی اور مہر مثل میں سے کم مقدار ملے گی اور عورت مذکورہ پر عدت واجب ہوگی اگر حمل ۔ گیا تو بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور مرد مذکور اپنی زوجہ سے جدا رہے گا یہاں تک کہ اس کی زوجہ کی بہن کی عدت گزر جائے ۔ (محیط بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی صفحہ ۱۳۶ ، اردو ترجمہ) ۔

کا بھی ساتھ ساتھ جائزہ لیا گیا جس کی بناء پر اصل مسئلہ ، کہ نکاح باطل ہے یا فاسد ، الجھ کر رہ گیا ۔ بلا شبہ یہ مسائل بڑی حد تک ایک دوسرے سے مربوط ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصل مسئلہ یعنی نکاح کے جواز یا عدم جواز کو ثانوی حیثیت دی جائے اور اس کی جداگانہ اور منفرد حیثیت کو نظر انداز کر دیا جائے۔

قانون اسلام کے اکثر شارحین و مؤلفین نے حرمت نکاح (Prohibition of Marriages) پر جو بحث کی ہے وہ نوعیت حرمت کے بجائے ان اسباب کے لحاظ سے کی ہے جن کی بناء پر حرمت لازم آتی ہے چنانچہ اکثر شارحین و مؤلفین کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ نسب (affinity) رضاعت (fosterage) اور ازدواج (marriage) کے مستقل اسباب امتناع کی بناء پر نکاح باطل ہوتا ہے اور دیگر اسباب امتناع چونکہ عارضی ہیں اور کسی بھی وقت دور ہو سکتے ہیں اس لیے دو بہنوں کا اجتماع چار عورتوں سے زائد کو بیک وقت نکاح میں رکھنا ، مشرکہ عورت سے نکاح ، معتدۂ غیر یا منکوحۂ غیر سے نکاح محض فاسد ہے ، باطل نہیں ۔[۳۶]

تجزیہ :

نکاح کے شرعی موانع کئی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور اسباب کی نوعیت کے لحاظ سے ان موانع کی نوعیت و حیثیت متعین ہوتی ہے چنانچہ اگر سبب مستقل اور دائمی ہے تو امتناع نکاح ہمیشہ کے لیے ہوگا اور اگر سبب عارضی ہے تو امتناع نکاح بھی عارضی ہوگا لیکن جہاں تک نکاح کے موانع شرعی کا تعلق ہے اس کے فوری قانونی اثر کے لحاظ سے مستقل اور

(۳۶) محمڈن لا ، سید امیر علی ، پانچواں ایڈیشن ، باب ۷ صفحہ ۳۳۱ -

غیر مستقل ، دائمی اور عارضی میں کوئی فرق نہیں چنانچہ پہلے سبب امتناع دور ہونا چاہیے اس کے بعد ہی نکاح صحیح ہو سکتا ہے ۔ محض اس توقع یا امکان کے پیش نظر کہ وہ امتناع نکاح کے بعد کسی بھی وقت دور ہو سکتا ہے (مثال کے طور پر دو سگی بہنوں کے بیک وقت نکاح میں ہونے کی صورت میں ایک کو طلاق دے کر یا ایک کی وفات پر) اس لیے ایسے نکاح کو باطل کے بجائے فاسد قرار دینا قرآن پاک کے کھلے اور واضح حکم کی علانیہ خلاف ورزی ہے ۔

مزید برآں قرآن پاک کی جس آیت میں نسبی رضاعی اور ازدواجی موانع بیان کئے گئے ہیں اسی آیت میں دو سگی بہنوں کے اجتماع سے بھی منع کیا گیا ہے اور دو سگی بہنوں کے اجتماع کو ازدواجی سبب کی بناء پر منع کیا گیا ہے ۔ چنانچہ نکاح سے پہلے وہ ازدواجی سبب دور ہونا چاہیے (یعنی یا تو پہلی بہن کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے یا وہ فوت ہو جائے) اس کے بعد ہی دوسری سگی بہن سے نکاح حلال ہو سکتا ہے ورنہ دوسرا نکاح حرام اور باطل ہو گا ۔[۴۷] البتہ اگر مرد نے بربنائے شبہ اس دوسری بہن کے ساتھ صحبت کر لی تو مرد پر اس کا مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی اگر اولاد پیدا ہو تو وہ ثابت‌النسب ہوگی لیکن ان میں تفریق کرانی واجب ہوگی اور تاوقتیکہ اس دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے مرد کے لیے پہلی بہن سے صحبت کرنا جائز نہ ہوگا ۔[۴۸] یہ حکم صرف وطی بالشبہ کی بناء پر ہوگا ورنہ نہیں ۔ کیونکہ عورت

---

(۴۷) وتحریم الجمع بین الاختین ومن فی معناہما (سراج الوہاج بحوالہ فتاوئی علمگیری ثانی صفحہ ۲) ۔

(۴۸) بدائع الصنائع ' الکاسانی ' مصر ' جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ ۔

فی نفسہ محل نکاح ہے جس کی بناء پر شبہ واقع ہو سکتا ہے۔

شرع اسلام میں نہ صرف دو بہنوں کے اجتماع کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ حنفیوں کے نزدیک ایک بہن کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کے دوران اس کی دوسری بہن سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔ خواہ رجعی طلاق کی عدت میں ہو یا بائن کی۔ البتہ شافعیوں کے نزدیک بائن طلاق کے بعد عدت کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر دوسری بہن سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔[۴۹]

ایسی دو قرابت دار عورتوں کا نکاح میں اجتماع جن کا باہم نکاح حرام ہو

۱۳۱۔ ایسی دو قرابت دار عورتوں سے ایک وقت یا یکے بعد دیگرے (جب کہ ایک عورت نکاح میں پہلے سے ہو) نکاح جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان میں نکاح حرام ہو ناجائز ہے۔

تشریح

شرعی اصطلاح میں ایسی دو عورتوں سے نکاح کو جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہوں کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو تو ایسا نکاح حرام ہو ، ''ناجائز اجتماع'' (Unlawful Conjunction) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پھوپی ، بھتیجی ، خالہ ، بھانجی ، کو ایک مرد کا اپنے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔[۵۰]

---

(۴۹) فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی عربی صفحہ ۷ (اردو ۱۰۹) ہدایہ (انگریزی) صفحہ ۳۰
تنویری قرآن محل کراچی صفحہ ۱۳۸۔
''و حرم تتزوج اخت معتدہ۔'' کنزالدقایق مطبع مجتبائی دہلی ، صفحہ ۹۸۔

(۵۰) بین امرأتین اية فرضت ذکراً حرم النکاح (کنزالدقایق ، ۹۸)۔
مجمع الانہر ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۲۵۔
ردالمحتار در المختار ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۲-۳۹۱۔

احادیث نبوی :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''عورت اور اس کی پھوپی اور عورت اور اس کی خالہ کو کوئی مرد نہ جمع کرے''۔[۵۱]

امام مالک نے بھی اسی خیال کی تائید فرمائی ہے اور اپنی موطا میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ ''ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھوپی اور بھتیجی اور خالہ بھانجی میں جمع نہ کرے۔'' اس کے علاوہ سعید بن المسیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ''منع ہے (نکاح) بھتیجی سے پھوپی کے اوپر اور بھانجی سے خالہ کے اوپر'' ۔[۵۲]

ان احادیث کی روشنی میں جو اصول مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک جانب سے ہم ایک کو مرد فرض کر لیں تو دونوں میں نسب یا رضاعت کے سبب نکاح جائز نہ ہو تو ان کا ایک

---

(۵۱) اخبرنا مالک حدثنا ابو الزناد عن عبدالرحمن الاعوج عن ابی ہریرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجمع الرجل بین المرأة و عمتها ولا بین المرأة و خالتها ۔
اخبرنا مالک اخبرنا یحیی بن سعید انہ سمع سعید بن المسیب ینهی ان ینکح المرأة علی عمتها او علی خالتها (موطا امام محمد ' اردو' قرآن محل کراچی' ص ۲۳۰) ۔
لا یجوز الجمع بین امرأتین لو فرضت کل منهما ذکراً حرمت علیه الاخری' (مادہ ۳۹ ' شرح قانون الاحوال الشخصیه' مصطفیٰ السباعی' دمشق ' صفحہ ۱۱۳) ۔

(۵۲) عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة و خالتها (موطا امام مالک کارخانہ تجارت کتب کراچی' صفحہ ۳۳۴) ۔
عن سعید بن المسیب انہ کان یقول ینهی ان ینکح المرأة علی عمتها او علی خالتها و ان یطاء الرجل ولیدة و فی بطنها جنین لغیره (موطا امام مالک ' کارخانہ تجارت کتب' کراچی' صفحہ ۳۳۴) ۔

مرد کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے ۔[۵۳]

استثنا :

البتہ اس سلسلے میں صرف ایک استثنا ہے وہ یہ کہ ایک عورت اور اس کے سابق شوہر کی (پہلی بیوی کے بطن سے پیدا شدہ) بیٹی سے نکاح جائز ہوگا ۔[۵۴] اس لیے کہ اگر اس عورت کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ بیٹی اس کے لیے اجنبی ہو گی اور ان کے درمیان نکاح جائز ہوگا ۔

نتیجہ :

اگر ایسی دونوں قرابت دار عورتوں سے ایک ہی ساتھ نکاح کیا جائے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے اور اگر یکے بعد دیگرے کیے جائیں تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا ۔

صحیح شرعی حکم :

اسلامی قانون کے حالیہ مؤلفین نے ایسی دو عورتوں کے اجتماع کی صورت میں دوسرے نکاح کو فاسد لکھا ہے ۔

لیکن محولہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں ایسا نکاح ممنوع ہونے کے سبب باطل قرار دیا جانا چاہیے بشرطیکہ مرد کو اس قربت اور حرمت کا علم ہو ، اگر باوجود علم نکاح کیا گیا تو نکاح باطل ہوگا اور صاحبین کے نقطۂ نظر کے بموجب مرد پر حد جاری ہو جائی گی ۔[۵۵] البتہ عدم علم کے سبب دخول

---

(۵۳) محیط بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثانی ، صفحہ ۷ ۔

(۵۴) ولا باس بان یجمع امرأۃ و ابنۃ زوج کان لہا من قبل ۔ (قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۴۸) ۔
(ردالمحتار ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۲) ۔
(مجمع الانہر ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۶) ۔

(۵۵) فتح القدیر ، جلد ۳ ، کتاب الحدود ۔

کے بعد ایسے نکاح پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔

مشرکہ سے نکاح

۳۳۔ کسی مسلمان مرد کا ایک مشرکہ یا بت پرست عورت سے نکاح حرام ہے:

مگر شرط یہ ہے کہ وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔ فساد ظاہر ہو جانے پر ان میں تفریق کرنا واجب ہوگا۔ اگر فساد ظاہر ہو جانے پر وہ خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں ''لا تنکحوا المشرکات حتی یومن'' (نہ کرو نکاح مشرک عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں) کہہ کر مسلمان مردوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی ہے[۵۶]۔

تمام کتب فقہ حنفیہ میں مجوسی اور بت پرست عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز لکھا ہے اسی طرح ستارہ پرست عورتوں سے جو آسمانی کتاب کا اقرار نہ کرتی ہوں نکاح کو ناجائز لکھا ہے[۵۷]۔ ہدایہ میں بھی مجوسی عورت سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے[۵۸]۔ اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں بھی مشرکہ سے نکاح ناجائز لکھا ہے[۵۹]۔ کنزالدقائق میں ایسے نکاح کو حرام لکھا ہے[۶۰]۔

---

(۵۶) سورۂ بقر رکوع ۲۷ آیت ۵۔
لا یحل نکاح الوثنیات ولا المجوسیات ولا الصائبات اللاتی یعبدن الکواکب ولا یومن بکتاب منزل۔ (احکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ، مصر، دفعہ ۳۲)۔

(۵۷) قدوری، قرآن محل کراچی صفحہ ۱۳۸۔

(۵۸) ہدایہ (عربی) مطبع مجتبائی، دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۲۹۰۔

(۵۹) فتاویٰ قاضی خان، مطبع مصطفائی ہند، جلد اول، صفحہ ۱۶۹۔

(۶۰) و حرم تزوج۔۔۔۔والمجوسیۃ والوثنیۃ (کنزالدقائق، مطبع مجتبائی دہلی، صفحات ۹۹-۹۸)۔

حالیہ مؤلفین میں محمد یوسف نے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ پر مشرک یا بت پرست عورت سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے البتہ ولسن نے لکھا ہے کہ "اگر کسی مسلم مرد کا کسی مشرکہ عورت سے نکاح ہو جائے تو من ابتداء باطل (Void Ab initio) نہ ہوگا بلکہ فاسد ہوگا اور اگر مجامعت ہوئی ہو تو زوجہ مہر (مقررہ یا مثل جو کم ہو) پانے کی مستحق ہوگی اور اولاد جائز ہوگی[61] ۔ ملا نے بھی مقدمہ احسان حسن بنام پنا لال مندرجہ اے آئی آر ، ۱۹۲۸ع پٹنہ ۱۹ کا حوالہ دیتے ہوئے مشرکہ سے نکاح کو محض فاسد لکھا ہے[62] ۔ البتہ نواب سر عبدالرحمٰن نے بت پرست عورت سے نکاح کو باطل لکھا ہے[63] ۔

بیلی (صفحہ ۳۰) نے بھی ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے لیکن صفحہ ۱۷۳ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تعلق فی نفسہ ناجائز نہیں بلکہ اس تعلق پر جو اعتراض ہے وہ مذہب کی تبدیلی سے دور ہو سکتا ہے ۔

جسٹس امیر علی کی رائے میں ایک مسلم مرد اپنا نکاح ہندو عورت سے کر سکتا ہے وہ اس ضمن میں مسلم بادشاہوں کی مثال بھی دیتے ہیں جنھوں نے راج پوت عورتوں سے نکاح کیے ۔ ان کے نزدیک مشرکہ سے نکاح کی ممانعت اپنی نوعیت اور اثر کے اعتبار سے اضافی (Relative) ہے اور نکاح کے بطلان کو ظاہر نہیں کرتی لہذا اگر کوئی مسلمان مرد کسی مشرک عورت سے نکاح کر لے تو وہ محض فاسد ہوگا اور اولاد کی صحیح النسبی پر کوئی اثر نہ پڑے گا ، کیوں کہ مشرکہ عورت کسی بھی وقت اسلام قبول

---

(۶۱) اے ڈائجسٹ آف اینگلو محمڈن لاء ، چھٹا ایڈیشن ، صفحہ ۱۳ ۔
(۶۲) پرنسپلز آف محمڈن لاء ، پندرھواں ایڈیشن ، صفحہ ۲۲۷ ۔
(۶۳) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لاء آرٹیکل نمبر ۱۳۳ ، صفحہ ۸۲ ۔

کر سکتی ہے جس سے امتناع فوری طور پر دور ہو جائے گا اور نکاح صحیح ہو جائے گا[۶۳]۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امتناع جس کے دور ہونے کا امیر علی ذکر کرتے ہیں کیا ہے؟ یقیناً وہ امتناع عورت کا مشرکہ ہونا ہے جو نکاح میں مانع ہے۔ جب امتناع شرک کا ہے تو وہ نکاح سے پہلے دور ہونا چاہیے یا بعد میں؟

یہاں یہ ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام میں مشرکہ کنیز سے مجامعت بھی ناجائز ہے[۶۵]۔ جب مشرک کنیز سے مجامعت بھی ناجائز ہے تو ایک مشرک عورت کے بغیر اس کے ایمان لائے نکاح کا جواز کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں صراحتاً مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے، تاآنکہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ چنانچہ ایمان لانا مقدم شرط ہے۔

عدالتی نقطۂ نظر:

جہاں تک ہند و پاکستان کی عدالتوں کا تعلق ہے ان کا رجحان مشرکہ سے نکاح کو فاسد قرار دینے کی طرف ہے چنانچہ مقدمہ محولہ بالا احسان حسن بنام پنا لال میں ایک ہندو عورت نے اسلام لائے بغیر ایک مسلمان مرد سے شادی کر لی اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے، پٹنہ ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ نکاح فاسد ہے اور بچے جائز ہیں[۶۶]۔

در اصل یہ حکم دخول کی بناء پر ہے چنانچہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں فریقین میں تفریق

---

(۶۳) محمڈن لاء، پانچواں ایڈیشن، صفحہ ۲۸۲۔
(۶۵) فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، صفحہ ۸۔
رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷۔
(۶۶) اے۔ آئی۔ آر، ۱۹۲۸ء پٹنہ ۱۹۔

کرانا واجب ہوگا۔ جائز النسبی کا حکم اس بناء پر ہے کہ فعل جماع زنا کی تعریف میں نہیں آتا اور چونکہ اولاد کا نسب مرد سے ثابت ہوتا ہے اور چونکہ مرد مسلمان ہے اس لیے نسب کو جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے۔

غیر مسلم سے نکاح

۳۴۔ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر، مشرک کتابی یا غیر مسلم مرد سے مطلقاً حرام ہے۔

تشریح

خداوند تعالیٰ نے سورۂ بقر کے چھبیسویں رکوع میں فرمایا ہے ''ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا '' یعنی مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک مسلمان عورت کا مشرک مرد سے نکاح جائز نہیں ہے[۶۷]۔ یہ حکم دخول اور بے دخولی دونوں صورتوں میں متعلق ہوگا۔ چنانچہ نکاح کے بعد دخول کی صورت میں نہ اولاد کا نسب ثابت ہوگا اور نہ عورت پر عدت کیوں کہ وہ فعل حرام ہوگا اور نکاح ہر صورت میں باطل قرار پائے گا[۶۸]۔ بیلی نے ایسے نکاح کو مسلمان مرد کا مشرکہ سے نکاح کی صورت پر قیاس کر کے فاسد لکھا ہے،[۶۹] جو غلط نظریہ پر مبنی ہے۔

یہاں ایک اشتباہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم مرد کے مشرکہ سے نکاح اور غیر مسلم مرد سے مسلمہ کے نکاح میں احکام میں فرق اور امتیاز کیوں روا رکھا گیا ہے جبکہ ہر دو قرآنی آیات[۷۰] کے

---

(۶۷) لا یجوز تزوج المسلمة من مشرک ولا کتابی کذا فی سراج الوھاج (فتاویٰ عالمگیری ، جلد ثانی ۸ ، عربی)۔

(۶۸) نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل (درالمختار بر حاشیه رد المحتار ، جلد ۲ ، باب ثبوت النسب ، صفحه ۶۵۰)۔

(۶۹) ڈائجسٹ آف محمڈن لاء ، صفحہ ۱۵۳۔

(۷۰) "لاتنکحوا المشرکات حتی یومن" اور "لاتنکحوا المشرکین حتی یومنوا"

الفاظ یکساں ہیں ؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر دو قرآنی آیات کے الفاظ یکسانیت رکھتے ہیں لیکن جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو فقہی نقطۂ نظر سے اس کے متفرع احکام میں قدرتی طور پر عملاً فرق واقع ہو جائے گا کیوں جب مرد مسلم ہو اور عورت مشرکہ ، تو آنحضرت رسول صلعم کی حدیث کے پیش نظر کہ ''بچہ والدین میں سے جو بہتر دین والا ہوگا اس کا تابع ہوگا'' بچہ کو باپ کا تابع قرار دیا جائے گا نیز نسب ثابت کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی اس لیے نکاح فاسد کے احکام متعلق کر کے مہر، نفقہ اور عدت وغیر کے احکام مرتب ہوں گے ۔ لیکن جب مرد غیر مسلم اور عورت مسلمہ ہو تو احکام میں لازماً فرق واقع ہو جائے گا کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ امر مسلّم ہے کہ اسلام کو دیگر مذاہب پر برتری حاصل ہے لہذا مرد کے غیر مسلم ہونے کے سبب اس کو مسلمہ عورت پر دینی برتری حاصل نہیں بلکہ دین کے اعتبار سے عورت مرد سے برتر ہے اس لیے بچے کو ثابت النسب قرار دینے سے ایک غیر مسلم کو ایک مسلمہ پر فضیلت حاصل ہو جائے گی ۔ اس بناء پر نکاح کو صورتاً منعقد تصور نہ کیا جائے گا ، کیونکہ مسلمہ عورت کا غیر مسلم مرد کے مقابلہ میں حقیر ہونا اسلامی مقتضیات کے خلاف ہے ۔

منکوحۂ غیر سے نکاح

۳۴۔ کسی مسلمان مرد کا منکوحۂ غیر سے باوجود علم کے نکاح کرنا حرام ہے :

مگر شرط یہ ہے کہ منکوحۂ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں اگر دخول ہو گیا ہو تو نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے ۔ البتہ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد ان پر تفریق واجب ہوگی ۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرا دے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی ۔

تشریح

کسی کی منکوحہ عورت سے نکاح کی ممانعت قرآن پاک میں ''والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم'' کے الفاظ میں آئی ہے۔

امام رازی کا نقطہ نظر:

امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ''والمحصنت'' کا لفظ ''حرمت علیکم'' کے الفاظ کا اسی طرح تابع ہے جس طرح ''امہاتکم'' کا لفظ ''حرمت علیکم'' کا تابع ہے۔ بالفاظ دیگر امام رازی کی رائے میں کسی دوسرے کی بیوی سے نکاح کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی کا اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرنا۔

ائمۂ اربعہ کی رائے:

ائمہ اربعہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس عورت کا نکاح کسی مرد کے ساتھ کیا جائے اس کا دوسرے کے نکاح سے آزاد ہونا ضروری ہے یعنی کسی دوسرے کے عقد میں نہ ہو۔ کیونکہ عورت کے لیے بوقت نکاح موزوں ذات (Fitting subject) ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ عورت کسی ایک کے عقد میں ہے تو پھر وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کے لیے کیونکر موزوں ذات (Fitting Subject) ہو سکتی ہے؟ نیز یہ کہ جب پہلے شوہر کا حق اس پر قایم ہو تو دوسرے شوہر کا حق کیونکر قایم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قانوناً یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں شوہر بیک وقت ایک عورت پر اپنا حق قایم رکھ سکیں۔[۷۱] چنانچہ کسی مسلمان مرد کے لیے کسی دوسرے کی زوجہ سے نکاح

---

(۷۱) منکوحۃ الغیر فھی غیر محل او لا یمکن اجتماع ملکین فی آن واحد علی شئی واحد فا لعقد لم یوثر ملکا فاسداً۔ (رد المحتار، جلد ۲، باب العدۃ، صفحہ ۶۲۳)۔

کرنا حرام ہے۔[۷۲]

قانون نافذ الوقت :

تحت قانون نافذ الوقت دفعہ ۴۹۴ تعزیرات پاکستان ایسی عورت جو ایک شوہر کی موجودگی میں دوسرے شخص سے نکاح کر لے دو زوجی (Bigamy) کے جرم کی مرتکب ہوگی۔

بمقدمہ لیاقت علی بنام کریم النساء[۷۳] یہ قرار دیا گیا کہ اگر کوئی مسلم شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی حیات میں کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے تو ایسا نکاح باطل ہوگا اور اولاد ناجائز۔

استثناء :

اس ضمن میں صرف یہ استثنا ہے کہ اگر وہ نکاح بلا اس علم کے منعقد ہوا ہو کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کی زوجہ ہے اور مرد نے عورت سے صحبت کر لی ہو تو اس صورت میں اس پر بر بنائے وطی (نہ کہ بربنائے نکاح) نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے جو حقیقت میں وطی بالشبہ کے احکام ہیں۔ اسی بناء پر تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ علم ہوتے ہی طرفین جدائی اختیار کر لیں اگر انہوں نے جدائی اختیار نہ کی تو عدالت ان میں تفریق کرا دے گی۔

<u>چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح</u>

۳۵۔ کسی مسلمان مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح باطل ہے۔

---

(۷۲) " ولا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ " (سراج الوھاج بحوالہ فتاوئ عالمگیری جلد ثانی صفحہ ۷)۔
"ولا یجوز التزوج بزوجة الآخر" (المادہ ۳۸ ' قانون الاحوال الشخصیة شام)۔
"یحرم نکاح زوجة الغیر" (المادہ ۲۷) الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیة مصر '

(۷۳) آئی۔ ایل۔ آر ۱۵ ' الہ آباد ' صفحہ ۳۹۶۔

تشریح

شرع اسلام میں ایک مسلمان کو چار شادیاں تک کرنے کی اجازت ہے ۔ خواہ یکے بعد دیگرے کی جائیں خواہ ایک ساتھ ۔ یہ اجازت قرآن پاک کی چوتھی سورۃ کے پہلے رکوع کی تیسری آیت میں ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع'' کے تحت کی گئی ہے لیکن قرآن پاک میں ساتھ ہی یہ ہدایت بھی نازل کی گئی ہے کہ ''فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ'' (یعنی اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل قایم نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو)

تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اسلام میں بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے ۔ بالفاظ دیگر چار سے زائد بیویوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے ۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے ایک شخص سے جس کے پاس ۱۰ بیویاں تھیں فرمایا کہ ''چار بیویوں کو روک لو اور باقی کو جدا کر دو''۔[۴۳] یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب قبیلہ ثقیف کے لوگ اسلام لے آئے تھے۔

فتاویٰ قاضی خاں مطبع مجتبائی ہند صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے کہ

(۴۳) ''اخبرنا ابن شہاب قال بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل من ثقیف و کان عندہ عشر نسوۃ حین اسلم الثقفی فقال لہ امسک منہن اربعاً و فارق سائرہن'' (موطا ، امام محمد، عربی ۔ اردو ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۲۳۲) ۔

اگر کوئی آزاد مسلمان مرد یکے بعد دیگرے پانچ عورتوں سے نکاح کرتا ہے (اور ان پانچوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھتا ہے) - تو پہلے چار نکاح صحیح ہیں مگر پانچواں نکاح ناجائز ہوگا اور اگر وہ پانچوں عورتوں کو بیک وقت نکاح میں لاتا ہے تو پانچوں نکاح فاسد ہوں گے ۔[۷۵]

یہاں اصل میں ''فسد'' کی اصطلاح ''بطل'' کے معنی میں استعمال ہوئی ہے لہذا پانچوں نکاح باطل اور قانوناً بے اثر ہوں گے ۔

نواب سر عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دی جائے اور اس کی عدت پوری ہو جائے پانچویں عورت سے نکاح باطل ہے ۔[۷۶]

اس کے برخلاف بیلی اور امیر علی پانچویں نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں ان کے خیال میں یہ امتناع (Prohibition) اضافی (Relative) ہے جو چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر علیحدہ کر دینے یا چاروں میں سے کسی ایک کی وفات واقع ہو جانے کی صورت میں کسی بھی وقت دور ہو سکتا ہے چنانچہ امتناع کے دور ہونے پر فساد دور ہو جائے گا اور نکاح من ابتداء صحیح (Valid abinitio) ہو جائے گا ۔[۷۷]

بیلی اور امیر علی کے اتباع میں ملا نے بھی پانچویں نکاح

---

(۷۵) و اذا تزوج الحرخمساً علی التعاقب جاز النکاح الاربع الاول ولا یجوز نکاح الخامسة وان تزوج خمسا فی عقدة فسد نکاح الکل (فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۶۸) -
(بحرالرایق ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۸۱) -
رد المحتار ' جلد ۲ ' باب المہر صفحہ ۳۵۹ -
(۷۶) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا ' آرٹیکل ۱۳۴ -
(۷۷) عمڈن لا ' سید امیر علی ' پانچواں ایڈیشن ' باب ۶ ' صفحہ ۲۸۰ -

کو فاسد لکھا ہے۔[۴۸] یہی صورت طیب جی اور سکینہ کی بھی ہے جو بیلی اور امیر علی کی پیروی میں پانچویں نکاح کو فاسد کہتے ہیں۔

بیلی اور امیر علی نے دراصل ایک فارمولا وضع کیا ہے جو دائمی اور عارضی موانع کا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اجتماع خواہرین کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے۔ اگر بیلی اور امیر علی کے نقطۂ نظر کو تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان لیا جائے تو اس سے مضحکہ خیز نتائج برآمد ہوں گے مثال کے طور پر یہ تعداد پانچ کے بجائے آٹھ یا اس سے زائد (مثلاً سو ، دو سو) بھی ہو سکتی ہے۔ امیر علی کے خیال کے مطابق ایسے سب نکاح فاسد ہوں گے کیونکہ شوہر کسی بھی وقت بقیہ بیویوں کو طلاق دے کر چار کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا چار کے سوائے سب بیویاں مر سکتی ہیں اور امتناع خود بخود دور ہو جانے سے نکاح صحیح ہو جائیں گے۔

ایک اعتراض :

لیکن فرض کیجیے کہ وہ مرد کسی بیوی کو طلاق نہیں دیتا اور سب کے ساتھ مجامعت کرتا ہے اور ہر ایک سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور کوئی زوجہ اس کو داغ مفارقت دے کر اس دینا سے رخصت نہیں ہوتی بلکہ وہ مرد خود ھی ان سب کو جیتا جاگتا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو پانچویں بیوی یا چار سے زائد بیویوں کی (جن کی تعداد ۸ یا اس سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے) کیا حیثیت ہوگی ؟ بیلی اور امیر علی کے نقطۂ نظر کے مطابق اول چار کے علاوہ باقی سب نکاح فاسد ہوں گے

---

(۴۸) دی پرنسپلز آف محمڈن لا ، پندرھواں ایڈیشن ، دفعہ ۲۵۵ ، صفحہ ۲۲۵ ۔

اولاد جائز اور ترکہ کی مستحق ہوگی مگر اول چار بیویوں کے مقابلے میں مابعد بیویوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

تجزیہ :

قرآن پاک نے چار بیویوں کی حد مقرر کر دی ہے اور نکاح فاسد کے پردے میں یہ حد ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ حقیقت میں چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح باطل کے درجہ میں ہے لیکن شبہ فی‌الفعل یا فی‌المحل کے سبب وطی کی صورت میں اس پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے جو دراصل وطی بالشبہ کے احکام ہیں اور اسی بناء پر عدالت طرفین میں تفریق کرا دے گی۔

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے لاہور ہائی کورٹ نے مقدمہ مسماۃ اللہ دی بنام سرکار میں یہ قرار دیا کہ ایسا نکاح باطل نہیں ہے۔[۴۹] لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ شبہ فی‌الفعل یا فی‌المحل پایا گیا ہو۔

معتدۂ غیر سے نکاح

۲۳۴۔ معتدۂ غیر سے دوران عدت نکاح باطل ہے :

مگر شرط یہ ہے کہ معتدہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے البتہ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد اُن پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

معتدۂ غیر سے نکاح کے سلسلے میں قرآن پاک کا انداز بیان اگرچہ بیانیہ ہے لیکن اپنے اندر ایک حکمی نوعیت رکھتا

(۴۹) اے۔ آئی۔ آر ۱۹۲۸ء لاہور، صفحہ ۸۳۴۔

ہے چنانچہ "یتربّصن بانفسھن" کہہ کر خداوند تعالی نے ایسی عورتوں کو اپنے نفس کو روکے رکھنے کا حکم دیا ہے اور نکاح سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔[۸۰]

عدت میں نکاح کرنے کے سلسلے میں ابن شہاب ، سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ طلحہ بن عبداللہ کی بیٹی رشید ثقفی کے نکاح میں تھیں رشید ثقفی نے ان کو طلاق دے دی تو عدت ھی میں ابو سعید بن منبہ یا ابوالجلاس بن منبہ سے (ان کی لڑکی نے) نکاح کر لیا۔ اس پر حضرت عمر نے ان دونوں کو تادیباً درے لگائے اور ان کے درمیان تفریق کرا دی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ جس عورت نے عدت میں نکاح کر لیا اگر شوھر نے جماع نہ کیا ھو تو ان دونوں کو جدا کر دیا جائے اور وہ پہلے شوھر کی بقیہ عدت کو پوری کرے۔ اب دوسرا شوھر بمنزلہ دوسرے لوگوں کے اپنا پیغام (منگنی) بھیجے گا اور وہ عورت اس سے چاھے تو نکاح کر سکتی ہے اور اگر دوسرے شوھر نے جماع کر لیا ھو تو ان کو جدا کر دیا جائے اور وہ عورت پہلے شوھر کی بقیہ عدت کو پوری کرے پھر دوسرے کی عدت کو پوری کرے لیکن دوسرے شوھر سے کبھی نکاح نہ کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ شوھر اس عورت سے جماع کر لے تو اس عورت کو مہر ملے گا اس لیے کہ اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور جب وہ پہلے شوھر کی عدت گزار لے تو اس سے دوسرا شادی کر سکتا ہے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ مجھے معلوم ھوا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علی بن

---

(۸۰) "ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ"۔

ابی طالب کے قول کی طرف رجوع کیا تھا ۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ اسی پر ہمارا عمل ہے ۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر حنفی فقہاء کی بھی یہی رائے ہے ۔[81]

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ غیر سے نکاح کا ذکر منکوحہ غیر سے نکاح کے ساتھ کیا گیا ہے اور ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے ۔[82] ھدایہ میں بھی لکھا ہے کہ ایک اجنبی شخص کے لیے معتدہ غیر سے نکاح بہ دوران عدت ممنوع ہے ۔ کیونکہ اس سے نسب اولاد شبہ میں پڑ سکتا ہے ۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی منکوحہ یا معتدہ غیر سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے ۔[83]

موجودہ مصری اور شامی قوانین کے تحت منکوحہ غیر سے نکاح اور معتدہ غیر سے اس کی عدت کے ختم ہونے کے پہلے نکاح کرنا حرام ہے ۔ خواہ وہ عدت طلاق کے سبب ہو یا شوہر کی وفات کے سلسلے میں ہو ۔ یا وہ عدت نکاح فاسد یا وطی بالشبہ کے سبب تفریق واقع ہونے کی بناء پر ہو ۔[84]

حالیہ مولفین میں عبدالرحمن[85] نے ایسے نکاح کو باطل اور

---

(۸۱) موطا امام محمد (عربی۔اردو) مطبوعہ قرآن محل کراچی' صفحہ ۲۳۹-۲۴۰ ۔

(۸۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذالک المعتدة (السراج الوھاج بحوالہ فتاوی عالمگیری کتاب النکاح باب ثالث فی بیان المحرمات ' صفحہ ۷) ۔ لا یجوز للرجل ان یتزوج المعتدة سواء کانت العدة عن طلاق او وفاة او دخول فی نکاح فاسد او شبهة نکاح (البدائع و الصنائع بحوالہ فتاوی عالمگیری ' کتاب النکاح ' باب ثالث فی بیان المحرمات صفحہ ۷) ۔

(۸۳) فتاویٰ قاضی خان ' (عربی) جلد ۱ ' صفحہ ۱۶۹ ۔

(۸۴) یحرم نکاح زوجة الغیر و معتدة قبل انقضاء عدتها سواء کانت معتدة لطلاق او وفاة او فرقة من نکاح فاسد او وطء بالشبهة ۔ (مادہ ۲۷ ' احکام الشرعیة فی الاحوال شخصیة ' مصر) ۔

(۸۵) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا ۔

فی نفسہ کالعدم لکھا ہے لیکن بیلی[۸۶] ولسن[۸۷] ملا[۸۸] اور امیر علی[۸۹] معتدہ غیر سے نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں ۔ امیر علی اگرچہ معتدہ غیر سے نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں اور اولاد کو جائز مگر عدت گزرنے کے بعد رشتہ زوجیت کو جاری رکھنے کی صورت میں از سر نو نکاح کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔ امیر علی اس ضمن میں متضاد بیانات کے شکار نظر آتے ہیں چنانچہ اگر زمانۂ عدت میں نکاح فاسد ہے اور فساد انقضائے عدت سے دور ہو جاتا ہے اور نکاح درست ہو سکتا ہے تو پھر نئے نکاح کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی ؟

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے صدر دیوانی عدالت مدراس صفحہ ۱۵۷ میں ایسے نکاح کو باطل قرار دیا گیا ۔[۹۰] بمقدمہ مسماۃ بخت بی بی بنام قایم دین یہ قرار دیا گیا کہ معتدہ غیر سے نکاح ناجائز ہے اور مجامعت اس کو درست نہیں کر سکتی ۔[۹۱] بمقدمہ مسماۃ رورو بنام باغ سنگھ ایسے نکاح کو کلیۃً بے اثر قرار دیا گیا لیکن اولاد کو جائز اور عورت کو مہر کا مستحق بھی قرار دیا ۔[۹۲] بمقدمہ جھنڈو بنام حسین بی بی دوران عدت نکاح کو باطل قرار دیا گیا ۔[۹۳]

ہمارے نزدیک معتدۂ غیر سے نکاح باطل ہے ۔ ایسی عورت کو

---

(۸۶) ڈائجسٹ آف محمڈن لا ' صفحہ ۱۵۳ -
(۸۷) ڈائجسٹ آف اینگلو محمڈن لا ' صفحہ ۱۱۳ -
(۸۸) پرنسپلز آف محمڈن لا ' پندرھواں ایڈیشن ' دفعہ ۲۵۷ ' صفحہ ۲۲۵ -
(۸۹) محمڈن لا ' پانچواں ایڈیشن ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۳۹ ' ۳۴۹ -
(۹۰) بحوالہ مکناٹن ' ۲۶۶ -
(۹۱) اے - آئی - آر ۱۹۳۴ ع لاہور ۹۰۷ -
(۹۲) اے - آئی - آر ۱۹۳۵ ع لاہور ۲۳ -
(۹۳) آئی - ایل - آر ۴ ' لاہور ' صفحہ ۱۹۲ -

نہ صرف نکاح سے منع کیا گیا ہے بلکہ قرآن پاک میں دوران عدت "لاتعزمواعقدة النکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اجلہ" کہہ کر وعدۂ نکاح یا منگنی وغیرہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔[۹۴]

موطاء امام مالک میں قاسم بن محمد کی روایت سے ایک حدیث بیان کی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کے دوران میں کسی شخص کا معتدۂ غیر سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار بھی ممنوع ہے۔[۹۵]

حقیقت میں معتدہ غیر سے نکاح باطل ہے اور اس سے دخول کی صورت میں نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن اگر نکاح کے وقت یہ علم نہ ہو کہ عورت معتدہ غیر ہے اور اس سے دخول کر لیا تو وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے لیکن فساد ظاہر ہو جانے کے بعد طرفین پر تفریق واجب ہوگی۔

مطلّقہ ثلاثہ سے نکاح

۳۷۔ مطلقہ ثلاثہ کا بغیر حلالہ کرائے اپنے سابق شوہر سے نکاح جدید حرام ہے۔

تشریح

مطلقہ ثلاثہ لغوی معنی میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں۔ فقہی اصطلاح میں مطلقہ ثلاثہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، خواہ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں خواہ ایک لفظ سے (مثلاً تجھ کو تین طلاقیں دیں) یا تین لفظوں سے (مثلاً میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی)۔ تین طلاقوں کے بعد عورت اس

---

(۹۴) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۵

(۹۵) موطا امام مالک (عربی ۔ اردو) مطبوعہ کراچی، صفحہ ۴۳۵ ۔

مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہے اس سے نہ رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ عدت گزرنے پر عقد ثانی کا ۔ البتہ اگر کسی عورت کو دو طلاقیں دی گئی ہوں تو مرد کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل رہتا ہے ۔

قرآن پاک میں آیا ہے ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف أوتسریح باحسان''[۹۶] یعنی یہ طلاق (جس کے بعد رجوع جائز ہے) دو مرتبہ ہے پھر یا تو معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے ۔

اس آیت کی رو سے ایک مرد ایک رشتہ نکاح میں اپنی بیوی پر زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے ۔ چنانچہ جو شخص اپنی زوجہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ جب کبھی اس کو تیسری بار طلاق دے گا تو وہ عورت اس سے کلی طور پر جدا ہو جائے گی ۔ بالفاظ دیگر ایک طلاق یا دو طلاق دینے کی صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے جب چاہے رجوع کر لے اور عدت گزر بھی جائے تب بھی باھمی رضامندی سے مرد و عورت دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۔ لیکن تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ مرد کو حق رجوع رہتا ہے اور/نہ ہی دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں الا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور وہ اسے بعد صحبت طلاق دے دے ۔ یا فوت ہو جائے تب عدت گزرنے کے بعد وہ مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں مرد دیگر سے نکاح کرنے کی قید خود

(۹۶) سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۹ ۔

قرآن کی آیت ''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره''[۹۷] کے تحت لگائی گئی ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مشرکین عرب میں طلاق کی کوئی حد نہ تھی، مرد جس قدر طلاقیں چاہتا اپنی زوجہ کو دیتا رہتا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا اور اس طرح عورت کو معلّق رکھ کر ستایا کرتا تھا۔ اس صورت حال کو بدلنے کی غرض سے یہ آیات نازل ہوئیں جن سے تین سے زیادہ طلاقیں دینے کا امکان نہ رہا نیز تیسری طلاق کے بعد بدون حلالہ رجوع کرنے کا حق بھی باقی نہ رہا۔[۹۸]

قرآن کریم کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ گھڑی گھڑی طلاق دیتے ہیں اور عدت کے اندر رجوع کرلیتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا جائے۔ اگر کوئی مرد ایک یا دو بار اپنی زوجہ کو طلاق دے کر دوران عدت اس سے رجوع کر چکا ہے تو تیسری دفعہ طلاق دیے جانے کی صورت میں وہ عورت اس کے لیے حرام ہو جائے گی اور اگرچہ مرد و عورت باہم پھر نکاح کر لینے پر راضی بھی ہوں تب بھی نکاح نہ ہو سکے گا، الاّ یہ کہ وہ عورت اپنا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرے اور پھر وہ شخص اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تب اگر پہلا شوہر اور وہ عورت یہ خیال کریں کہ وہ حدود اللہ پر قایم رہیں گے تو پھر وہ اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی وقت میں تین طلاق دیے جانے کی صورت میں طلاق دینے والے سے بحلف

---

(۹۷) سورہ البقرہ، آیت ۲۳۰۔

(۹۸) تفسیر ابن کثیر۔

شرعی دریافت کیا جاتا تھا اگر وہ کہتا کہ میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی (اور تین کا لفظ یا تین بار طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ میں نے تاکید کی غرض سے استعمال کیے تھے) تو ایک طلاق رجعی کا حکم دیا جاتا تھا اور اگر اس کی نیت تین طلاق کی ہوتی تھی تو تین شمار کی جاتی تھیں۔

چنانچہ حضرت محمود بن لبید سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں۔ آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا خدا کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔[۹۹]

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کو ایک کھیل بنا لیا ہے تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بیوی ہاتھ سے گئی تو کہہ دیتے کہ ہماری نیت تو ایک طلاق رجعی تھی اور اس طرح شریعت کی اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے تو آپ نے ایک وقت میں دی جانے والی تین طلاقوں کو طلاق بائن کے حکم میں داخل فرمایا جس سے مرد کا نہ صرف حق رجوع ختم ہو گیا بلکہ دوبارہ نکاح کرنے کا حق بھی باقی نہ رہا۔

مطلقہ ثلاثہ کے مسئلے میں جمہور فقہاء کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ اگر ایک مرد اپنی زوجہ کو ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے

---

(۹۹) "وعن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراۃ ثلث تطلیقات جمیعاً فقام غضبان ثم قال أیلعب بکتاب اللہ عز و جل و انا بین اظہرکم" (نسائی بحوالہ مشکوۃ شریف (عربی - اردو) قرآن محل، کراچی، صفحہ ۱۲۵)۔

تین طلاقیں دے دے یعنی علی‌الفور تین مرتبہ پے در پے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ ادا کرے یا یہ کہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو اس فعل سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی جس کے نتیجہ میں عورت فی الفور مرد کے رشتہ زوجیت سے علیحدہ ہو جائے گی اور مرد کو اس عورت سے رجوع کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ نیز یہ کہ عورت و مرد عدت گزرنے کے بعد بھی باہم نکاح نہ کر سکیں گے تا آں کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ مرد بعد صحبت اس کو طلاق دے دے یا فوت ہوجائے۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے دعوے کے ثبوت میں منجملہ دیگر احادیث کے (جن کا تفصیلی ذکر طلاق کے باب میں آئے گا) حسب ذیل احادیث سے استناد کرتا ہے، جن کو امام بخاری [۱۰۰] نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے:—

(۱) قال عویمر العجلانی فی مجلس اللعان:

"کذبت علیها ان امسکها یا رسول اللہ فطلقها ثلاثة قبل أن یا مرہ رسول صلی اللہ علیه وسلم۔"

واقعہ یہ ہے کہ عویمر العجلانی نے اپنی زوجہ کو لعان کیا اور اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلعم تفریق کا حکم دیتے، عویمر نے ایک ہی مجلس میں بلفظ واحد تین طلاقیں دے دیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ عویمر نے رسول اللہ سے کہا کہ "میں نے جھوٹ بولا اگر میں اس کو اپنے پاس رکھوں پس اس (عویمر) نے اس پر تہمت لگائی اور (زوجہ) کو تین طلاقیں دیں، اس سے پہلے

(۱۰۰) صحیح بخاری، مطبع مجتبائی دہلی، باب "عن اجاز طلاق الثلث" جلد دوم، صفحہ ۷۹۱۔

کہ رسول اللہ صلعم حکم دیتے ۔''

جمہور فقہاء اس حدیث سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''طلاق الثلاث بلفظ واحد'' سے انکار نہیں فرمایا ۔ اگر لفظ واحد سے تین طلاقیں دینا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت علیہ السلام سکوت نہ فرماتے ۔ چنانچہ سرکار دو عالم کا سکوت مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر ''وقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد'' کے معاملے میں تقریر کے قائم مقام ہے ۔

لیکن بعض فقہاء متذکرہ بالا حدیث کو اس استدلال کے ساتھ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک وہ عورت جس سے لعان کیا گیا ہو اس پر نفس لعان کے سبب طلاق ہو جاتی ہے اس لیے زوجہ ملاعنہ کو طلاق دینا ان کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی اجنبی عورت کو طلاق دینا ۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن شہاب زہری کی روایت سے ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ سہل بن سعد نے فرمایا کہ میں مجلس ملاعنہ میں موجود تھا اور اس سے پہلے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفریق کا حکم دیتے عویمر نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیں ، پس ہمارے لیے یہ سنت (قاعدہ شرعی) ہو گئی کہ لعان کے بعد تفریق کرا دی جائے[۱۰۱] ۔

اس اصول کی بناء پر حنفی فقہاء کے نزدیک لعان سے خود بخود تفریق نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت کے ذریعہ ہوگی اور جب تک عدالت تفریق نہ کرائے نکاح قائم رہے گا ۔

ایک دوسری حدیث ہے : ''عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

---

(۱۰۱) صحیح بخاری ، مطبع مجتبائی دھلی ، جلد ۲ ، صفحہ ۶۹۵ ۔

أنه قال : فقلت : یا رسول اللہ أرأیت لو طلقتہا ثلاثا آلان عل لی ان اراجعہا ؟ قال : لا کانت تبین منک ، وتکون معصیۃ ۔''

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دی تھی بعد میں انہوں نے رسول اللہ صلعم سے معلوم کیا کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دیتا تو کیا میرے لیے یہ حلال ہوتا کہ میں اس سے رجوع کرتا ، رسول اللہ نے جواب دیا ، نہیں وہ عورت تمہاری طلاقوں سے بائن ہو جاتی اور اس سے رجوع کرنے میں گناہ ہوتا۔

ایک اور حدیث ہے ''عن مالک انہ بلغہ ان رجلاً قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علّی فقال لہ ابن عباس طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بہا آیات اللہ ہزواً''۔ (ایک شخص نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں ۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ تین طلاقوں میں تجھ سے بائن ہو گئی ۔ اور ستانوے طلاقوں سے تو نے ٹھٹھا کیا اللہ کی آیتوں سے) [۱۰۲]۔

اسی طرح امام مالک نے اپنی موطا میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو دو سو طلاقیں دیں ، ابن مسعود نے کہا کہ وہ عورت تجھ سے بائن ہوگئی[۱۰۳]۔

مذکورہ بالا احادیث (اور دیگر احادیث سے جن کا تفصیلی ذکر

---

(۱۰۲) موطا امام مالک (عربی اردو) اصح المطابع کراچی ، کتاب الطلاق صفحہ ۳۵۶ ۔

(۱۰۳) موطا امام مالک (عربی اردو) اصح المطابع کراچی ، کتاب الطلاق صفحہ ۳۵۷ ۔

طلاق کے باب میں آئے گا) اور آثار صحابہ سے جمہور مذہب نے استدلال کرتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے جانے کی صورت میں خواہ وہ تین طلاق کہہ کر دی جائیں یا طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر دی جائیں، تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فقہاء کے دوسرے گروہ کا، جس میں زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحاق، حارث عکلی، داؤد بن علی الظاہری، حافظ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد حافظ ابن القیم اور شیعہ امامیہ مذہب کے علماء شامل ہیں، مسلک یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی زوجہ کو ایک وقت میں تین طلاقیں دے دیں یا یہ کہا کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں تو وہ طلاق مغلظہ نہ ہوگی بلکہ ایک طلاق رجعی ہوگی۔ اور مرد کو دوران عدت حق رجوع حاصل رہے گا۔ اور عدت گزر جانے پر بھی اگر دونوں رضامند ہوں تو باہم دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک تین طلاقوں کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔ دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری طلاق دے۔ تب یہ طلاق مغلظہ ہوگی اور عورت حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے استدلال کی بنیاد آیت قرآنی ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان'' پر رکھتا ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے کے سوا نہیں ہو سکتی نیز پہلی دو طلاقوں میں رجوع کا حق باقی رہتا ہے کیونکہ اگر تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں اور ایک ساتھ نافذ ہوں تو پھر مراجعت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا جو منشاء قرآن کے خلاف ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے شوہر

کو تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے جو تین مرتبہ استعمال کیا جانا مقصود ہے تاکہ پہلی یا دوسری بار طلاق دینے کے بعد اگر مرد اس پر نادم ہو تو دوران عدت مراجعت کے ذریعہ مضرّت کے تدارک کا امکان باقی رہے اور بلا جدید عقد کے رجوع کیا جاسکے نیز عدت گزرنے کے بعد بھی اگر دونوں رضامند ہوں تو باہم عقد کر سکیں جب کہ تیسری مرتبہ طلاق دیے جانے کی صورت میں مراجعت کا حق باقی نہ رہے گا اور نہ ہی بدون حلالہ عقد جدید کا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ''مرتٰن'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ ''اثنتین کا''۔ اس سے در اصل طلاق کا دو مرتبہ دیا جانا مقصود ہے نہ کہ ایک ہی دفعہ میں دو یا تین طلاقیں دینا۔

چنانچہ ''الطلاق مرتٰن'' کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ وقفوں کے ساتھ طلاق دی جائے کیونکہ اگر کسی شخص نے ایک ہی مرتبہ دو طلاقیں دے دی ہوں تو اس کے متعلق یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاقیں دی ہیں، جیسے کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو بیک وقت دو روپے دے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس نے دو مرتبہ روپے دیے ہیں تا وقتیکہ روپے دینا وقفوں کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ اگر قرآن کے الفاظ کا مقصد صرف رجوع کے حق کو ظاہر کرنا ہوتا تو پھر الفاظ ''مرتان'' کے استعمال کا کوئی فائدہ نہیں رہتا کیونکہ رجوع کرنے کا حق تو اس وقت بھی ثابت ہے جب کہ آدمی ایک مرتبہ ہی دونوں طلاقیں دے دے۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے دعویٰ کے استدلال میں حضرت ابن عباس سے

حسب ذیل روایت بھی پیش کرتا ہے :

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں ، وہ اپنے اس فعل پر سخت غمگین ہوئے ، رسول اللہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی ؟ رکانہ نے جواب دیا ''تین'' ایک مجلس میں ، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق کہ وہ ایک طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو ، رکانہ نے جواب دیا کہ میں نے اس سے رجوع کیا'' ۔

اس حدیث کو جمہور فقہاء تسلیم کرنے سے منکر ہیں ایک تو اس لیے کہ ابن عباس کا مسلک اس کے خلاف ہے ، دوسرے یہ کہ طلاق دینے والے نے لفظ ''الثلاثہ'' استعمال نہیں کیا تھا بلکہ ''البتّہ'' کا لفظ استعمال کیا تھا جس کے لفظی معنی کاٹ دینا ہے اور فقہی اصطلاح میں قطعی یا لازمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے حلفیہ پوچھا کہ تیرا ارادہ کیا تھا ، رکانہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا ، اس لیے حضور علیہ السلام نے اس عورت سے رجوع کا حکم دے دیا تھا ۔

در اصل اختلاف اس میں ہے کہ اگر تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی یا صرف ایک طلاق (رجعی) واقع ہوگی ۔ اس اختلاف کے دو اسباب ہیں ایک یہ کہ جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو انسان کے اپنے ذمہ لازم کرنے کی وجہ سے لازم ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک اگر تین اکٹھی طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو ان کا حکم تین متفرق

طلاقوں کا ہوگا اور طلاق مغلّظہ ہو جائے گی اور جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو اپنے صحیح اور جائز ہونے میں شرعی پابندیوں کے محتاج ہیں، ان کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں داخل ہوں گی۔

دوسری وجۂ اختلاف یہ ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک آیت طلاق ''الطلاق مرّتان. . . . حتی تنکح زوجاً غیرہ'' (الخ) ایک امر اور حکم کی حیثیت رکھتی ہے ان کے نزدیک اس کے خلاف عمل ناجائز، ممنوع اور حرام ہے چنانچہ اگر تین طلاقیں ایک وقت میں دی جائیں تو صرف ایک نافذ ہوگی اور باقی بے اثر رہیں گی۔ لیکن جن فقہاء کے نزدیک آیت طلاق میں حکم مذکور نہیں بلکہ طلاق احسن کو بیان کیا گیا ہے ان کے نزدیک تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی البتہ اس طرح طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے ایک مشروع قاعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں وہ یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت نہ کرنے کا حکم ہے لیکن اگر خرید و فروخت کی جائے تو وہ جائز اور قابل نفاذ ہوگی البتہ خرید و فروخت کرنے والا گناہ گار ہوگا، اسی طرح غصب کردہ زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں لیکن اگر نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی لیکن نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔

موجودہ زمانے میں اکثر مسلم ممالک مثلاً مصر،[۱۰۴] شام[۱۰۵] تیونس وغیرہ میں فقہاء کے دوسرے گروہ کے نقطۂ نظر کی پیروی

---

(۱۰۴) الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعات ۲۲۹-۲۲۷۔

(۱۰۵) شرح قانون الاحوال الشخصیہ، شام، مؤلفہ مصطفی السباعی، دفعہ ۹۴، صفحہ ۱۵۸۔

کی گئی ہے اور طلاق علی المال (خلع) و طلاق متمم للثلاث کے علاوہ تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو ان کو ایک طلاق کے حکم میں داخل کیا گیا ہے۔

پاکستان میں بھی از روئے آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ع کے مطابق اسی پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

البتہ عائلی قوانین آرڈی نینس کی دفعہ ۷ کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا خواہش مند ہے، طلاق دینے کے بعد بعجلت ممکنہ چیئرمین کو اس کی تحریری اطلاع دے گا اور اس تحریری اطلاع کی ایک نقل اپنی زوجہ کو بھی ارسال کرنے کا پابند ہوگا۔ نیز یہ کہ چیئرمین کو مذکورہ اطلاع نامہ موصول ہونے کے بعد تک نوے یوم تک وہ طلاق مؤثر نہ ہوگی ، الا یہ کہ اس سے قبل صراحتاً یا کسی اور طریقہ پر رجوع کر لیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ (۵) میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر طلاق اس وقت دی جائے جب کہ عورت حاملہ ہو تو وہ طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ مذکورہ مدت نہ گزر جائے یا وضع حمل نہ ہو جائے۔

قانون ھذا میں طلاق کا مؤثر ہونا چیئرمین کو اطلاع نامہ حوالہ کرنے کے بعد نوے یوم تک کے لیے موقوف اور معلق کر دیا گیا ہے۔ گویا طلاق اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے چیئرمین کو اطلاع نامہ موصول ہو جانے کے نوے دن تک غیر موثر رہے گی۔ اس دفعہ کے تحت چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) طلاق کی اطلاع دینے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی بالفرض طلاق گواہوں کے روبرو اور زوجہ کی موجودگی

میں زبانی یا تحریری دی گئی ہو مگر اس کا اطلاع نامہ حسب دفعہ مذکورہ چیئرمین کے حوالہ نہ کیا گیا ہو تو حسب احکامِ عائلی قوانین آرڈی نینس طلاق غیر موثر رہے گی ؟

(۲) اطلاع نامہ دیے جانے کے بعد نوے یوم تک طلاق معلق رکھنے کے معنی یہ ھیں کہ طلاق غیر نافذ ھے اگر کوئی شخص ایک طلاق دینے کے بعد چیئرمین کو اطلاع نامہ حوالہ کر دے مگر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے تو اس کا کیا حکم ہوگا ؟ اور ذیلی دفعہ (۶) پر کیا اثر مرتب ہوگا ؟

(۳) اگر طلاق کا نفاذ چیئرمین کو اطلاع دینے کے نوے یوم بعد ھوگا تو عدت کب سے شمار ہوگی ؟ اگر عدت نوے دن کے بعد شمار ہوگی تو مرد کا حق رجوع بھی باقی رھتا ھے ، اس صورت میں نوے دن کے دوران رجوع کرنے کا کیا حکم ہوگا ؟ کیونکہ اگر طلاق نافذ نہیں ہوئی اور غیر موثر ھے تو پھر مرد رجوع کس امر یا فعل سے کرے گا ؟ اور اگر نوے دن گزرنے سے قبل رجوع کر لیا تو اس کی دی ہوئی طلاق ، ایک طلاق رجعی شمار ہوگی یا نہیں اور کیا اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق باقی رہ جائے گا ؟ اگر طلاق نوے دن تک غیر موثر ھے تو پھر مرد کا فعل رجوع تین طلاقوں کے حق کو کیوں کر متاثر کرے گا ؟

(۴) ثالثی کونسل کی صورت میں ، بالفرض محال ، مرد رجوع کرنا چاہے مگر عورت راضی نہ ہو اور بالفرض محال

چیئرمین زوجہ کے استدلال سے مطمئن ہو تو مرد کے
حق رجوع کے بارے میں کیا صورت ہوگی ؟

تجویز

بہتر ہوگا ، اگر ثالثی کونسل کی تشکیل مرد کے
طلاق دینے سے پہلے ہو اور اگر طلاق دیدی گئی ہو تو اس
کے اثر و نفاذ کو نوّے دن تک معلق رکھنا خلاف شرع
ہے ۔ طلاق واقع ہوجانے کی صورت میں فوراً نافذ ہوجائے گی
اور عدت بھی فوراً شروع ہوجائے گی نوّے یوم گزرنے
سے قبل مرد کو حق رجوع حاصل ہوگا اور وہ بلا
مرضی زوجہ حق مراجعت استعمال کر سکتا ہے ۔ نوّے
یوم گزر جانے کے بعد حق رجوع ختم ہوجائے گا ۔ ضرورت
ہے کہ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں دفعۂ مذکورہ
میں مناسب ترمیم کی جائے ۔

بہر کیف ، جہاں تک مطلقۂ ثلاثہ سے کسی مرد کے نکاح
کا تعلق ہے ، بدون حلالہ ایسا نکاح باطل ہوگا ۔ البتہ دخول کی
صورت میں اس نکاح پر وطی بالشبہ کے احکام مرتب ہوں گے
کیونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس
پر سخت تعزیر عائد ہوگی ، بشرطیکہ اس کو حرمت کا علم ہو ۔
لیکن امام ابو یوسف ، امام محمد اور امام شافعی کے قول کے مطابق
اگر وہ مرد حرمت سے واقف ہو تو اس پر حد لگائی جائے گی ۔[۱۰۶]
شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے کہ فتویٰ امام صاحب
کے قول پر ہے ۔ لیکن فتاویٰ قہستانی میں مضمرات سے منقول ہے کہ

---

(۱۰۶) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز ، لاہور ،
باب "صحبت موجب حد اور غیر موجب حد" صفحہ ۵۲۹ ۔

صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے ' کیونکہ علم کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ' نہ شبہ فی العقد کی اور اور نہ شبہ فی المحل کی ۔ اسی لیے صاحبین کے نزدیک یہ وطی خالص زنا ہو گی اور حد جاری کی جائے گی ۔ اس ضمن میں صاحبین کی رائے زیادہ منطقی ہے ۔

صاحب ھدایہ نے مرد کا اپنی مطلّقہ ثلاثہ سے بدون حلالہ نکاح کو ناجائز لکھا ہے ۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں بھی ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے ' بیلی ' ملا اور امیر علی ایسے نکاح کو فاسد (Invalid) قرار دیتے ہیں ۔ البتہ نواب سر عبدالرحمٰن نے ایسے نکاح کو باطل (Void) لکھا ہے ۔

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے ان کا رجحان بدون حلالہ مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کو باطل قرار دینے کے حق میں ہے ۔

ہمارے نزدیک مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کے سلسلے میں حکم قرآنی صاف اور واضح ہے ۔ ایسا نکاح باطل قرار دیا جانا چاہیے ۔ البتہ اگر مرد نے عورت سے جماع کر لیا ہو تو حرمت کا علم ثابت نہ ہونے پر مرد پر حد زنا نہ لگائی جائے گی بلکہ صرف تعزیر دی جائے گی اور ان میں تفریق کرا دی جائی گی ۔ نیز حد زنا نہ لگائے جانے کی صورت میں وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے ۔

حاملہ ثابت النسب سے نکاح

۳۸۔ ایسی عورت سے نکاح جو حاملہ ثابت النسب ہو باطل ہے ۔

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ ایسی عورت سے نکاح باطل ہے جو حاملہ ہو اور جس کا نسب ثابت ہو یعنی اس کے شوہر سے یا مالک سے

اس کا حمل ہو۔[۱۰۷] لیکن اگر وہ حمل خود اسی شخص کے زنا کا نتیجہ ہو تو ایسا نکاح اور صحبت دونوں جائز ہیں[۱۰۸] البتہ اگر ایسی عورت کا حمل کسی اور شخص کے زنا کا نتیجہ ہے تو نکاح جائز ہوگا مگر شوہر پر لازم ہوگا کہ وضع حمل (Delivery) تک اس سے مجامعت نہ کرے۔[۱۰۹] مصری قانون کے تحت بھی ایسے نکاح کو باطل کہا گیا ہے۔[۱۱۰]

زانیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح

۳۹۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی۔

تشریح

امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ مثلاً سفیان ثوری امام اوزاعی امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی اور زانی و زانیہ میں حرمت مصاہرت قایم ہو جائے گی لیکن امام شافعی کے نزدیک نکاح صحیح سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے ' زنا سے

---

(۱۰۷) "و حبلی ثابت النسب لا یجوز نکاحھا اجماعا" (فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی ' صفحات ۸-۷)۔

(۱۰۸) "اذا تزوج امراۃ قد زنی ھو بھا و ظھر بھا حبل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطا ھا عندالکل" (فتاویٰ عالمگیری' جلد ثانی' صفحات ۸-۷)۔

(۱۰۹) و قال ابو حنیفه و محمد رحمھم اللہ تعالی یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا.ولا یطأھا حتی تضع وقال ابو یوسف لا یصح والفتوی علی قولھما کذا فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری' جلد ثانی' صفحه ۷)۔
ھدایه مطبع مجتبائی دھلی ' جلد ۲ ' صفحه ۲۹۲۔
مجمع الا نھر مطبوعه مصر ' جلد ۱ صفحه ۳۲۹۔

(۱۱۰) یحرم نکاح الحامل ثابت النسب حملھا و یصح نکاح الحامل من الزنا ولا یواقعھا الزوج حتی تضع حملھا ما لم یکن الحمل منه (الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیه ' مصر ' دفعه ۲۹)۔

ثابت نہیں ہوتی ۔ چنانچہ ان کے نزدیک زانیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح حرام نہ ہوگا ۔ لیکن جمہور علماء امام ابو یوسف کی رائے سے متفق ہیں ۔[111] اس کی بناء یہ ہے کہ اصل وجہ امتناع جنسی تعلق ہے نہ کہ نکاح ۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اس زانی پر حرام ہو جائے گی ۔ اس کی ماں کی ماں وغیرہ خواہ کتنے ہی اونچے درجہ پر ہوں سب حرام ہوں گی نیز اس عورت کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی خواہ کتنی ہی بعد کی پشت میں ہوں سب حرام ہوں گی ۔ اسی طرح اس عورت نے جس سے زنا کیا ہے اس مرد زانی کے آباء و اجداد خواہ کتنے ہی پہلی پشتوں میں ہوں اور مرد کے بیٹے اور پوتے پرپوتے خواہ کتنے ہی بعد کی پشت میں ہوں سب حرام ہوں گے ۔[112]

حرمت مصاهرت جس طرح مجامعت سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح شہوت سے مساس کرنے ، بوسہ لینے ، شرم گاہ پر نظر کرنے سے بھی ثابت ہوتی ہے ۔[113]

حرمت مصاهرت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ شہوت ہو اور شہوت کی حد یہ ہے کہ خواہش کے لیے اس کے قلب

---

(۱۱۱) ورأى جمهورالتابعين ثبوتها بالزنى (احكام الشريعة الاسلاميه، عمر عبدالله ، مصر ، ۱۹۶۱ع)

(۱۱۲) فتح القدير بحواله فتاوىٰ عالمگیری ، جلد ثانی ، (عربی) صفحه ۲ ۔
ھدایه (عربی) مطبع مجتبائی ، جلد ۲، صفحه ۲۸۹ ۔
مجمع الانہر، مطبوعه مصر، جلد ۱ ، صفحه ۳۲۶ ۔

(۱۱۳) من مس امراة بشهوة حرمت عليه امها و بنتها "(حدیث نبوی)
فتح القدیر بحواله فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثانی صفحه ۵
ایه (عربی) مطبع مجتبائی دھلی ، جلد ۲ ، صفحه ۲۸۹ ۔

میں حرکت ہو ''آلۂ تناسل'' منتشر ہو اور اگر پہلے سے منتشر ہو تو اس میں زیادتی واقع ہو جائے۔

قانون مصر کے بموجب کسی شخص کے لیے اس عورت کی ماں اور بیٹی سے جس سے کہ وہ مرد زنا کر چکا ہو ، نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ۔ اسی طرح اس عورت کے لیے زانی مرد کے اصول و فروع سے نکاح حرام ہے لیکن اس مرد کے اصول اور فروع کا اس زانیہ عورت کے اصول و فروع سے نکاح کرنا حرام قرار نہیں دیا گیا ۔[114]

اگر کوئی زانی مرد اس عورت کے اصول یا فروع سے نکاح کر لے تو ایسا نکاح قبل دخول باطل کے حکم میں ہوگا ۔ لیکن اگر بلا علم حرمت صحبت کر لی تو اس پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے ، لیکن فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی ۔ اگر وہ خود تفریق نہ کریں تو قاضی کو چاہیے کہ وہ ان میں تفریق کرا دے ۔ ایسی صورت میں اگرچہ طرفین پر شبہ فی المحل کے سبب حد نہ لگائی جائے گی لیکن ان پر تعزیر لازم ہو گی ۔

چونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے اس لیے مرد پر عورت کا مہر ، عورت پر عدت اور دوران عدت مرد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اولاد جائز ہو گی ۔[115]

---

(۱۱۴) یحرم علی الرجل ان یتزوج اصل مزنیة و فرعها و تحرم المزنی بها علی اصوله و فروعه ولا تحرم علیهم اصولها وفروعها (الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیه ، مصر ، دفعه ۳۳) ۔

(۱۱۵) احکام الشریعة الاسلامیه (عمر عبداللہ ، مصر ، ۱۹۶۱ ع ، صفحه ۱۳۲) ۔

متعہ

۴۰ - متعہ حرام ہے -

تشریح

متعہ اس معاہدۂ مماثل نکاح (Quasi Marriage) کو کہتے ہیں جو عورت سے جنسی استفادے کی غرض سے مرد و عورت کے درمیان بالعوض (For Consideration) ایک معیّنہ مدت کے لیے کیا جائے -

اس معاہدے کے تحت مرد کو عورت پر یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس عورت کو بلا شرکت غیرے ایک مدت معینہ کے لیے اپنی داشتہ بنا کر رکھے جس کے دوران عورت کو دوسروں کے ساتھ جنسی تعلقات قایم کرنے کی اجازت نہ ہو -

ایران اور عراق میں اس قسم کے نکاحوں کی اکثر و بیشتر مثالیں ملتی ہیں لیکن برّ صغیر ہند و پاکستان میں شاذ ہی ایسا ہوتا ہے - دراصل یہ رواج صابیین اور زرتشتیوں میں موجود تھا - صفوی دور حکومت میں جب شیعہ سرکاری مذہب قرار پایا تو متعہ کا رواج پھر ہو گیا -

سنیوں کے نزدیک متعہ بالاتفاق حرام ہے[116] شیعوں میں اثنا عشری شیعہ متعہ کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ ان کے دوسرے فرقے مثلاً اسماعیلیہ اور زیدیہ اس جنسی تعلق کو ناجائز تصور کرتے ہیں - اثنا عشری شیعوں کے نزدیک ایک شیعہ مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہے متعہ کر سکتا ہے - عورت کا شیعہ یا کتابیہ ہونا ضروری ہے - دوسرے مذاہب کی

---

(۱۱۶) ہدایہ ' باب المحرمات ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۹۲ -
مجمع الانہر جلد ۱ ' صفحہ ۳۳۱

عورتوں سے متعہ جائز نہیں لیکن ایک شیعہ عورت صرف شیعہ مرد ہی کے ساتھ متعہ کرسکتی ہے ۔

متعہ کا معاهدہ ایک مقررہ مدت کے لیے ہوتا ہے جو لفظ تمتع کے ساتھ منعقد ہوتا ہے نکاح کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ عورت سے استفادہ کے عوض میں مرد کو کچھ معاوضہ (بصورت نقد یا جنس) ادا کرنا ہوتا ہے ۔ اگر کوئی معاوضہ مقرر نہ ہو تو معاهدہ باطل اور کالعدم ہوگا ۔ اگر عورت سے صحبت ہوئی ہو تو کل معاوضہ قابل ادا ہوتا ہے ورنہ نصف ۔ متعہ میں عورت کو طلاق نہیں دی جاتی بلکہ مدت مقررہ کے گزرنے پر معاهدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور فریقین علیحدہ ہو جاتے ہیں البتہ مرد کسی بھی وقت مابقیہ مدت عورت کے حق میں ہبہ کر کے معاهدہ کو ختم کر سکتا ہے لیکن عورت مقررہ مدت سے قبل خود کو آزاد نہیں کر سکتی ۔ متعہ کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے البتہ اولاد جائز قرار پاتی ہے ۔ متعہ میں عورت نفقہ کی مستحق نہیں کیوں کہ صحیح معنی میں ممتوعہ عورت پر زوجہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا ۔

متعہ اور قرآن :

سنی علماء متعہ کی حرمت کے ثبوت میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :—

"والذین هم لفروجهم حافظون الاعلی ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک هم العادون ۔" [۱۱۷]

---

(۱۱۷) پارہ ۱۸، سورہ مومنون رکوع ۱، آیات ۵ ، ۷ ۔

(وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے
اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین
میں ہوں کہ ان پر (اپنی شرمگاہوں کو محفوظ نہ رکھنے
میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ
کچھ اور چاہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہیں - یعنی
اپنی منکوحہ عورت یا مملوکہ کنیز کے سوا کسی اور
سے جماع کرنے والے فعل حلال کی حد سے آگے نکل جانے
والے ہیں -)

اس آیت میں جن عورتوں سے جنسی تعلق قایم کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کی صرف دو قسمیں ہیں - ایک زوجہ اور اور دوسرے کنیز جو اس مرد کی ملک ہو - اس کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے جنسی تعلق ناجائز ہے - متوعہ عورت نہ زوجہ ہے اور نہ کنیز، کیوں کہ شریعت میں جو حقوق و فرائض زوجہ کے بیان کیے گئے ہیں ان کا اطلاق متوعہ عورت پر نہیں ہوتا نہ متوعہ عورت کے لیے نفقہ، نہ طلاق، نہ ایلا، نہ ظہار، نہ لعان اور نہ وراثت - بلکہ وہ چار بیویوں کی حد سے بھی مستثنیٰ ہے اسی طرح نہ ہی اس کے کنیز ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس مرد کی ملک نہیں ہوتی نہ اسے فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کیا جاسکتا ہے، اور چوں کہ وہ ان دونوں قسم کی عورتوں سے خارج ہے لہذا اس کا طالب قرآن کی زبان میں "حد سے گزرنے والا" ہے -

متعہ اور حدیث :

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں متعہ

کے رواج کو عرب میں باقی رہنے دیا گیا تھا لیکن بعد میں یہ اجازت (جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ معنوی کہی جا سکتی ہے) واپس لے لی گئی تھی چنانچہ مسلم نے ربیع بن معبد جہنی سے روایت کی ہے کہ ان کے باپ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ تھے اور آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے استمتاع (وقتی استفادہ) کی اجازت دی تھی اور اب اللہ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ۔ پس جس شخص کی ایسی عورت ہو اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے واپس نہ لے ۔ مسلم نے اس روایت کو دوسرے طریقوں سے بھی بیان کیا ہے ۔ نیز ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضرت عمر نے خطبہ پڑھا اور کہا رسول اللہ نے متعہ کی تین بار اجازت دی پھر اس کو حرام کر دیا اگر کوئی متعہ کرے گا اور وہ محصن ہوگا تو میں اس کو ضرور رجم کروں گا ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ متعہ حرام ہے ۔

مسلم نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ ''ہم کو رسول اللہ نے سال فتح مکہ میں متعہ کی اجازت دی جب ہم مکہ میں داخل ہوئے ، پھر نہ نکلے مکہ سے یہاں تک کہ منع کیا ہم کو متعہ سے ۔''

خازنی نے اپنی سند سے جابر سے ایک حدیث میں روایت کی ہے کہ '' رسول اللہ نے غزوہ تبوک میں خطبہ پڑھا اور ثنا بیان کی اللہ کی اور منع کیا متعہ سے ۔''

احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس متعہ کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بعض تابعین مثلاً ابن جریح، طاؤس اور عطاء بھی متعہ کے حلال ہونے کے قایل تھے لیکن ابن عباس اس کو مطلقاً جائز نہیں سمجھتے تھے ۔ ان کے خیال میں اس کا جواز حالت اضطرار کی حد تک تھا ۔[۱۱۸]

بخاری و مسلم نے حضرت علی سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت علی نے ابن عباس کے بارے میں سنا کہ وہ متعہ کے معاملے میں نرمی برتتے ہیں تو آپ نے ابن عباس سے فرمایا کہ اے ابن عباس متعہ کو چھوڑ دے، تحقیق کہ رسول اللہ نے خیبر کے دن اس سے اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے ۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا ۔

تجزیہ :

ہمارے خیال میں فتح مکہ کے موقع پر متعہ کے جائز ہونے کے سلسلے میں غلط فہمی ہے ۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں نے قلیل مہر پر وہاں کی عورتوں سے نکاح موقتی[۱۱۹] کرنا شروع کر دیے تھے ۔ اور نیت یہ تھی کہ کچھ دن بعد انہیں چھوڑ کر مدینہ واپس چلے جائیں گے ۔ رسول اللہ نے چند دن مسلمانوں کے اس فعل کو دیکھا اور سکوت اختیار کیا لیکن چونکہ یہ فعل نکاح کی روح کے منافی تھا اس لیے منع فرما دیا ۔

---

(۱۱۸) "حلت متعہ کے جواز کے سلسلے میں خود ابن عباس کے الفاظ ہیں" ماهی کالمیتة لاتحل الاللمضطر " کہ اس کی مثال مردار گوشت کی سی ہے جو سوائے شخص مضطر کے اور کسی کے لیے حلال نہیں ۔

(۱۱۹) نکاح موقتی اور متعہ میں تھوڑا سا فرق ہے جس کا تفصیلی ذکر اگلی دفعہ میں کیا گیا ہے ۔

جہاں تک ابن عباس والی روایت کا تعلق ہے، خود ابن عباس سے ترمذی نے روایت بیان کی ہے کہ متعہ کا رواج اول اسلام میں موجود تھا چنانچہ جب کوئی شخص شہر میں آتا تھا اور اس کو اس شہر سے واقفیت نہ ہوتی تھی تو وہ عورت سے اس مدت تک کے لیے نکاح کر لیتا تھا جب تک کہ وہ چاہتا تھا کہ اس شہر میں مقیم رہے ، وہ عورت اس کے مال کی حفاظت کرتی تھی اور اس کی چیزوں کو درست رکھتی تھی یہاں تک کہ ''الاعلی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم'' والی آیت نازل ہوئی ۔ پس کہا ابن عباس نے کہ اب ان دو کے سوا ہر فرج حرام ہے ۔[۱۲۰]

احادیث مندرجہ بالا کے مطالعہ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ متعہ فتح خیبر ، غزوۂ تبوک اور فتح مکہ تک جائز رہا ۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے ۔جہاں تک فتح خیبر والی حدیث کا تعلق ہے اس میں دو خبریں ہیں ایک گدھے کے گوشت کے حرام ہونے کی اور دوسری متعہ کے حرام ہونے کی ۔ دونوں حدیثوں کا راوی ایک ہی شخص ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دونوں خبروں کو جمع کر دیا حالانکہ مقام و زبان کے اعتبار سے دونوں حدیثیں علیحدہ ہیں ۔ علامہ ابن قیم کا کہنا ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر متعہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے (یا اس موقع پر منع کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے) جب کہ وہاں کوئی مسلمان عورت موجود نہ تھی ۔ غزوہ تبوک والی حدیث کا راوی ضعیف ہے ۔ محدثین کا کہنا ہے کہ متعہ صرف تین روز کے لیے فتح مکہ کے موقع پر (معنوی طور پر بذریعہ سکوت رسول صلعم)

---

(۱۲۰) ترمذی ابواب النکاح جلد ۱ باب ماجاء فی نکاح المتعۃ ، صفحہ ۱۳۳ ۔

جائز قرار دیا گیا تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا ۔

نتیجۂ فکر :

بہر حال ، احادیث کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حرمت متعہ کا آخری اور قطعی حکم فتح مکہ کے سال میں دیا گیا اور حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو بحیثیت قانون سختی کے ساتھ نافذ کیا ۔ قرآن پاک یا سنت نبوی میں متعہ کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

نکاح موقت

۴۱۔ نکاح موقت باطل ہے ۔

تشریح

نکاح مؤقت اس نکاح کو کہتے ہیں جو گواہوں کی موجودگی میں عورت سے ایک معینہ مدت کے لیے کیا جائے ۔ امام زفر کے نزدیک ایسا نکاح صحیح ہے اور تعین مدت کی شرط باطل ہے کیونکہ فاسد شرطیں نکاح کو باطل نہیں کرتیں ۔ لیکن امام زفر کا یہ نقطۂ نظر صحت پر مبنی نہیں کیونکہ نکاح کے مقاصد نکاح مؤقت سے حاصل نہیں ہو سکتے ۔ معاھدۂ نکاح کی ایک شرط اس کا دوامی ہونا ہے جو نکاح مؤقت میں مفقود ہے ۔

فی الحقیقت نکاح مؤقت اپنے اندر متعہ کا حکم رکھتا ہے اور جس طرح متعہ باطل ہے اسی طرح نکاح مؤقت بھی کالعدم ہے ۔ لیکن امام زفر نکاح مؤقت کو متعہ سے ممیز کرنے اور اس کو جائز قرار دینے کے سلسلے میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ متعہ لفظ ''تمتع'' سے منعقد ہوتا ہے جب کہ نکاح مؤقت میں لفظ ''نکاح'' استعمال ہوتا ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ متعہ بیع کی مثل بغیر مہر کے منعقد نہیں ہو سکتا جب کہ نکاح مؤقت بغیر

ذکر مہر کے منعقد ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ دلیل اس لیے صحیح قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس معاملے میں الفاظ کی بہ نسبت اصل معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ مدت کے تعین کے سبب نکاح کا اصل مفہوم ہی بدل جاتا ہے اس لیے ایسا نکاح صحیح نہیں کہلایا جا سکتا۔

البتہ اگر نکاح کی ایک ایسی مدت مقرر کی جائے جس کے ختم ہونے تک عاقدین کا زندہ رہنا عادتاً محال ہو تو نکاح دوامی (مستقل) متصور ہوگا اور صحیح کہلائے گا۔[۱۲۱]

نکاح دیوانی

۴۴۔ نکاح دیوانی (سول میرج) جو احکام شریعت کے مطابق نہ ہو کالعدم ہے۔

تشریح

نکاح دیوانی (یعنی سول میرج) اس نکاح کو کہتے ہیں جو کسی نافذالوقت دیوانی قانون کے تحت اور اس کے مطابق کیا جائے۔ اگر یہ نکاح احکام شریعت کے مطابق نہ ہوا ہو تو کالعدم ہوگا۔

(۱۲۱) "وروی الحسن عن ابی حنیفه ان الزوجین اذاوقتامدة لایعیش مثلهما الیهاصح النکاح لانه فی معنی المؤبد (عینی و فتح)۔
هدایه (عربی) باب المحرمات جلد ۲ صفحه ۲۹۳۔
مجمع الانهر باب المحرمات جلد ۱ صفحه ۳۳۱۔

پانچواں باب

ولایت نکاح

نابالغ کا نکاح

۴۳۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح عدالت مجاز کی اجازت سے ان کے ولی کر سکتے ہیں۔

توضیح : نابالغ پر حق ولایت اس کے بالغ ہونے پر ختم ہو ہو جاتا ہے۔

تشریح

ائمۂ اربعہ اور شیعوں کا اس امر میں اتفاق ہے کہ نابالغ کا نکاح اس کا ولی کر سکتا ہے۔ نابالغ کے نکاح کی دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کے جواز میں بیان کی جاتا ہے۔

اس کے بر خلاف امام ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم نے (ابن شبرمہ امام اعظم کے ہم عمر عراق کے مشہور فقیہہ گزرے ہیں) نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کر دینے کی ممانعت فرمائی ہے ان کے نزدیک باری تعالی کے فرمان کے بموجب نکاح اس وقت کیا جائے جب وہ نکاح کی عمر (بلوغت) کو پہنچ جائیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو قرآن کریم میں ''حتی اذا بلغوالنکاح'' کہنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

نابالغ کے نکاح کے عدم جواز میں دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ولایت حاجت پر منحصر ہے ۔ نابالغ کو نکاح کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ نکاح کا مقصد طبعی شہوت کی تکمیل اور جائز تولید نسل ہے اور نابالغ کو ان دو میں سے کسی پر قادر نہ ہونے کے سبب نکاح کی کوئی حاجت نہیں ۔

اس کے عدم جواز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ نکاح کے احکام بلوغ کے بعد لازم ہوتے ہیں اس لیے نابالغ کا نکاح غیر ضروری ہے ۔ جو فقہاء نابالغ کے نکاح کے جواز کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہ والی حدیث کے علاوہ مندرجہ ذیل آثار کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں :

(۱) قدامہ بن مظعون نے اپنا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے اس کی پیدائش کے دن کر لیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں مر جاؤں تو یہ میری وارث ہوگی ۔

(۲) حضرت عمر نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح عروہ بن زبیر سے کیا ۔

(۳) عروہ بن زبیر نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے بھانجے سے کیا اور وہ دونوں نابالغ تھے ۔

(۴) ایک شخص نے اپنی نابالغ بیٹی کو عبداللہ بن حسن کو ہبہ کیا جس کو حضرت علی نے جائز قرار دیا ۔

(۵) ایک عورت نے ابن مسعود سے نکاح کیا اور اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح (جو پہلے شوہر سے تھی) مسیب بن نخبہ سے کر دیا ۔ اور عبداللہ نے اس کو جائز قرار دیا ۔

اس کے علاوہ وہ فقہاء جو نابالغ کی شادی کے جواز کے قائل

ھیں قرآن کی حسب ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ھیں :

الائی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة اشھر و الائی لم یحضن ۔ '' (سورۃ الطلاق آیت ۴) ۔

اس آیت قرآنی میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کی مدت کا ذکر کیا گیا ھے جن کو (بوجہ کبرسنی) حیض آنا بند ھو گیا ھو یا جن عورتوں کو (بوجہ صغر سنی) حیض نہ آتا ھو ۔

عدت کا شرعی سبب نکاح ھے ۔ اگر صغیرہ کا نکاح جائز نہ ھوتا تو عدت بعد طلاق کیوں کر واجب ھوتی؟

امام سرخسی نے ''حتی اذا بلغوالنکاح'' والی آیت کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت کا حوالہ دیتے ھوئے لکھا ھے کہ لفظ '' نکاح '' سے '' احتلام '' (جسمانی بلوغ) مراد ھے ۔[1] چنانچہ ان کے نزدیک '' حتی اذا بلغو النکاح '' والی آیت کو صغیر و صغیرہ کے نکاح کی دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا ۔

جہاں تک نابالغوں کے نکاح کی عدم ضرورت کا تعلق ھے نکاح کی جملہ مصلحتوں میں سے ایک مصلحت مرد و عورت میں موافقت ھے اور یہ مقصد کوئی شے اس قدر پورا نہیں کرتی جتنا کفو سے نکاح ' اور کفو ھر وقت دستیاب نہیں ھوتا ۔ اگر ولی بالغ ھونے کا انتظار کرے تو کفو کے ھاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ھے کہ وقت پر اس جیسا نہ ملے ۔ اس لیے نکاح کی حاجت نابالغیت میں بھی پیدا ھو سکتی ھے اور جب حاجت پیدا ھو جاتی ھے تو ولایت قائم ھو جاتی ھے ۔

البتہ زمانۂ حال میں اس کا تعین کہ پیدا شدہ حاجت نابالغ یا

---

(۱) المبسوط جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ باب النکاح الصغیر و الصغیرہ ۔

نابالغہ کے مفاد میں ہے عدالتوں کو کرنا چاہیے تاکہ بےروک ٹوک صغر سنی کی شادیوں سے جو سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں معاشرے کو ان سے محفوظ رکھا جا سکے ۔ کیونکہ موافقت کا امکان فریقین میں سمجھ بوجھ بھی چاہتا ہے اور صغر سنی کی شادی کا نتیجہ کفو ہونے کے باوجود غیر موافقت بھی ہو سکتا ہے ۔

یہ امر کہ صغر سنی کی شادیوں کو پاکستان میں ممنوع قرار دے دیا گیا ایک سماجی مسئلہ ہے ، اور اس مسئلہ کو خالص مذہبی انداز میں سوچنے کے بجائے سماجی اور معاشرتی پہلو سے بھی سوچنا اور غور کرنا چاہیے ۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں ذہن نشین رکھنی چاہیے یہ ہے کہ نابالغوں کی شادیاں کرنا کوئی امر تاکیدی نہیں ہے ، بلکہ ایک امر مباح ہے ۔ مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف ، معطل یا مقید کر سکتا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہ ہوگا کہ مقتدر اعلیٰ یا قانون ساز ادارہ ایسے نکاح کو ناجائز خیال کرتا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ معاشرتی مصالح کے پیش نظر سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے اس امر کو موقوف یا مقید کردیا ہے ۔ اسلام میں مقتدر اعلیٰ کے حق قانون سازی کو تسلیم کیا گیا ہے ۔ اس کو اختیار ہے کہ وہ بندگان خدا کو فتنہ و فساد اور شر سے محفوظ رکھنے کے لیے بعض امور کو (جو اگرچہ مباح ہیں) معطّل یا مقیّد کر دے یا اس میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے امتناعی احکام جاری کرے ۔[۲] مثال کے طور پر

---

(۲) مجمع الانہر باب کتاب القضا ، جلد دوم ، صفحہ ۱۵۰ ۔
حجۃ البالغہ ، شاہ ولی اللہ ، دہلی ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۱۲ ۔
لباب المحل ، علامہ ابن خلدون ، صفحہ ۱۲۷ ۔

قحط کے سبب عہد فاروق میں کچھ عرصے کے لیے چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو موقوف کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ایک طلاق کو تین طلاق کا قائم مقام قرار دیا گیا تھا یا حضرت فاروق اعظم نے مؤلفة القلوب کو زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا تھا، یا اس خوف کی بناء پر کہ کہیں مسلمان اہل کتاب کی آبرو باختہ عورتوں میں نہ پھنس جائیں حضرت حذیفہ بن الیمان کو یہودیہ عورت کو نکاح میں رکھنے سے منع کر دیا تھا۔

فقہاء امت میں بھی اس مسئلہ پر بحیثیت اباحت ہی بحث ہوتی ہے نہ کہ بحیثیت وجوب و سنت کے۔ دور سلف میں بھی زمانہ کے تقاضوں کو پوری پوری اہمیت دی جاتی رہی ہے:

تجویز

پاکستان میں نافذ الوقت قانون کے تحت نابالغوں کی شادی کرنا ممنوع اور قابل سزا جرم ہے۔ نابالغوں کی شادیوں کا مطلقاً ممنوع قرار دینا مصالح شرعیہ کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ نافذ الوقت قانون میں مناسب ترمیم کی جائے اور نابالغوں کی شادیوں کی اجازت دی جائے البتہ بعض مصالح کے پیش نظر یہ اجازت عدالتوں کی صوابدید پر موقوف کی جا سکتی ہے۔ مختلف اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں بھی اس قسم کی گنجائش رکھی گئی ہے چنانچہ اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہوجائے مگر نکاح کی مقررہ عمر تک نہ پہنچے اور نکاح کا خواهشمند ہو تو وہ قاضی کی اجازت سے نکاح کا اہل قرار دیا جاتا ہے۔ البتہ رخصتی کے سلسلہ میں مناسب عمر کا تعیّن کیا جاسکتا ہے مصر میں نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کا ولی کر سکتا ہے۔

۴۴۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان جس کو بلحاظ احکام شرع حق ولایت پہونچتا ہو ولی نکاح ہو سکتا ہے۔

توضیح : کوئی کافر یا مرتد مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔

تشریح

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ولی کا عاقل بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔ فاتر العقل یا نابالغ خود اپنے اوپر قدرت نہیں رکھتا اور خود اپنے معاملات میں قانوناً مختار نہیں اس لیے دوسرے کے معاملات میں ولی نہیں بن سکتا۔

جہاں تک ولی کے مسلمان ہونے کا تعلق ہے اس مسئلہ میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ ولی نکاح مسلمان ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک کافر کسی مسلمان نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ ولایت کا سبب میراث ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ''لایتوارث اهل ملتین شیئاً'' یعنی دو متفرق ملت والے وارث نہیں ہوں گے یہاں ملتین سے مراد کفر اور اسلام ہے اس لیے کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم بھی مسلمان پر کافر کی ولایت کو منع فرماتا ہے چنانچہ آیات کریمہ '' ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً ''[۳] اور '' یا ایهاالذین آمنوا لاتتخذو اباْ کم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولهم منکم فاولئک هم الظالمون''[۴] کے تحت کافر کو مسلمان پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ نیز جمہور فقہاء کے نزدیک بھی یہ اصول شہادت اور وراثت کے ضمن میں مسلم ہے۔[۵]

---

(۳) سورۃ النساء آیت ۱۴۱۔
(۴) سورہ توبہ رکوع ۳ آیت ۲۳۔
(۵) فتح القدیر ' مصر ' جلد ۲ صفحہ ۳۱۲
بحرالرائق جلد ۳ ' صفحہ ۱۳۶۔
ردالمحتار ' مطبوعہ مصر' جلد ۲ ' صفحہ ۳۲۰۔

یہی حکم مرتد کے لیے ہے چنانچہ شرعاً ایک مرتد کا نابالغ کے نکاح کر دینے کا حق بوجہ ارتداد معطل ہو جاتا ہے تاآں کہ وہ توبہ نہ کر لے اور اسلام کی طرف لوٹ نہ آئے۔[۶]

لیکن ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ع میں یہ حکم مذکور ہے کہ ''کوئی قانون یا رواج کسی ایسے شخص کو جو اپنا مذہب ترک کر دے اس کے حق یا جائداد سے محروم نہ کر سکے گا۔ اور چونکہ ولایت بھی ایک حق ہے اس لیے یہ حق بھی ترک مذہب کی بناء پر متاثر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس استثنائی قانون کے سبب بنگال کی ھائی کورٹ نے ۱۸۶۶ع میں بھو بنام ارزون کے مقدمہ میں یہ قرار دیا کہ ایک ھندو باپ عیسائی ہو جانے سے اپنی اولاد کو اپنی حفاظت میں رکھنے اور ان کی تعلیم کی نگرانی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔[۷] اس کے بعد کے مقدمے میں اسی ھائی کورٹ نے بھو بنام ارزون کے مقدمہ کا ذکر کیے بغیر یہ قرار دیا کہ ایک مسلمان باپ جو یہودی ہو گیا تھا بوجہ ارتداد اپنی بیٹی کو نکاح میں دینے کا مجاز نہیں ہے۔[۸] بمبئی کے ایک مقدمے میں بھو بنام ارزون کے مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے یہ قرار دیا گیا کہ ایک ھندو جو مسلمان ہو گیا ہو اپنے بیٹے کو دوسرے ھندو کی "تبنیت" میں دینے کے ناقابل نہیں ہے۔[۹] پنجاب کی چیف کورٹ نے بھی بھو کے مقدمہ کا اتباع کیا اور ایک مسلمان باپ کے سلسلے میں جو عیسائی ہو گیا تھا یہ فیصلہ کیا کہ بوجہ ارتداد باپ کو اپنی نابالغ اولاد کی ذات اور جائداد کی ولایت

---

(۶) ھدایہ انگریزی باب الوکالت (Agency) صفحہ ۳۹۲ -
(۷) ۱۸۶۶ع ' ۵ ویکلی رپورٹ ۲۳۵ -
(۸) بمقدمہ ماھن بی بی ' ۱۸۷۴ ' ۱۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۶۰ -
(۹) شام سنگھ بنام سنتا بائی ۱۹۰۱ع ' ۲۵ بمبئی صفحہ ۵۵۱ -

کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ۔[۱۰]

قرآن پاک مسلمانوں پر کافروں کی ولایت کو جائز قرار نہیں دیتا ۔ اس ضمن میں متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں ۔ مثلاً

"لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذ لک فلیس من اللہ فی شیٴ" ۔[۱۱]

(نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست ، مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں)

" یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض ، ومن یتولّھم منکم فانہ منھم" ۔[۱۲]

(اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں ، اور جو کوئی تم میں سے اُن سے دوستی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے ۔)

اسی طرح قرآن پاک مسلمان پر مرتد کے حق ولایت کا بھی مخالف ہے چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ :

"ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادو کفراً لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالّون " ۔[۱۳]

(جو لوگ منکر ہوئے مان کر ، پھر بڑھتے رہے انکار میں ، اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور وہی ہیں گمراہ) ۔

ایک دوسری آیت میں آیا ہے کہ :

---

(۱۰) گل محمد بنا مسماۃ وزیر ۱۹۰۱ع ، ۳۶ پنجاب ریکارڈ صفحہ ۱۹۱ ۔

(۱۱) سورۃ آل عمران ، آیت ۲۸ ۔

(۱۲) سورۃ المائدہ ، آیت ۵۱ ۔

(۱۳) سورۃ آل عمران آیت ۹۰ ۔

''من کفر باللہ من بعد ایمانہ الامن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔''[۱۴]

جو کوئی اللہ سے منکر ہوا، ایمان لانے کے بعد، مگر وہ جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا، سو اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے۔)

ایک تیسری آیت میں مذکور ہے کہ:

''ودوالوتکفرون کما کفروا فتکونون سوآء فلا تتخذو منھم اولیاء حتیٰ یھاجروا فی سبیل اللہ، فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجد تموھم ولاتتخذو منھم ولیاً ولا نصیراً۔''[۱۵]

(چاھتے ھیں کہ تم بھی کافر ھو جاؤ جیسے وہ کافر ھوئے، تاکہ پھر تم سب برابر ھو جاؤ، سو اُن میں سے تم کسی کو دوست مت بناؤ، یہاں تک کہ وطن چھوڑ آئیں اللہ کی راہ میں، پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو اُن کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو دوست اور مدد گار)

مذکورہ بالا آیات اس حقیقت پر دلالت کرتی ھیں کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ رکھی جائے۔ اسی طرح مرتد سے تعلقات کا قایم کرنا تو کجا، اُسے قتل کرنے کا حکم ہے۔ اسی حالت میں مسلمانوں پر غیر مسلم اور مرتد کی ولایت کیونکر گوارا

(۱۴) سورۃ النحل آیت ۱۰۶۔
(۱۵) سورۃ النساء آیت ۸۹۔

ہو سکتی ہے علاوہ ازیں اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں افضل دین ہونے کی حیثیت سے اس کا ماننے والا دوسرے دین کے ماننے والے کافر زیر ولایت کیونکر ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا مسلم پر غیر مسلم ولایت جائز نہیں ۔

تجویز

قرآن کریم کی آیات کافروں اور مرتدوں کے مسلمانوں پر عدم تسلط کے سلسلے میں اس امر کی مقتضی ہیں کہ مرتدوں کو مسلمانوں پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ۔

یہ امر کہ ایک مسلمان باپ کو بعد ارتداد اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر دینے کا حق ہے یا نہیں ، ولایت نکاح کا مسئلہ ہے جس سے مسلمانوں کا قانون شخصی متعلق ہونا چاہیے ۔ اس لیے ایکٹ ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء کے دائرۂ اختیار سے ولایت نکاح کے حق کو ختم کر دینا چاہیے ۔ لہٰذا اس سلسلے میں قانون میں مناسب تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے ۔

حق ولایت

۴۵۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دینے کا اختیار علی الترتیب حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا :

۱۔ باپ

۲۔ دادا (خواہ کتنی ہی اگلی پشت کا ہو)

۳۔ سگا بھائی ۔

۴۔ علاتی بھائی ۔

۵- سگا بھتیجا -
۶- علاتی بھتیجا -
۷- سگا چچا -
۸- علاتی چچا -
۹- سگا چچا زاد بھائی -
۱۰- علاتی چچا زاد بھائی اور اسی طرح دوسرے عصبات (پدری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت -
۱۱- ماں -
۱۲- بیٹے کی بیٹی -
۱۳- بیٹی کی بیٹی -
۱۴- پوتے کی بیٹی -
۱۵- بیٹی کی نواسی -
۱۶- سگی بہن -
۱۷- سوتیلا بھائی -
۱۸- سوتیلی بہن -
۱۹- دیگر ذوی الارحام (مادری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت -
۲۰- حاکم وقت یا قاضی -

تشریح

حنفیوں کے نزدیک اصلاً ولی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عصبہ بنفسہ ہو یعنی مولی علیہ (Ward) کا کسی عورت کے واسطے کے بغیر رشتہ دار ہو البتہ جب کوئی عصبہ موجود نہ رہے تو ذوی الارحام (ماں کی طرف سے رشتہ داران) کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کو نکاح میں دینے کا حق حاصل ہے اور جب کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو قاضی دوسرے اولیاء کی طرح نابالغ کا نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کے پروانۂ تقرری میں اس اختیار کا ذکر موجود ہو'

ورنہ حق ولایت حاکم وقت کو حاصل ہوگا۔[16]

امام مالک کے قول کے مطابق سوائے باپ کے کسی کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا حق حاصل نہیں[17] البتہ جب باپ موجود نہ ہو تو حق الجبر اس کے وصی (Executer) یا قاضی کی طرف منتقل ہو جائے گا[18] لیکن حنفیوں کے نزدیک جو وصی وارث نہ ہو نکاح کی اغراض کے لیے وصی نہیں ہو سکتا خواہ مرحوم باپ نے بذریعہ وصیت اس کو ولی مقرر کر دیا ہو۔[19]

امام شافعی کے قول کے مطابق باپ اور دادا کے سوائے کسی اور کو ولایت نکاح کا حق نہیں پہونچتا۔[20]

شیعہ اس مسئلہ میں امام شافعی سے متفق ہیں چنانچہ ان کے نزدیک بھی جبر ولایت صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے۔[21] اور کسی دوسرے رشتہ دار کو حاصل نہیں۔ البتہ باپ اور دادا کے نہ ہونے کی صورت میں حق ولایت وصی یا حاکم کو منتقل ہو جائے گا۔

ہمارے نزدیک احناف کا نقطہ نظر نفسیات انسانی کے عمیق مطالعہ پر مبنی ہے، اور بمقابلہ دیگر مذاہب فکر کے انسب ہے۔

---

(۱۶) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۱۹۳-۱۹۲۔
بحرالرائق، جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۔
ردالمحتار درمختار جلد ۲ صفحہ ۳۱۹۔
فتح القدیر، ۴۱۴-۴۰۵۔
(۱۷) المبسوط، سرخسی، جلد۔۴، صفحہ ۲۱۳۔
(۱۸) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، جلد اول صفحہ ۱۵۲۔
(۱۹) درمختار، جلد ۲ (حاشیہ رد المحتار) صفحہ ۳۲۲۔
(۲۰) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۱۴۔
المغنی جلد ۶، صفحہ ۳۸۹۔
(۲۱) شرایع الاسلام (عربی) مطبوعہ طہران صفحہ ۱۷۳۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ولایت نفس ولایت مال کی طرح ایک حق ہے اور ولایت کی بنیاد قرابت ہے، جو ولی بہ اعتبار رشتہ جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اس کے دل میں اپنے مولیٰ علیہ (Ward) کے لیے شفقت زیادہ ہوگی۔ اس اصول کے پیش نظر کہ ولایت خاص ولایت عام سے زیادہ قوی ہوتی ہے، محض باپ یا باپ اور دادا کے بعد نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا اختیار قاضی یا حاکم وقت کو سونپ دینا اس بناء پر مولیٰ علیہ کے لیے مفید قرار نہیں دیا جا سکتا کہ قاضی یا حاکم وقت کا درجہ دیگر اولیاء کے بعد ہے۔ ولی کی موجودگی میں یہ قیاس ثابت ہے کہ قاضی یا حاکم وقت نابالغ یا نابالغہ کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مولیٰ علیہ کے مفادات کا جو تحفظ خونی رشتہ دار ہونے کے سبب ولی کرسکتا ہے قاضی یا حاکم وقت نہیں کر سکتا۔ اس دلیل کی بناء پر یہ بات صحیح تر ہے کہ خونی رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت ہی میں قاضی یا حاکم وقت کو نابالغ کے نکاح میں جبر ولایت حاصل ہونا چاہیے۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت

۴۷۔ قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قریب تر ولی غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی مولیٰ علیہ کا نکاح کر دینے کا مجاز ہوگا۔

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ ولی اقرب ولی ابعد کے حق ولایت کو معدوم کر دیتا ہے۔[۲۲]

امام محمد کے نزدیک اگر نابالغ کا نکاح بعید تر ولی کر دے جب کہ قریب تر ولی موجود ہو تو ایسا نکاح قریب تر ولی کی

(۲۲) ہدایہ انگریزی۔صفحہ ۳۷۔
ردالمحتار، جلد ۲ صفحہ ۳۲۲۔ بحرالرائق جلد ۳ صفحہ ۱۳۵۔

اجازت پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ بعید تر ولی قریب تر ولی کی موجودگی میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے۔[۲۳]

امام شافعی کا قول ہے کہ اگر ولی موجود نہ ہو تو مولیٰ علیہ کا نکاح حاکم وقت کرے گا اور امام زفر کا کہنا ہے کہ اس کا نکاح کوئی نہ کرے تاآں کہ قریب تر ولی نہ آ جائے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ ولی ابعد کے لیے ولی اقرب کی موجودگی میں اپنے حق ولایت کا حصول ناممکن ہے اس لیے ولایت حاکم وقت کو دفع ظلم کی غرض سے حاصل ہو جاتی ہے اور وہ نکاح صغیر یا صغیرہ کا مجاز ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ اقرب سے ابعد محجوب ہو جاتا ہے اور اقرب کی ولایت غیبت کے باوجود قائم رہتی ہے اور منقطع نہیں ہوتی جس طرح کہ محض غیبت سے حق وراثت منقطع نہیں ہوتا، اور چونکہ ولی اقرب کی ولایت باوجود غیبت قائم اور باقی رہتی ہے اس لیے ولی ابعد کو نکاح نہ کرنا چاہیے کیونکہ دو ولایتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں ـــــ اور اسی طرح چونکہ حاکم وقت کی ولایت، ولایت ابعد سے بھی بعید (متاخرہ) ہے اور چونکہ ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کی ولایت ثابت نہیں اسی طرح حاکم وقت کی ولایت بھی قائم نہیں ہو سکتی چنانچہ ولی اقرب اگر غیر ظالم ہے اور سفر میں ہے تو حاکم وقت اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔[۲۴]

امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اگر قریب تر ولی غائب ہو اور غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی کو اس امر کا اختیار ہوگا کہ وہ مولیٰ علیہ کا نکاح کر دے ان

---

(۲۳) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰۔

(۲۴) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰۔

کی دلیل یہ ہے کہ ولی اقرب کے غیبت منقطعہ پر ہونے کی صورت میں اگرچہ اس کی ولایت ختم یا منقطع نہیں ہوئی لیکن معطل ضرور ہوگئی کیونکہ وہ اپنے حق ولایت کے استعمال سے قاصر ہے اور چونکہ وہ قاصر ہے اس لیے ولی ابعد کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مولٰی علیہ کا نکاح کر دے۔

یہ سوال کہ کون سی غیبت (غیر موجودگی) غیبت منقطعہ کہلائے گی ایک اہم سوال ہے۔ فقہی اصطلاح میں غیبت منقطعہ بالعموم ایک سال کی مسافت کو کہتے ہیں۔ بعض فقہاء نے اسے تین یوم (دن اور رات) کی مسافت بھی کہا ہے اور متاخرین کے ایک گروہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک بغرض احکام ولایت نکاح صرف اس قدر مسافت غیبت منقطعہ ہے جس میں نماز قصر کرنے کا حکم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض کے نزدیک ایسے غائب کی غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی جس کے پاس سے خبر آنے تک جس کفو سے نکاح ہو رہا ہے وہ انتظار نہ کر سکے، اور یہ قول احسن ہے۔[۲۵]

موجودہ زمانہ میں جب کہ مہینوں اور سالوں کے فاصلے چند گھنٹوں میں اور دنوں میں طے ہو جاتے ہیں غیبت منقطعہ کیا ہے اس کا فیصلہ ہر مقدمہ کے حالات کے مطابق کیا جانا چاہیے۔ نیز یہ کہ غیبت منقطعہ کے اصول کا اطلاق محض فاصلہ یا دوری پر نہ ہوگا بلکہ ان تمام اسباب پر بھی کیا جا سکے گا جن کی بناء پر ولی اقرب اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو۔

---

(۲۵) المبسوط، سرخسی، جلد ۴، صفحہ ۲۱۳-۱۹۲۔
فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مصطفائی، ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۶۶۔
فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۶۔ شرح وقایہ صفحہ ۲۸۶۔

چنانچہ جہاں قریب تر ولی اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو مثلاً بیماری قید یا کسی دیگر پریشانی کے سبب یا اس قدر فاصلے پر ہو کہ اس کے آنے یا اس کی رضامندی حاصل ہونے تک کنو ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو بعید تر ولی کو حق ولایت حاصل ہو جائے گا اور اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح

۴۷۔ اگر ولی اقرب موجود ہو مگر نابالغ کا نکاح ولی ابعد کر دے تو اس کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

تشریح

اگر نابالغ کا نکاح ولی ابعد کر دے جب کہ ولی اقرب موجود ہو تو ایسا نکاح باطل نہ ہوگا بلکہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔[۲۶] چنانچہ اگر ولی اقرب اجازت دے دے تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔ اس اصول کی بنیاد "نکاح فضولی" کے نظریہ پر ہے کہ اگر کوئی شخص غیر مجاز کسی شخص کا نکاح کر دے تو وہ نکاح اس شخص کی اجازت پر منحصر ہوگا۔

دو ہم درجہ اولیاء کی صورت میں ایک کے نکاح کر دینے کا اثر

۴۸۔ اگر دو ہم درجہ ولی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک مولٰی علیہ (Ward) کا نکاح کر دے تو جائز ہوگا۔

تشریح

اگر کسی نابالغہ کے دو سگے بھائی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک اس کا نکاح کر دے تو ایسا نکاح صحیح ہوگا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ ایسی صورت میں ایک ولی کا نکاح کر دینا جائز نہیں جب تک کہ دونوں مل کر نکاح نہ کریں

(۲۶) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰۔
ردالمحتار، جلد ۲، صفحہ ۳۲۳۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ بھائی باپ کا قایم مقام ہوتا ہے اس لیے نکاح کے نافذ ہونے کے لیے ان دونوں بھائیوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے۔

لیکن اجماع اس پر ہے کہ جب دو ہم درجہ ولی ہوں تو جو ولی نکاح پہلے کردے اس کا کیا ہوا نکاح صحیح تر اور قابل ترجیح ہے چنانچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح کر دینا جائز ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ولایت کی بناء قرابت ہے اور قرابت کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نکاح کردے تو وہ جائز ہوگا اس لیے کہ قرابت کی صفت ہر ایک کے حق میں بدرجۂ کمال موجود ہے جو ناقابل تقسیم ہے اس لیے دونوں میں سے ہر بھائی بنفسہ باپ کا قایم مقام ہے۔[۲۷]

---

(۲۷) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحات ۱۹-۲۱۸۔
ردالمحتار، جلد ۲ صفحہ ۳۲۳۔
فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۴۱۷۔

چھٹا باب

خیار بلوغ

خیار بلوغ کی تعریف

۴۹۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا بہ زمانۂ نابالغیت ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہو جانے پر رد کر دینے کا اختیار "خیار بلوغ" کہلاتا ہے۔

خیار بلوغ کا حق

۵۰۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کو اس کے ولی کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ یا رد کرنے کے لیے خیار بلوغ کے استعمال کا حق حاصل ہے خواہ وہ نکاح اس کے باپ دادا یا کسی بھی ولی کا کیا ہوا ہو۔

تشریح

حنفیہ مکتب فکر کے نزدیک علاوہ امام ابو یوسف[1] کے یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ اگر کسی دوسرے ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ (نابالغ یا نابالغہ) بالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کر کے اس نکاح کو جو ان کے ولی نے بہ زمانۂ نابالغیت کیا ہو رد کر سکتے ہیں۔[2]

چونکہ مالکیہ کے نزدیک صرف باپ اور شافعیہ کے نزدیک

(۱) امام ابو یوسف کے نزدیک نابالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہے خواہ نکاح باپ دادا نے کیا ہو یا کسی اور ولی نے البتہ اگر نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو تو امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک لڑکی بالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کر سکتی ہے۔

(۲) واذا بلغ الصغیر والصغیرة وقد زوجہما الاب و الجد لاخیار لہما، ولہما خیار البلوغ فی نکاح غیر الاب والجد عند ابی حنفیہ و محمد وقال ابو یوسف لاخیار لہما۔ (فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ کتاب النکاح صفحہ ۱۶۶)۔

صرف باپ اور دادا کو ولایت نکاح حاصل ہے ۔ اس لیے ان کے یہاں باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ مالکیوں کے نزدیک جو نکاح باپ اور شافعیوں کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور (ولی) نے کیا ہو، سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا ۔

شیعہ فرقے کے ائمہ کے نزدیک بھی باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حق استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی ولی ابعد نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا تو وہ نکاح باپ یا دادا (جیسی بھی صورت ہو) کی اجازت پر موقوف ہوگا ۔ اگر اجازت دے دی گئی تو صحیح ہو جائے گا ورنہ باطل ۔ نیز باپ یا دادا (جیسی بھی صورت ہو) کی اجازت کے بعد وہ نکاح اپنے اثر و نفوذ کے لحاظ سے وہی حکم رکھے گا جو ان کے اپنے کرائے ہوئے نکاح کا ہوتا ۔ چنانچہ ایسی صورت میں بھی نابالغ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر اس نکاح کو رد کرنے کے مجاز قرار نہیں دیے گئے ۔[۳]

حنفیہ مکتب فکر میں اگرچہ تمام ائمہ کا اس امر میں بالکلیہ اتفاق ہے کہ باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ بطور مجرّد حق کے استعمال نہیں کیا جا سکتا لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب کہ نامناسب مہر پر نکاح کر دیا گیا ہو یا جب کہ نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا گیا ہو تو لڑکی بالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کر سکتی ہے باوجودیکہ اس کا نکاح باپ یا دادا نے کیا ہو ۔ لیکن امام ابوحنیفہ ایسے نکاح کو عدم کفأت یا قلت مہر کی بناء پر فسخ کرنے

(۳) شرائع الاسلام ، کتاب النکاح ، طہران صفحہ ۱۲۵ ۔

ابن مسعود، عمر ابن عبدالعزیز، عبید ابن عمیر، حماد ابن ابی سلیمان، ابن عون، امام مالک اور امام شافعی و غیر ھم نکاح کے سلسلے میں کفأت کے اشتراط کے قائل نہیں ھیں۔ حنفیہ میں بھی امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصاص نکاح میں کفأت کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ھیں۔[10]

ثبوت کفأت کے سلسلے میں بیان کردہ احادیث جن کو بیہقی نے کتاب النکاح باب الکفأت میں نقل کیا ھے، سوائے ایک حدیث کے جو حضرت علی سے مروی ھے، تمام احادیث کو خود بیہقی نے ضعیف اور ناقابل حجت لکھا ھے۔

چنانچہ آیات قرآنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی احادیث کا جائزہ لینے کے بعد ھم اس نتیجہ پر پہنچتے ھیں کہ نکاح میں کفأت کا لحاظ بدرجۂ اولیٰ ھے۔ خود جواز نکاح کی کوئی شرط نہیں ھے۔ اگر ممکن اور موجود ھو تو بہتر ھے۔

نتیجۂ فکر :

خصوصاً موجودہ دور میں اس کا التزام قریباً ناممکن ھے البتہ ایسے خاندانوں میں جن کے اندر پشتہا پشت سے کفأت کا لحاظ رہا ھو اور اس کو برابر اھمیت دی جاتی رھی ھو، اس کا لحاظ اور التزام کیا جائے گا اور اگر ایسے خاندان کی کوئی لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو سے نکاح کر لے جو اس کے اھل خاندان کے لیے ننگ و عار کا باعث ھو تو لڑکی کا ولی از روے شرع عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ پیش کرنے کا مجاز ھوگا۔

---

(۱۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ھوں :
المغنی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۹ صفحہ ۴۸۰ -
رد المحتار، جلد ۲ باب الکفأت صفحہ ۱۳۶ -
بیہقی، مطبوعہ دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۷ صفحہ ۱۳۶ -
بحرالرائق جلد ۳ مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۳۹ -

کفأت کا لحاظ

۵۸۔ کفأت کا لحاظ نکاح کے وقت کیا جائے گا۔

تشریح

تمام ائمہ اس امر پر متفق ہیں کہ کفأت کا اعتبار نکاح کے وقت کیا جائے گا۔ نکاح کے بعد اس کا قایم رہنا معتبر نہیں۔[11] چنانچہ یہ سوال کہ شوہر کفو ہے یا غیر کفو' اس کا فیصلہ اس وقت کے حالات و شواہد سے کیا جائے گا جب کہ نکاح ہوا۔ اگر بعد میں عدم کفأت کے اسباب پیدا ہوئے ہوں تو عدم کفأت کی بناء پر نکاح فسخ نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر نکاح کے وقت مرد نیک و پرہیزگار تھا لیکن بعد میں فاسق و فاجر ہو گیا تو عدم کفأت کی بناء پر نکاح فسخ نہ کرایا جا سکے گا۔

عدم کفأت اور صحت نکاح

۵۹۔ اگر بالغہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا اور وہ بر بنائے عدم کفأت عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا مجاز ہے۔

تشریح

ظاہری روایات کے مطابق امام ابو حنیفہ نے ایسے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے جو بالغہ عورت نے غیر کفو میں کر لیا ہو۔ آخر میں یہی قول امام ابو یوسف و امام محمد سے بھی منقول ہے البتہ عورت کے ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور وہ عدالت کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے لیکن جب تک عدالت کی جانب سے بربنائے خصومت اولیاء تفریق واقع نہ ہوئی ہو اس

(۱۱) فتاویٰ قاضی خان باب الکفاءۃ۔
بحر الرائق جلد ۳ مطبوعہ مصر' صفحہ ۱۳۹
در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۲۱۔
احکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیہ دفعہ ۶۲۔

وقت تک طلاق و ظہار و ایلا و باہمی وارثت وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے۔[۱۲]

یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر کفأت جواز نکاح کی شرط نہیں ہے تو پھر ولی کا بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق کیونکر پیدا ہوا ؟ دراصل کفأت اولیاء کے حق کی بناء پر ہے نہ کہ عورت کے حق کی بناء پر ، اس لیے اولیاء کو معقول وجہ کے سبب اعتراض کا حق دیا گیا ہے ۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اولیائے تزویج کے برخلاف ، عدم کفأت کی بناء پر اعتراض کا حق صرف ولی عصبہ کو حاصل ہے ذوی الارحام یا حاکم عدالت کو عدم کفأت پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں[۱۳]: اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے غیر کفو میں نکاح کرنے کا براہ راست اثر اس کے اہل خاندان پر پڑتا ہے چنانچہ اس عار کے سبب جو اس کے خاندان والے محسوس کرتے ہیں ، صرف ولی عصبہ کو یہ حق ہے کہ وہ عدم کفأت کی بناء پر بذریعہ عدالت ایسے نکاح کو فسخ کرا سکے ۔[۱۴]

---

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری جلد دوم (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۱ ۔
فتاویٰ قاضی خان جلد اول صفحہ ۳۶۴ ۔
بحرالرائق ، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ ۔
درمختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ ۔
احکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیہ دفعہ ۶۲ ۔

(۱۳) "ان الکفاءۃ فی الامور المذکورۃ من حق الولی بشرط ان یکون عصبۃ ، ولو کان غیر محرم ۔۔۔ اما ذوی الارحام ، والام ، والقاضی فلیس لھم حق فی الکفأت (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مولفہ عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعہ مصر ، ۱۹۳۸ع صفحہ ۵۶) ۔

(۱۴) کنز الدقایق ، مطبوعہ مطبع مجتبائی ، دھلی ، صفحہ ۱۰۲ ۔

ولی کا حق اعتراض کب ساقط ہوگا

۶۰۔ ولی کا حق اعتراض عورت کے بچہ پیدا ہو جانے کے بعد ساقط ہو جائے گا۔

تشریح

اس امر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے کہ ولی عدم کفأت کی بناء پر فسخ نکاح کی درخواست کس قدر مدت میں عدالت میں پیش کرے، چنانچہ بعد علم و اطلاع اگر ولی سکوت اختیار کرے تو اس خاموشی سے اس کا حق اعتراض ساقط نہیں ہو جاتا (الّا یہ کہ اس کی خاموشی بمنزلۂ رضا مندی ہو) لیکن اس امر پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ عورت کے اولاد پیدا ہو جانے کے بعد ولی کا حق اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اولاد کی پیدائش کے بعد عورت کے لیے ایک قریب تر تعلق پیدا ہو جاتا ہے نیز یہ کہ شرافت اولاد کا بھی حق ہے اور کون اولاد یہ پسند کرے گی کہ اس پر اس کے باپ کی ذلت کی مہر لگے![15]

عدم کفأت کی بناء پر تفریق

۶۱۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بحکم عدالت ہوگی۔

تشریح

اگر عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا ہو تو ولی کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے مگر تفریق حکم عدالت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔[16]

لہذا تاآں کہ حاکم عدالت فسخ نکاح کی ڈگری دے، نکاح

(۱۵) "ثم اذا سکت الولی عن الاعتراض حتی ولدت المرأۃ فان حقہ یسقط فی الکفأت" (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ مولفہ عبدالرحمن الجزیری مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ع صفحہ ۵۶)۔

(۱۶) سراج الوهاج بحوالہ عالمگیری جلد دوم (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۳۔

قائم رہے گا چنانچہ اگر عدالتی کارروائی کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔[۱۷]

عدم کفاءت کی بناء پر تفریق کا اثر

۶۲۔ عدم کفاءت کی بناء پر تفریق بمنزلۂ فسخ نکاح ہوگی۔

تشریح

عدم کفاءت کی بناء پر عدالت کے زوجین میں تفریق کرانے کی صورت میں اگر دخول نہ ہوا ہو تو نہ کوئی مہر واجب ہوگا نہ عدت، لیکن اگر دخول ہو گیا ہو تو زوجہ مہر کی مستحق ہوگی اور عدت لازم ہوگی نیز دوران عدت مرد پر نفقہ بھی واجب ہوگا۔[۱۸]

---

(۱۷) بحرالرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۷۔
(۱۸) فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی (اردو ترجمہ) باب پنجم اکفاء صفحہ ۱۷۳۔
در المختار بر حاشیہ ردالمحتار مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۰۶۔

آٹھواں باب

خلوت صحیحہ

خلوت صحیحہ کی تعریف

۴۳۔ خلوت صحیحہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا کسی ایسی جگہ ، مکان ، یا حصہ مکان میں تنہا جمع ہونا جہاں باہم صحبت کرنے سے کوئی جسمانی ، طبعی یا شرعی مانع موجود نہ ہو ۔

توضیح : وہ جگہ ، مکان یا کمرہ ایسا ہو جہاں دونوں کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو ۔

تشریح

خلوت کے لفظی معنی تنہائی کے ہیں قانون ازدواج میں اس سے زوجین کا تنہا جمع ہونا مراد ہے ۔

خلوت کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ خلوت صحیحہ ۔ اور

۲۔ خلوت فاسدہ ۔

خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور زوجہ دونوں ایسی جگہ تنہا جمع ہوں کہ جہاں ان کی اجازت کے بغیر کوئی نہ آسکے یا اندھیرے یا کسی دیگر سبب سے کسی کو ان کے ہونے کی اطلاع نہ ہو :

مگر شرط یہ ہے کہ شوہر یہ جانتا ہو کہ وہ عورت اس کی زوجہ ہے ۔

جہاں تک موانع کا تعلق ہے ان کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ جسمانی موانع ۔

۲- طبعی موانع - اور
۳- شرعی موانع -

جسمانی موانع :

جسمانی موانع سے یہ مراد ہے کہ مرد یا عورت ایسی بیمار ہو جو صحبت سے مانع ہو یا صحبت کرنے سے ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو -

طبعی موانع :

طبعی موانع سے یہ مراد ہے کہ عورت حائضہ ہو یا انفاس سے ہو -

شرعی موانع :

شرعی موانع سے یہ مراد ہے کہ مرد یا عورت فرض روزہ سے ہو یا فرض نماز میں مشغول ہو -

اگر مرد مجبوب (جس کے آلت اور خصیے کٹے ہوئے ہوں) یا عنین (نامرد) یا خصی (جس کے خصیے نکال لیے گئے ہوں) ہو تو ایسا ہونا خلوت صحیحہ کے مانع نہ ہوگا[1] کیونکہ تجربہ میں یہ آیا ہے کہ مجبوب اور عنین بعض حالتوں میں اپنی ان علّتوں کے باوجود عورت کا مقصد پورا کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور اسی بناء پر فقہاء نے اسے خلوت صحیحہ کے درجہ میں رکھا ہے -

خلوت صحیحہ کا اثر

۶۴- (الف) خلوت صحیحہ اپنے اثر کے اعتبار سے حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کی قایم مقام متصور ہوگی :

(۱) کل مہر کے لازم ہونے میں -

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان ' مطبوعہ ہند جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ -
شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور ' صفحہ ۳۹۸ -
فتاوی عالمگیری (اردو ترجمہ) صفحات ۹۲-۱۹۳ -

(۲) نسب اولاد ثابت ہونے میں ۔

(۳) عدّت کے واجب ہونے میں ۔ اور

(۴) نفقہ دران عدّت کے واجب ہونے میں ۔

(ب) حسب ذیل صورتوں میں خلوت صحیحہ وطی (صحبت) کے قائم مقام متصور نہ ہوگی :

(۱) بکارت زائل ہونے میں ۔

(۲) سنگ ساری کے حکم میں ۔

(۳) زوجہ کی لڑکی (پہلے شوہر سے) کے حرام ہونے میں ۔

(۴) رجعت میں ۔ اور

(۵) میراث میں ۔

خلوت فاسدہ

۶۵۔ خلوت فاسدہ کے معنی ہیں مرد و عورت کا کسی ایسی تنہا جگہ ، مکان یا حصہ مکان میں جمع ہونا جہاں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو لیکن دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو حقیقتاً صحبت کرنے پر قدرت نہ ہو ۔

خلوت فاسدہ کا اثر

۶۶۔ خلوت فاسدہ کی صورت میں عدت اور نفقہ استحساناً واجب ہوگا ۔

تصویب

براہ کرم "شرح قانون مہر" کی دفعات کا سلسلہ نمبر درست فرما لیجیے :

صحیح	غلط
۶۷–۸۲	۶۶–۸۱

شرح
قانونِ مہر

نواں باب

مہر

مہر کی تعریف

۶۶۔ مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو شرعاً عورت مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

تشریح

مہر میں "مال" کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ مہر سے اصل مقصود مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم"[1] یعنی حلال کیں تمھارے واسطے علاوہ ان عورتوں کے، کہ تم خواہش کرو ان کی مال کے بدلے میں۔

مہر در اصل اس مال کا نام ہے جو عورت کو نکاح میں اس سے استمتاع کے عوض دیا جاتا ہے خواہ نکاح صحیح ہو یا فاسد یا وطی بالشبہ ہو[2] قاضی خان نے مہر کو ملک بضع کا بدل کہا ہے[3]۔

مہر ہر ایسی جائز شے قرار پا سکتا ہے جو اپنے اندر مالیت رکھتا ہو۔ چنانچہ نقدی، مال تجارت، جائداد، کمپنی کے حصص

---

(۱) پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۴ آیت ۲۴۔

(۲) فھو (الصداق) اسم للمال الذی یجب للمرآۃ فی عقد النکاح فی مقابلۃ الاستمتاع بھا و فی الوط بالشبہ او نکاح فاسد او نحوذالک (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ،ولفہ عبدالرحمٰن الجزیری، مصر، جلد ۴، صفحہ ۹۴)۔

(۳) اما المھر بدل البضع وقد ،لک بضعھا فیطالب بہ (فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ھند، صفحہ ۱۷۷)۔

(Shares) یا منافع (Dividend) ، بیمہ پالیسی وغیرہ مہر میں طے کی جا سکتی ہیں :

مگر شرط یہ ہے کہ اس شے پر قبضہ و تصرف ممکن ہو ۔

مہر کی مقدار

٦٧۔ مہر کی کم از کم مقدار ساڑھے تین روپے پاکستانی یا اس کی مساوی قیمت کی کوئی شے ہے ۔ زائد کی کوئی حد نہیں ۔

تشریح

ظاہری روایات کے مطابق حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً ساڑھے تین روپے پاکستانی) ہے[۴] ۔ یا اس کی مساوی مالیت کی کوئی شے ہو سکتی ہے ۔

امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار تین اور بقول بعض پانچ درہم ہے[۵] ۔

اگر کوئی شخص دس درہم سے کم مہر باندھے اور عورت اس پر راضی ہو ، تب بھی دس درہم مہر دینا ہوگا کیونکہ شرعی حکم دس درہم کا ہے چنانچہ امام محمد نے اپنی موطا میں لکھا ہے کہ کم سے کم مقدار دس درہم ہے[٦] ۔

حنفی فقہ میں کم از کم مہر کا تعین کر دیا گیا ہے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے ۔ لیکن شیعہ فرقے میں مہر کی کم از کم شرعی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا ۔

مہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا مال یا مالی منفعت ہو جس سے مستفید ہونا شرعاً درست ہو چنانچہ لحم خنزیر یا شراب کسی

---

(۴) "لامهراقل من عشرة دراهم" (حدیث مروی ابن ابی حاتم) ۔

(۵) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ، باب المہر صفحہ ۳۹۱ ۔

(٦) موطا امام محمد ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۲۲۹ ۔

عورت کا مہر نہیں ہوسکتی - اگر ایسی کوئی شے بطور مہر مقرر کی گئی ہو تو وہ مہر (مسمی) ناجائز ہوگا لیکن نکاح صحیح ہوجائے گا اور مرد کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا[۷] -

امام مالک کے نزدیک ایسا نکاح فاسد ہوگا اور دخول سے قبل فسخ کیا جا سکے گا لیکن اگر صحبت ہو گئی ہو تو نکاح لازم ہو جائے گا اور عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی -

اقسام مہر

۶۸- مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں :

(۱) مہر مسمی -

(۲) مہر مثل -

مہر مسمی : اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح مابین زوجین مقرر ہوا ہو - اس کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں :

(الف) مہر معجل -

(ب) مہر موجل -

مہر معجل : اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو-

مہر موجل : اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو -

تشریح

مہر مسمی کا اعتبار نکاح صحیح میں کیا جاتا ہے، نکاح فاسد میں نہیں، کیونکہ نکاح فاسد صحیح معنی میں نکاح ہی نہیں ہوتا - چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں جب کہ دخول ہو چکا ہو مہر مسمی

(۷) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، مولفہ عبدالرحمٰن الجزیری، مصر جلد ۴ کتاب المہر، صفحہ ۹۷ -

یا مہر مثل جو کم ہو مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے ۔ یہ مہر وطی (جماع) کے سبب واجب ہوتا ہے نفس نکاح کے سبب نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں مرد کے حق میں ملک بضع پیدا نہیں ہوتی اسی لیے فقہاء نے نکاح فاسد میں وطی کے سبب زر مہر کو عقر (تاوان) سے تعبیر کیا ہے ۔

مہر مثل : مہر مثل امثال و اقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو ۔

تشریح

مہر مثل کے تعین کے لیے عورت کے باپ کی رشتہ دار عورتوں کے مہروں کو دیکھا جائے گا ۔ مثلاً پھوپیوں، سگی بہنوں اور چچا زاد بہنوں کا مہر ۔

مہر مثل کے تعین کے لیے مثل عورتوں کی عمر، حسن و جمال، علم و عقل، دینداری، اور کردار کا لحاظ بھی کیا جائے گا[۸] ۔

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مہر مثل کے تعین میں ان عورتوں کے شوہروں کے حسب اور مال کو بھی دیکھا جائے گا[۹] لیکن اگر اس عورت میں کچھ ذاتی اوصاف ہوں تو ان کا بھی لحاظ کیا جانا چاہیے ۔

لزوم مہر

۶۹۔ اگر معاہدہ نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو شرعاً مہر لازم تصور کیا جائے گا اور مرد پر مہر مثل واجب ہوگا ۔

توضیح : اگر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تو شرط ساقط ہوگی اور مہر مثل واجب ہوگا ۔

---

(۸) ہدایہ انگریزی صفحہ ۱۲۸ ۔
قدوری (عربی) صفحہ ۱۵۳ ۔

(۹) فتح القدیر (عربی) مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ ۔

تشریح

حنفیوں کے نزدیک مہر نکاح کے جواز کی ایک شرط ہے چنانچہ ان کے نزدیک مہر کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک مہر نکاح کی شرط نہیں ہے اور نکاح بغیر مہر کے جائز ہو جائے گا ۔

لزوم مہر کی نوعیت :

اگر کوئی عورت اپنا نکاح کسی مرد سے کرے اور وہ مرد عورت کا کوئی مہر مقرر نہ کرے یا مہر کے ذکر پر خاموش رہے یا اس عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کا کوئی مہر نہ ہوگا اور وہ عورت اس پر راضی ہوجائے تب بھی حنفیوں کے نزدیک نفس عقد کی بناء پر مہر مثل واجب ہو جائے گا اور عورت کو مہر مثل طلب کرنے کا حق ہوگا ۔ اگر عورت دخول سے قبل مر جائے تو اس کے شوہر سے اس عورت کا مہر مثل لیا جائے گا اور اگر شوہر دخول سے قبل مر جائے تب بھی وہ عورت اپنے مہر مثل کی مستحق ہوگی جو متوفی کے ترکہ سے لیا جائے گا ۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک نفس عقد کی بناء پر مہر مثل واجب نہیں ہوتا ۔ ان کے نزدیک صرف دو صورتوں میں مہر واجب ہوتا ہے ایک اس صورت میں جب کہ مہر مقرر کر لیا جائے اور دوسرے دخول کی صورت میں ۔ چنانچہ اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دخول سے پہلے کسی ایک کی وفات ہو جائے تو امام شافعی کے نزدیک مہر مثل واجب نہ ہوگا لیکن اگر دخول ہو جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا ۔ اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو اور دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک بلا اختلاف مہر مثل واجب نہیں ہوگا بلکہ متعہ (کپڑوں کا ایک جوڑا) واجب ہوگا ۔

اس امر میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح صحیح ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح مہر کے انکار کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضو لھن فریضۃ'' کہ نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اگر تم طلاق دو اپنی بیویوں کو جن کو تم نے نہ چھوا ہو اور ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو ۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسے نکاح میں جس میں مہر مقرر نہ ہوا ہو طلاق دینے پر کوئی گناہ نہیں اور طلاق چونکہ نکاح کے بعد دی جاتی ہے اس لیے یہ آیت مہر مقرر کیے بغیر نکاح کےجواز کی دلیل ہے۔

امام شافعی کی دلیل :

امام شافعی اپنے قول کے ثبوت میں آیت کریمہ ''وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ'' کو پیش کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے مہر کو ''نحلہ'' سے تعبیر کیا ہے اور ''نحلہ'' عطیہ کو کہتے ہیں چنانچہ مہر فی الحقیقت ایک صلۂ زائد ہے جو نفس نکاح سے واجب نہیں ہوتا ۔ ان کے نزدیک مقاصد نکاح کی تکمیل کے لیے ملک مہر کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے مہر ایک زائد ذمہ داری ہے جو عورت کے لیے ایک صلۂ زائد کی حیثیت رکھتی ہے جو بغیر طے کیے مرد پر واجب نہیں ہو سکتا (الا یہ کہ دخول ہوچکا ہو) چنانچہ امام شافعی کے نزدیک اگر مہر طے نہ ہو تو محض نفس عقد کی بناء پر واجب نہ ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال :

حنفیہ اپنے قول کے استدلال میں قرآن پاک کی آیت :

''واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم'' کو پیش کرتے ہیں ۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مال دینے کی شرط پر حلال کیا ہے ' اس لیے بغیر مال کے نکاح جائز نہ ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ عورتیں ابتغاء مال کی شرط پر حلال کی گئیں ہیں اس لیے بغیر اس شرط کے وہ حلال نہیں ہو سکتیں۔

حنفیوں کے نزدیک بضع اور جان محترم ہیں اور اباحت اس شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے چنانچہ عدم شرط کے باوجود ان کی حرمت اپنی اصل پر قائم رہے گی اور شرط سے معلق ہونا ان کی اصل پر اثر نہ ڈالے گا اسی لیے اگر یہ شرط کر لی گئی کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تب بھی وہ شرط باطل قرار پائے گی اور مرد کے ذمہ مہر مثل واجب ہوگا۔

حنفیہ اپنے قول کے اثبات میں حسب ذیل حدیث[10] سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ''علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے اس عورت کے مہر کے بارے میں پوچھا جس کا شوہر اس کا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا ہو آپ نے جواب میں تردد فرمایا اور کہا کہ اس کے بارے میں نہ تو مجھے کتاب اللہ میں کچھ ملتا ہے اور نہ ھی میں نے رسول اللہ سے کچھ سنا ہے۔ اس لیے میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر میں صحیح ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول بری ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے اپنی رائے سے فرمایا کہ ایسی عورتوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے مانند عمل کیا جائے گا۔ عبداللہ بن مسعود کا

---

(١٠) اس حدیث کو امام ابو حنیفہ نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم نخعی سے بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو موطا امام محمد (عربی اردو) قرآن محل کراچی ' صفحہ ٢٣٩ ح ٥٢٣ ۔

یہ فتویٰ سن کر وہ شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ نے بروع بنت واشق الاشجعیۃ کے معاملے میں ایسا ہی فیصلہ دیا تھا ۔ پھر ایک شخص اشجع قبیلہ کا کھڑا ہوا اور کہا کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں ۔ عبد اللہ بن مسعود اپنے فیصلے کو رسول اللہ کے فیصلے سے موافق پاکر بہت خوش ہوئے اور ایسے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے"۔

احناف اپنے نظریہ کے اثبات میں استدلال سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نکاح کے مقاصد اس کے دوام کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے اور نکاح کا دوام نکاح کی بناء پر وجوب مہر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ اگر نفس عقد کے ساتھ مہر واجب نہ ہو تو مرد کے لیے خشونت و ناگواری کے عالم میں طلاق دے دینا ایک آسان فعل ہو جائے گا۔ اس لیے مہر کا وجوب نکاح کی مصلحتوں اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے جو باھمی موافقت سے حاصل ھوتا ہے اور باھمی موافقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ عورت کا مہر مرد کے نزدیک عزیز و مکرم نہ ہو ۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب :

امام شافعی کے مہر کو عطیہ قرار دینے کا ذکر کرتے ہوئے حنفی فقہا نے لکھا ہے کہ جہاں تک امام شافعی کا مہر کو عطیہ کے معنی میں ذکر کرنے کا تعلق ہے تو حقیقت میں نحلہ کا لفظ "دین" اور "قرض" کے معنی میں آیا ہے اس لیے یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ وجوب مہر ایک دین اور قرض ہے ، محض عطیہ نہیں ہے جو دینے والے کی مرضی پر موقوف ہو ۔

وجۂ اختلاف :

حنفی اور شافعی فقہاء میں اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ حنفی علماء مہر کے وجوب کو نفس عقد کی بناء پر تسلیم کرتے ہیں جب کہ شافعی حضرات مہر کے وجوب کی بنیاد دخول کو قرار دیتے ہیں۔

بربنائے عقد مہر کے واجب ہونے کے سلسلے میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ عقد کے فوری بعد مرد کو عورت کی ملک بضع پر حق پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ معاوضہ اثبات ملک کا مقتضی ہوتا ہے اس لیے ایک ہی وقت میں طرفین کو ایک دوسرے کے خلاف حق پیدا ہونا چاہیے مثال کے طور پر جس طرح بیع میں قیمت کا وجوب بیع کی بناء پر پیدا ہو جاتا ہے اور بائع کے مطالبہ پر زرثمن فی الفور قابل ادا ہوتا ہے اسی طرح نفس عقد کے سبب عورت کا مہر مرد کے ذمے واجب ہو جاتا ہے[11]۔

مہر ــــ ایک شرعی حکم :

لیکن مہر معاہدہ بیع کی طرح ایک رقمی معاوضہ کا نام نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت شرع میں اس کا حکم زوجہ کی حرمت اور توقیر کے لیے دیا گیا ہے چنانچہ اگر معاہدہ نکاح میں اس کا ذکر نہ ہو تب بھی مہر مثل لازم ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر یہ طے بھی کر لیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تب بھی مہر لازم ہوگا اور شرط ساقط ہو جائے گی[12]۔

مہر کی ذمہ داری

۷۰۔ مہر کی ادائی کی ذمہ داری براہ راست شوہر پر عائد ہوگی الا یہ کہ نکاح بحالت صغر سنی اس کے ولی نے کیا ہو، جس

---

(۱۱) بدائع الصنائع الکاسانی مصر، جلد ۲ کتاب النکاح۔
(۱۲) شرح وقایہ (اردو) مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۹۳ -
فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ -
بحرالرائق مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳ صفحہ ۱۵۲ -

صورت میں اس کی ذمہ داری ولی پر ہوگی ۔

توضیح : شوہر کے بالغ ہونے پر نکاح کے قایم رکھنے کی صورت میں مہر کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی اور ولی بری الذمہ ہو جائے گا۔

۷۱۔ معاہدہ نکاح میں مہر کی ادائی کے بارے میں کوئی صراحت نہ ہونے کی صورت میں پورا مہر مہر معجل متصور ہوگا ۔

بوقت نکاح قسم مہر کی عدم صراحت کی صورت میں مہر کا وجوب

تشریح

شیعوں کے نزدیک اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت مقرر نہ ہو تو کل مہر معجل سمجھا جائے گا[۱۳]۔ لیکن حنفیوں کے نزدیک مفتی بہ اور راجح قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عرف و رواج کے مطابق کیا جانا چاہیے[۱۴] ۔ چنانچہ ان کے نزدیک عدالت کو ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کے پیش نظر یہ طے کرنا چاہیے کہ کتنا مہر معجل اور کتنا موجل ہونا چاہیے۔ بعض حنفی فقہا کے نزدیک ایک تہائی اور بعض کے نزدیک ایک چوتھائی حصہ مہر معجل ہونا چاہیے۔ لیکن یہ قول غیر مفتی بہ اور متروک ہے ۔

حنفی امام علاءالدین الکاسانی نے اپنی مشہور تصنیف بدائع الصنائع میں اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ ''اگر مہر کے بارے میں معجل یا موجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو پورا مہر معجل قرار پائے گا[۱۵]'' ۔ اور یہی صورت صحیح تر ہے کیوں کہ نکاح ایک قسم کا عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ جانبین سے مساوات کا

(۱۳) محمڈن لا ' امیر علی جلد دوم ۔
(۱۴) فتح القدیر ' ابن ہمام ' مصر' جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ ۔
بحرالرائق ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ ۔
ردالمحتار مطبوعہ مصر' جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ ۔
(۱۵) اوکان مسکوتاعن التعجیل والتاجیل لان حکم المسکوت حکم المعجل (البدائع و الصنائع ' مصر' جلد ۲ صفحہ ۲۸۸) ۔

مقتضی ہے۔ جب ایجاب و قبول کے بعد نفس عقد کے سبب مرد کا حق انتفاع عورت پر قائم ہو گیا تو عورت کا حق مہر بھی مرد کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ چنانچہ کسی برعکس قرار داد کی غیرموجودگی میں یہ اصول مبنی برانصاف نظر آتا ہے کہ اگر نکاح میں مہر کی ادائگی کے وقت کے متعلق کوئی امر طے شدہ نہ ہو تو مہر کی کل رقم کے بارے میں یہ تصور کیا جانا چاہیے کہ وہ معجل یعنی عندالطلب قابل ادا ہے۔ پاکستان کے رائج الوقت قانون میں اسی نقطۂ نظر کی پیروی کی گئی ہے[16]۔

خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں مہر کا وجوب

۴۷۔ خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں مرد کے ذمہ نصف مہر واجب ہوگا۔

توضیح : (الف) اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو تو عورت کو صرف کپڑوں کا ایک جوڑا دیا جائے گا۔

(ب) اگر فسخ نکاح کی ذمہ داری عورت پر ہو تو وہ کچھ مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

تشریح

اگر طلاق خلوت صحیحہ سے قبل واقع ہو جائے اور مہر مقرر کیا گیا ہو تو نصف مہر واجب ہوگا[17] جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :

''وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن و قد فرضتم لھن فریضہ فنصف مافرضتم[18]''۔

---

(۱۶) پاکستان عائلی توانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ع دفعہ ۱۰۔

(۱۷) رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰۔
فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۳۹۔

(۱۸) سورۃ البقرہ آیت ۲۳۷۔

یعنی اگر تم طلاق دو عورتوں کو اس بات سے پہلے کہ مس کرو تم ان سے ' اور تم مقرر کر چکے تھے ان کے واسطے کچھ حصہ تو واجب ہے تم پر نصف اس کا جو مقرر کیا تھا تم نے۔

مہر مسمی کی صورت میں نکاح فسخ ہونے پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اگر خلوت صحیحہ سے قبل مابین زوجین تفریق واقع ہو جائے جس کی ذمہ داری عورت پر ہو تو عورت کچھ مہر پانے مستحق نہ ہوگی۔ مثلاً عورت سے کوئی ایسا فعل صادر ہوا ہو س سے حرمت مصاہرت واقع ہو جائے یا یہ کہ وہ مرتد ہوجائے[19]۔

اگر بوقت نکاح یا بعد نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہو جائے تو حنفیوں کے نزدیک عورت صرف بطور نذرانہ یک جوڑا کپڑوں کا پانے کی مستحق ہوگی[20]۔ لیکن شیعہ مذہب کے نزدیک عورت کو مہر مثل دیا جائے گا۔ احناف اپنے نظریہ کی بنیاد اس آیت قرآنی '' لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضو لھن فریضة و متعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ[21] '' پر رکھتے ہیں یعنی تم پر گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب کہ نہ مس کرو ان کو یا مقرر نہ کرو کوئی حصہ مہر کا ان کے واسطے اور متعہ دو ان کو غنی پر ہے اس کی مقدار اور مفلس پر ہے اس کے لائق۔

اس ضمن میں احناف کا نقطۂ نظر قرآن پاک کے حکم کے بموجب نظر آتا ہے۔

---

(۱۹) کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ' عبدالرحمٰن الجزیری ' مصر۔

(۲۰) رد المحتار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ صفحہ ۳۳۳۔

(۲۱) پارہ ۲ سورۃ البقرۃ ' آیت ۲۳۶۔

خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب

۳۷۔ حسب ذیل صورتوں میں مہر متاکد ہو جائے گا اور کل واجب ہو جائے گا:

(۱) وطی ــ

(الف) خلوت صحیحہ کے بعد

(ب) کسی ایک کی وفات واقع ہونے پر ۔

تشریح

محض عقد نکاح سے پورا مہر قابل ادا نہیں ہوتا البتہ خلوت صحیحہ کے بعد کل مہر واجب ہو جاتا ہے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے ۔ اس کی دلیل میں منجملہ دیگر احادیث کے حسب ذیل احادیث ہیں جن پر ہمارے فقہاء کا فتویٰ ہے :

۱۔ روایت کی دار قطنی نے محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان سے کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ جس شخص نے عورت کا خمار (اوڑھنی یا چادر اصطلاحاً نقاب) کھولا اور اس پر نظر ڈالی تو اس (مرد) پر کل مہر واجب ہو گیا خواہ دخول کرے یا نہ کرے[۲۲]۔

۲۔ عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قضی فی المراۃ اذا تزوجھا الرجل انہ اذا ارخیت الستور فقد وجب الصداق ۔ یعنی سعد بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حکم کیا کہ مرد عورت سے نکاح کرے جب چھوٹ جائیں پردے تو تحقیق کہ مرد پر (کل) مہر واجب ہو گیا[۲۳] ۔

۳۔ اخبرنا مالک اخبرنا ابن شہاب عن زید بن ثابت قال اذا دخل رجل بامراہ و ارخت الستور فقد وجب للصداق یعنی زید بن

(۲۲) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور' کتاب النکاح' باب المہر' جلد دوم ۲۹۷ ۔
(۲۳) موطا امام مالک (عربی ۔ اردو) ' کراچی صفحہ ۴۳۸ ۔

ثابت نے کہا کہ مرد عورت کے پاس جائے اور پردے چھوٹ جائیں تو تحقیق کہ مہر (کل) واجب ہوگیا[۲۴]۔

نکاح فاسد کی صورت میں :

سنیوں کے چاروں مذاہب میں خلوت صحیحہ مجامعت کی قایم مقام ہے لیکن شیعوں کے نزدیک خلوت صحیحہ مجامعت کی قایم مقام نہیں ہے۔ البتہ سنیوں کے نزدیک نکاح فاسد کی صورت میں خلوت صحیحہ مجامعت کے قائم مقام نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح فاسد داعی الی الوطی نہیں ہے اور عورت کے لیے عقد فاسد میں بلا وطی کے کوئی مہر قائم نہیں ہوتا[۲۵]۔ چنانچہ اگر نکاح فاسد میں عورت کو وطی سے پہلے طلاق دے دی جائے تو کوئی مہر واجب نہ ہوگا۔

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں مہر کی ادائی

۷۴- خلوت صحیحہ کے بعد طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں کل مہر فی الفور واجب ہو جائے گا۔

تشریح

مہر خلوت صحیحہ سے متاکد و محکم ہو جاتا ہے اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا نکاح فسخ ہو جائے تو کل مہر فی الفور واجب الادا ہو جائے گا خواہ مہر معجل ہو یا موجل۔ اس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ طلاق یا فسخ کے سبب نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے مہر کی فوری ادائگی لازم ہوجاتی ہے۔

وفات واقع ہونے پر مہر کا وجوب

۷۵- نکاح صحیح کے دوران زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں کل مہر واجب الادا ہو جائے گا، بلا لحاظ اس کے کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ۔

---

(۲۴) موطا امام محمد بن الحسن الشیبانی ۲۳۳۔

(۲۵) یجب المہر المثل فی نکاح فاسد بالوط فی القبل لا بغیرہ کالخلوہ لحرمة وطہا (رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۵۹)۔

تشریح

چونکہ موت متمم نکاح ہے اس لیے زوجین میں سے کسی ایک کے مر جانے کی صورت میں ازدواجی تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے اور اس بناء پر مرد کے ذمہ پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو[٢٦]۔ البتہ نکاح فاسد کی صورت میں اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور زوجین میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے تو کوئی مہر واجب نہ ہوگا۔

اگر مہر کی ادائگی کی کوئی میعاد مقرر ہے مگر اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل طلاق رجعی واقع ہوگئی تو مہر اسی وقت واجب ہو جائے گا خواہ اس کے بعد مرد نے عورت سے رجوع کر لیا ہو کیوں کہ ایک بار جو مہر واجب ہوجائے میعادی نہیں بن سکتا[٢٧]۔

مہر میں کمی و زیادتی

٧٦۔ قیام نکاح کے دوران —

(الف) زوجہ اپنے مہر میں کمی کر سکتی ہے۔

(ب) شوہر مہر مقررہ میں زیادتی کر سکتا ہے۔

تشریح

ائمہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ زوجہ اپنے میں مہر کمی کر سکتی ہے[٢٨] لیکن یہ کمی رضاکارانہ ہونی چاہیے اگر بہ مجبوری یا بہ اکراہ ہو تو صحیح نہ ہوگی اسی طرح اگر عورت مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس مرض کی حالت میں اپنے مہر میں کمی کرے

---

(٢٦) شرح وقایہ (اردو) مطبوعہ لاہور ' جلد دوم۔

(٢٧) خلاصہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ٢٢٠۔

(٢٨) محیط ' بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ٢٠٩۔

تو جائز نہ ہوگا[29]۔

شوہر کو اس امر کا اختیار ہے کہ وہ زوجہ کے مقررہ مہر میں اضافہ کر دے[30] لیکن اگر وطی سے قبل تفریق ہو گئی تو اصل مہر کا نصف واجب ہوگا۔ زیادتی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا الّا یہ کہ زیادتی اصل مہر سے متّصلہ ہو مثلاً زمین اور درخت۔

مہر وصول کرنے کا اختیار

۷۷۔ بالغہ عورت کو مہر وصول کرنے کا خود اختیار حاصل ہے البتہ اگر نابالغہ ہو تو اس کا باپ اور باپ کی غیر موجودگی میں ولی اقرب وصول کر سکتا ہے۔

زوجہ کا مہر کے ہبہ کرنے کا اختیار

۷۸۔ زوجہ بالغہ اپنے مہر کا کل یا جز ہبہ یا معاف کر سکتی ہے۔

توضیح: اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ نہیں کر سکتا۔

تشریح

مہر چونکہ زوجہ کی ملکیت ہوتا ہے اس لیے اسے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ دخول سے قبل یا بعد جب چاہے اپنے مہر کا کل یا جزو شوہر یا کسی دیگر شخص کے حق میں ہبہ کر دے یا معاف کر دے۔ اس کے اولیاء کو کوئی حق اعتراض حاصل نہ ہوگا۔[31] لیکن یہ ہبہ رضاکارانہ ہونا چاہیے۔[32] ہبہ شوہر کی وفات کے بعد بھی ہو سکتا ہے لیکن حالت زچگی میں جب کہ عورت

(۲۹) بحرالرائق، مطبوعہ مصر، جلد دوم صفحہ ۱۶۱-۶۲۔
(۳۰) سراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ۲۰۹۔
(۳۱) شرح طحاوی بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۱۵۔
(۳۲) شاہ بانو بیگم بنام افتخار محمد خاں پی ایل ڈی ۱۹۵۶ع کراچی صفحہ ۳۶۳۔

کی جان پر بن آئی ہو ہبہ ناجائز ہوگا ۔[۳۳]

عورت اپنے مہر کو مشروط طور پر ہبہ یا معاف کرنے کی بھی مختار ہے چنانچہ اگر شرط پوری ہو گئی تو ہبہ مکمل ہو جائے گا لیکن اگر شرط پوری نہ ہوئی تو ہبہ نافذ نہ ہوگا بلکہ مہر علیٰحالہ قائم رہے گا البتہ اگر شرط ناجائز ہو تو شرط کالعدم اور ہبہ جائز ہوگا ۔

اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی یہ اختیار نہیں رکھتا کہ اس کے مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ کر دے کیونکہ ولایت نابالغ کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہے نہ کہ صریح نقصان کے لیے ۔ اس لیے ولی کا یہ فعل اصل منشاء ولایت کے خلاف ہوگا اورنابالغہ کے حق مہر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ۔

عدم ادائی مہر معجل کی بناء پر زوجہ کا زنا شوئی سے انکار

۷۹ ۔ زوجہ کو تا ادائے مہر معجل شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کا حق حاصل ہوگا ، خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو ۔

تشریح

تمام ائمہ اور فقہاء کا اس بارے میں بالکلیہ اتفاق ہے کہ جب تک عورت نے اپنے نفس کو شوہر کے سپرد نہیں کیا اس وقت تک اس کو اختیار ہے کہ مہر معجل کی عدم ادائگی کے سبب شوہر کے ساتھ رہنے اور اسے مجامعت کا موقع دینے سے انکار کر دے[۳۴] لیکن ائمہ کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر مرد عورت

---

(۳۳) سراجیہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۱۵ ۔

(۳۴) محیط ' امام سرخسی ' بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم ' صفحات ۱۸-۲۱۷ ۔

کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یا خلوت صحیحہ ہوگئی ہو تو اس کے بعد عورت کا یہ اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں کہ وہ تا ادائے مہر معجل شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دینے سے باز رکھے - امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں بھی عورت کو اختیار حاصل ہے لیکن صاحبین کے نزدیک عورت کو ایسا اختیار نہیں رہا -[۳۵] امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بھی عورت کو حق نہیں ہے - امام احمد بن حنبل نے اس مسئلہ میں جواب دینے سے توقف فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا لیکن حنبلیوں میں ابو عبداللہ بن بطہ اور ابو اسحاق شاملہ عدم استحقاق کے قایل ہیں جب کہ عبداللہ بن حامد جو مشہور محدث ہیں اور حنبلیوں میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عورت کے اس حق کے قایل ہیں -[۳۶] شیعہ علماء کی رائے صاحبین کے موافق ہے -

اس مسئلہ میں جہاں تک حنفی کتب فقہ کا تعلق ہے تنویر الابصار اور کنز الدقائق میں امام ابوحنیفہ کی رائے کو تسلیم کیا گیا ہے - جب کہ ہدایہ، بحر الرائق، شرح وقایہ، فتح القدیر، طحطاوی، اور ردالمحتار میں امام صاحب اور صاحبین کی رائیں مع اختلاف بیان کر دی گئی ہیں لیکن ان فقہاء نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے - البتہ امام علاء الدین الکاسانی نے اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اختلاف کا تفصیلی جائزہ لیا ہے -

صاحبین کے دلائل :

اس مسئلہ کی بنیاد کہ اگر عورت ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دے دے تو عدم ادائے مہر معجل کی بناء پر وہ وظیفہ

---

(۳۵) فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم، مطبوعہ نول کشور، صفحات ۸۳-۸۲-

(۳۶) المغنی ابن قدامہ (متوفی ۶۲۵ ہجری) ، مصر، صفحہ ۴۳۸ -

زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ جس طرح بیع میں مشتری پہلے قیمت پیش کرتا ہے اس کے بعد بائع شے مبیعہ مشتری کے حوالے کرتا ہے اسی طرح عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کو صحبت سے منع کرے تا وقتیکہ اس کا کل مہر (معجل) ادا نہ کر دیا جائے ۔ چنانچہ جس طرح شے مبیعہ کا معاوضہ قیمت ہوا کرتا ہے اسی طرح ملک بضع کا معاوضہ مہر ہوتا ہے اور جس طرح بائع کو تا ادائے زر ثمن شے مبیعہ کے روک لینے (Retention) کا اختیار حاصل ہے اسی طرح عورت بھی مہر کی ادائگی تک مرد کو اپنے نفس پر قدرت نہ دینے کا حق رکھتی ہے اور اگر مہر (معجل) ادا نہ ہوا ہو تو شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو وظیفہ زوجیت ادا کرنے پر مجبور کرے کیونکہ مرد کے عورت سے حق استمتاع قائم ہونے کے ساتھ ہی عورت کا مرد سے وصولی مہر (معجل) کا حق بھی پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور اگر عورت مرد سے زر مہر کی ادائگی کا مطالبہ کرے تو تا ادائےزر مہر شوہر اس عورت سے استمتاع کا حق دار نہ ہوگا ۔ البتہ شوہر زوجہ کا حق مہر ادا کرنے کے بعد اس سے انتفاع کا حق دار ہوگا ۔ لیکن اگر زوجہ کے مہر کا ایک روپیہ بھی ادا ہونے سے رہ گیا ہو تو زوجہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر دے کیونکہ حق انتفاع قابل تقسیم نہیں ہوتا اس لیے مہر (معجل) کے کسی جز کے (خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو) واجب الادا ہونے کی صورت میں زوجہ کے لیے مرد کو مجامعت سے روکنے کا حق حاصل ہوگا ۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دینے کے بعد عدم ادائے مہر (معجل) کی بناء پر

عورت وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار نہیں کر سکتی اور خود کو روک رکھنے کی مجاز نہیں ہے ۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کی دلیل یہ ہے کہ زوجہ کے برضا و رغبت ایک مرتبہ وطی کر لینے سے یا خلوت صحیحہ ہو جانے سے تمام معقود علیہ مرد کے سپرد ہو گئے اور وہ خود اہل تسلیم میں سے ہو گئی اور اس کا اپنے کو روکے رکھنے کا حق باطل ہو گیا ۔ اس عورت کی مثال اس بائع کی طرح ہے جس نے بلا وصولی زرثمن (ادھار) شے مبیعہ خریدار کے حوالے کر دی ہو ۔[۳۷]

صاحبین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد مہر متاکد ہو جاتا ہے ۔ دوسری ، تیسری یا چوتھی مرتبہ وطی کرنے سے پہلا مہر مکرر اور سہ کرر نہیں ہوتا اس لیے مزید وطی بسلسلۂ مہر کسی شے کے عوض نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح ایک بار مجامعت یا خلوت صحیحہ کے بعد مہر متاکد و لازم ہو جاتا ہے اسی طرح عورت کے ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دینے کے بعد مہر معجل کی عدم ادائگی کی بناء پر خود کو روکے رکھنے کا اختیار بھی ساقط ہو جاتا ہے ۔

صاحبین کی رائے کے خلاف دلائل :

مہر در اصل اس منافع بضع کا معاوضہ ہے جو شوہر اپنی زوجہ سے تمام وطیوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور وہ منافع بضع (استمتاع) وطیوں کے ذریعہ جاری رہتا ہے اور جس طرح عورت کو پہلی بار وطی کرنے سے روکنے کا حق حاصل ہے اسی طرح دوسری

(۳۷) وجہ قولھما انھا بالوطء مرۃ واحدۃ او بالخلوۃ الصحیحۃ سلمت جمیع المعقود علیہ برضاھا وھی من اھل التسلیم فبطل حقھا فی الحبس کالبائع اذا سلم المبیع (بدائع الصنائع الکاسانی' مصر' جلد دوم' صفحہ ۲۸۹) ۔

اور تیسری مرتبہ وطی کرنے سے روکنے کا بھی حق ہے چنانچہ یہ کہنا کہ پہلی بار وطی کر لینے سے عورت کا حق یا وہ اختیار ساقط ہو گیا غلط ہے کیونکہ اصل معاہدہ مہر معجل کا ہے وہ معاہدہ اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے علیٰ حالہ قائم و باقی رہتا ہے ۔ عورت کے ایک یا ایک سے زیادہ بار مرد کو اپنے نفس پر قدرت دے دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت نے معاہدہ مہر معجل کو بدل دیا ہے اور اس کے اثرات و نتائج میں اس وطی کے سبب خود بخود کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہے ۔ در اصل اس کو عورت کی جانب سے مرد کے حق میں ایک عارضی رعایت کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا ، نہ کہ اسقاط حق کا موجب کوئی فعل ۔ اس کی نوعیت ایک عارضی وصف کی ہے جس سے عورت کے اصل حق پر باعتبار نتیجہ کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ وہ اپنی مرضی سے اس وصف کو جب چاہے دور کر سکتی ہے اور اپنے اصل حق کی بناء پر تا ادائے زر مہر (معجل) مرد کو مزید استمتاع سے باز رکھ سکتی ہے ۔ یہ کہنا کہ ایک بار اپنے نفس پر قدرت دینے سے اس کا حق ساقط ہوگیا اور چونکہ جو (حق) ایک مرتبہ ساقط ہو جائے وہ نہیں لوٹ سکتا اس کا اطلاق موجودہ صورت پر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عورت کے اپنے نفس پر قدرت دے دینے سے اس کا حق ساقط نہیں ہوا ' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وطی کی حد تک مؤخر ہوگیا ۔

صاحبین کی رائے کے خلاف ایک دوسری دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ عورت کو اپنے نفس کو مرد سے روکنے کا اختیار اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ اس نے مرد سے مہر معجل کی ادائی کا مطالبہ کیا اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو ۔ لیکن اگر بلا طلب اس نے اپنے نفس پر مرد کو قدرت دے دی تو اس کے حق کے ساقط ہونے

کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔

جہاں تک ایک بار مجامعت یا خلوت صحیحہ سے مہر کے متاکد ہونے کی دلیل کا تعلق ہے اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ حکم ایسے فعل پر لگایا جاتا ہے جو واقع ہو چکا ہو اس لیے ایک بار وطی کے بعد مہر متاکد ہو جاتا ہے ۔ معدوم شے پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا اور نہ ہی اس شے پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے جو مجہول ہو اس لیے ایک مرتبہ وطی کر لینے سے مہر کے موکد ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ دوسری ، تیسری یا چوتھی مرتبہ جو وطی کی جائے وہ بسلسلۂ مہر کسی شے کے بغیر ہوگی ۔

جہاں تک بائع کی مثال کا تعلق ہے ، اس مثال کو مسئلہ کی خاص نوعیت کے پیش نظر ، موجودہ صورت پر منطبق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بائع شے مبیعہ ایک مرتبہ دے دیتا ہے ، قیمت لینے سے پہلے یا قیمت لینے کے بعد ، لیکن منافع بضع کی صورت حال مختلف ہے کیونکہ مرد کا عورت سے استمتاع جاری رہتا ہے اس لیے عورت مرد کو مزید استمتاع سے باز رکھ سکتی ہے نیز یہ کہ بیع کے سلسلے میں جو اصول اشیاء سے متعلق ہوتے ہیں ان کا اطلاق اشخاص اور ان کی حیثیت پر کرنا اور ان سے وہی نتائج برآمد کرنا ، ہوسکتا ہے کہ منطقی طور پر درست ہو مگر بعض اوقات اس تطبیق سے جو فقہی نتائج برآمد ہوں گے وہ نادرست اور غیر موزوں ہوں گے بالخصوص مہر کے معاملے میں جس میں فریقین کی حیثیت ایک بائع اور مشتری کی نہیں بلکہ شوہر اور زوجہ کی ہے نیز یہ کہ مہر محض ایک رقمی معاوضہ نہیں بلکہ ایک شرعی حکم بھی ہے ۔

وجہ اختلاف :

اس مسئلہ میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صاحبین عورت کے ایک بار مرد کو اپنے نفس پر قدرت دے دینے کو یہ باور کرتے ہیں کہ اس کا حق ساقط ہو گیا جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا بلکہ مؤخر ہو جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا بحث اور فقہی دلائل کی روشنی میں امام صاحب کا مذکورہ مسلک صحیح نظر آتا ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

ان فقہی دلائل سے قطع نظر اگر معاشرے کی تنظیم اور عورتوں کی نفسیات پر ایک نظر ڈالی جائے تو عورت کا معاشرتی تنظیم میں مرد سے بعد نکاح فوری طور پر مہر کا مطالبہ کرنا اس کی ''بے حیائی'' کے مترادف خیال کیا جائے ؛ اس لیے معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی عورت کا حق باقی رہنا چاہیے خواہ مرد اس سے صحبت کر چکا ہو۔

دوسرے ، یہ امر کس طرح ممکن العمل ہے کہ عورت کو حق وصولی مہر تو ہو مگر عدم ادائگی کی بناء پر حق حبس (اپنے کو روک رکھنے کا اختیار) نہ ہو علاوہ ازیں شوہر کے مہر نہ دینے کی بناء پر عدالتی چارہ جوئی کی صورت میں جو نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوں گی ان کے پیش نظر بھی یہ امر عین قرین مصلحت اور تقاضائے انصاف کے عین مطابق ہے کہ عورت کا عدم ادائے مہر کی بہر صورت حق حبس باقی رہے بلا لحاظ اس امر کے ، کہ مرد اس سے صحبت کر چکا ہے یا نہیں۔

عدالتوں کا رجحان :

ھند و پاکستان کی عدالتوں کا ایک زمانے سے یہ رجحان رہا ہے کہ بعد طلب عدم ادائے مہر معجل کی بناء پر عورت کو حق ہے کہ وہ مرد کے ساتھ رہنے یا جماع کی اجازت دینے سے انکار کردے۔ بمقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ بی[۳۸] میں اعادہ حقوق زوجیت کی ڈگری کو ادائے مہر پر موقوف کر دیا گیا۔ جس کا اتباع بمقدمہ مسماۃ صالح بی بی بنام رفیع الدین (۱۶۴ پی۔آر ۱۸۸۹ ع) پنجاب چیف کورٹ کے اجلاس متفقہ میں کیا گیا بمبئی، کلکتہ، مدراس، پنجاب، اور ڈھاکہ ھائی کورٹوں نے بھی اس فیصلے کا اتباع کیا اور شوھر کو اعادہ حقوق زوجیت کے مقدمات میں مشروط ڈگری دی بشرطیکہ بیوی نے عدم ادائی مہر کے عذر کو بطور جواب دھی پیش کیا ھو[۳۹]۔

چنانچہ عدالتوں میں اب یہ مسئلہ ایک مسلّمہ صورت اختیار کر گیا ہے کہ زوجہ مہر معجل کی عدم ادائگی کی بناء پر شوھر کے ساتھ رھنے سے انکار کر سکتی ہے خواہ اس سے پہلے صحبت ھی کیوں نہ ھو چکی ھو دیگر مسلم ممالک مثلاً مصر، شام، تیونس وغیرہ میں بھی اسی پر عمل ھو رہا ہے۔

مہر کی نوعیت

۸۰۔ (۱) مہر کی نوعیت ایک قرض کی ہے جو تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدم ہے۔

(۲) شوھر کی وفات کے بعد بیوہ اپنا مہر متوفی کی جائداد سے وصول کر سکتی ہے۔

(۳۸) ۱۸۸۶ع آئی، ایل، آر ۸ الہ آباد صفحہ ۱۳۹۔
(۳۹) نجم النساء بیگم بنام سراج الدین احمد اے، آئی، آر، ۱۹۳۶ع پٹنہ ۳۶۷ اور رحیم جان بنام محمد پی ایل ڈی، ۱۹۵۵ع لاھور ۱۲۲ نور الدین احمد بنام مسعودہ خانم پی ایل ڈی ۱۹۵۷ع ڈھاکہ ۲۳۲۔

تشریح

مہر در حقیقت ایک قرض کی نوعیت رکھتا ہے ۔ عدم ادائی کی صورت میں شوہر کی وفات سے ساقط نہیں ہوتا چنانچہ بیوہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا مہر متوفی کی جائداد سے وصول کر لے ۔ مگر اس قرض کی حیثیت ایک غیر کفالتی قرضے (Unsecured Debt) کی ہے الّا یہ کہ شوہر کی جانب سے کوئی باضابطہ اقرار نامہ موجود ہو یا دَین مہر کا بار کفالت عدالت نے بذریعہ ڈگری جائداد پر عائد کیا ہو ۔

متوفی کے ورثا دین مہر کی ادائگی کے ذاتی طور پر ذمہ دار نہیں ہوتے بلکہ متوفی کے دوسرے قرضوں (Debts) کی طرح ہر وارث اپنے حصہ وارثت کے بقدر اس کی ادائی کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن دین مہر کو تمام حقوق وصیت اور وراثت پر فوقیت حاصل ہے ۔

اگر متوفی نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے دین مہر وصول کیا جاسکے تو دین مہر سوخت ہو جائے گا ۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کے حق مہر کے تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدم ہونے اور اس کی ادائگی کے لیے ہر وارث کی ذمہ داری سے متعلق جو فیصلے وقتاً فوقتاً دیے ہیں وہ عام طور پر احکام شرعی کے مطابق ہیں[۳۰] ۔

عدم ادائگی مہر کی صورت میں بیوہ کا متوفی کی جائیداد پر قبضہ رکھنے کا حق

۸۱۔ عدم ادائے مہر کی صورت میں بیوہ کو متوفی کی جائداد پر تا ادائے مہر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہوگا ۔

توضیح : یہ واقعہ کہ بیوہ بر بنائے دین مہر متوفی کی جائداد پر

(۳۰) قاسم حسین بنام حبیب الرحمن ' ۱۹۲۹ع انڈین اپیلز صفحات ۲۵۸-۵۳۰ ' ۸ پٹنہ ۹۲۶ ' ۱۱۷ انڈین کیسیز صفحہ ۵۶-۱۰ ' ۱۹۲۹ اے ای آر پریوی کونسل ۱۷۳ ' محمد واجد بنام بضاعت حسین (۱۸۷۸ع) ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱ ' ۲۲۳-۲۲۴ ' ۳ کلکتہ ۳۰۲ ۔

قابض ہے اس امر میں مانع نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مہر کی وصولیابی کا مقدمہ متوفی کے ورثاء پر دائر کرے۔

تشریح

اگر زوجہ شوہر کی حیات کے زمانہ میں شوہر کی کسی جائداد یا اس کے کسی حصہ پر بلا شرکت غیرے قابض ہو تو شوہر کی وفات کے بعد تاادائے زر مہر اس کو بلا منظوری وارثان اس جائداد پر قبضہ رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ قبضہ بطریق جائز بلا کسی جبر یا فریب کے حاصل کیا گیا ہو۔

مزید شرط یہ ہے کہ اس قبضے کی حیثیت حق رہن کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مالکانہ حقوق پیدا ہوتے ہیں۔

جائداد پر قبضہ رکھنے کے دوران زوجہ کو اس امر کا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مہر کی وصولی کے لیے وارثان پر مقدمہ دائر کر سکے۔

مہر کی وصولیابی کا مقدمہ دائر کرنے کی صورت میں اس کے لیے اس کی آمادگی کا اظہار لازمی ہوگا کہ وہ مہر وصول ہوجانے کے بعد جائداد پر سے (جو بر بنائے دین مہر ہے) اپنا قبضہ اٹھا لے گی [۳۱]۔

---

(۳۱) میا بی بی بنام چودھری وکیل (۱۹۲۵ء) ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵ ' ۴۷ الہ آباد ۲۵۰ ' ۸۶ انڈین کیسیز ۵۴۹ ۔

شرح
قانونِ نفقہ

دسواں باب

نفقہ

نفقے کی تعریف

۸۳۔ نفقہ حبس زوجہ کا معاوضہ ہے جس میں خوراک، لباس اور مکان شامل ہیں۔

تشریح

نفقے کے لفظی معنی اخراج کے ہیں۔ لغت میں نفقہ اس شے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے عیال وغیرہ پر صرف کرتا ہے۔ یہ لفظ خود اسم مشتق ہے۔ النفوق یا نفاق یا نفق سے مشتق نہیں ہے[1]۔ لیکن فقہی اصطلاح میں ایک شخص کا دوسرے کی محنت کے معاوضہ میں اس کی ضروریات زندگی فراہم کرنا نفقہ کہلاتا ہے۔[2]

شوہر کو شرع نے یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھے، جس کا معاوضہ نفقہ کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے۔ اس کا وجوب قرآن کریم کی آیات ''لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله۔''[3] ''اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم۔''[4] اور ''رزقھن وکسوتھن با لمعروف''[5] سے ثابت ہے۔

---

(۱) بحرالرائق، مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۸۸۔
(۲) کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه، مؤلفه عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعه مصر، جلد ۴، صفحه ۵۵۳۔
فتح القدیر، جلد ۳ مصر، صفحه ۳۲۱۔
(۳) پاره ۲۸: سورة الطلاق، رکوع ۱۔
(۴) پاره ۲۸، سورة الطلاق، رکوع ۱۔
(۵) پاره ۲، سورة البقره، رکوع ۳۱۔
فتح القدیر جلد ۳ مطبوعه مصر، صفحه ۳۲۱۔
بحر الرائق مصر، جلد ۴، صفحه ۱۸۸۔

نفقہ سے بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک ، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہیں لیکن اس میں دیگر ضروری اشیاء مثلاً صابن ، تیل ، پانی ، دوا وغیرہ اور دیگر اشیاء جو عورت کے گزارہ اور آرام و آسایش کے لیے ضروری ہوں ، شامل ہیں۔[٦]

مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کو پکا ہوا کھانا دے اور سلا ہوا لباس ۔ عورت روٹی سالن پکانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی ۔[٧] اور نہ ہی لباس سینے پر مجبور کی جا سکتی ہے ۔ مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا مکان کے کسی علیحدہ حصے میں ، جس کا راستہ علیحدہ ہو ۔[٨] البتہ اگر وہ چاہے تو خود اپنی مرضی سے شوہر کے والدین یا رشتہ داروں کے ساتھ رہ سکتی ہے[٩]۔

نفقے کی شرعی حیثیت

۸۴۔ شوہر پر اپنی زوجہ کا نفقہ بر بنائے تسلیم نفس واجب ہے ۔

تشریح

نفقے کے واجب ہونے کے تین اسباب ہوتے ہیں :

۱۔ ازدواج ،

۲۔ قرابت ، اور

۳۔ ملک ۔

---

(٦) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۳ ۔
شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ، مطبوعہ لاہور ، صفحہ ۱۹۳ ۔
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، مؤلفہ عبدالرحمٰن الجزیری ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۵۵۳ ۔

(٧) بحرالرائق جلد ۴ صفحہ ۲۰۰ ۔ فتاویٰ قاضی خان ، جلد ۱ ، ۱۹۶ - ۱۹۸

(٨) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۷ ۔

(٩) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ، صفحہ ۱۹۳ ۔
فتاویٰ عالمگیری ، مطبوعہ ہند ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۷ ۔
فتاویٰ قاضی خان ، مطبوعہ ہند ، جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ ۔

شوہر پر زوجہ کے نفقہ کا وجوب ازدواج سے پیدا ہوتا ہے۔ نفقہ کے واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت ہے مثلاً اولاد یا والدین کا نفقہ، نفقہ کا تیسرا سبب ملک ہے جیسے غلام یا کنیز کا نفقہ۔[10]

زوجہ کی نفقے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ محض نکاح ہو جانے سے لازم نہیں ہوتا بلکہ عورت کے تسلیم نفس سے واجب ہوتا ہے۔[11] یعنی جب عورت مرد کی قید اختیار میں آ جاتی ہے تو مرد کے ذمہ نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں اصول یہ ہے کہ اگر مرد خود اپنی کسی مجبوری کی بناء پر عورت کو پاس نہ رکھ سکتا ہو مثلاً جماع کے قابل نہ ہو، یا اپنی خواہش سے عورت کو اپنے پاس نہ رکھے تو اس سے عورت کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آئے اور حسن سلوک کا ثبوت دے، اس کے آرام و آسایش اور نفقے کا خیال رکھے۔[12]

اگر کسی مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اسے چاہیے کہ منجملہ دیگر امور کے نفقہ کے معاملے میں بھی ان میں عدل و مساوات قائم کرے، باکرہ ثیبہ، نئی یا پرانی، مسلمان یا کتابیہ میں کوئی فرق نہ کرے اور ایک عورت کو دوسری پر ترجیح نہ

---

(۱۰) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مؤلفہ عبدالرحمان الجزیری، جلد ۴، صفحہ ۵۵۳۔
بحرالرائق، جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۔
ردالمحتار، مصر، جلد ۲، باب النفقہ، صفحہ ۹۴۶۔

(۱۱) فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔
بحرالرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۳۔

(۱۲) احکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۵۰۔

دے خواہ ان میں سے کوئی زوجہ صحت مند ہو یا بیمار، حائضہ ہو یا غیر حائضہ۔[۱۳]

شرائط وجوب

۸۵۔ مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہے۔

(۱) جب کہ نکاح صحیح ہو۔

(۲) جب کہ عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو۔

(۳) جب کہ زوجہ مشقت جماع کو برداشت کر سکتی ہو، خواہ شوہر نابالغ ہو یا اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو۔

(۴) جب کہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو مگر شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو اور بغیر وجہ جائز کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو۔

(۵) جب کہ عورت بر بنائے عدم ادائگی مہر معجل یا کسی دیگر جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکاری ہو، خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

تشریح

نکاح صحیح:

مرد پر عورت کے نفقے کے واجب ہونے کا ایک سبب "نکاح" ہے۔ لیکن نکاح صحیح ہونا چاہیے۔[۱۵] نکاح فاسد ہونے کی صورت میں عورت نفقے کی مستحق نہ ہوگی، ماسوائے نکاح

(۱۳) احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعات ۱۵۳۔۵۴۔
فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔

(۱۵) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مؤلفہ عبدالرحمٰن الجزیری مصر جلد ۴، صفحہ ۵۶۵۔
احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ مطبوعہ مصر، دفعہ ۱۶۲۔

بلا شہود کے۔[15]

جماع :

عورت کے نفقے کے لیے اصلاً اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جماع کی مشقت کو برداشت کر سکتی ہے یا نہیں۔ اگر برداشت کر سکتی ہے تو نفقہ واجب ہوگا خواہ مرد نابالغ ہو اور اس سے صحبت پر قادر نہ ہو۔[16]

قید اختیار :

عورت کے خود کو مرد کی قید اختیار میں دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مرد کے حوالے کر دیا ہے۔[17] اگر زوجہ کو بلاوجہ جائز شوہر اپنے گھر نہ بلائے اور زوجہ اپنے والدین کے مکان پر سکونت رکھتی ہو تو اس سے زوجہ کا حق نفقہ متأثر نہ ہوگا۔[18]

مہر معجّل کی عدم ادائگی اور نفقے کا لزوم :

اگر مہر معجّل ادا نہ کیا گیا ہو یا مہر میعادی ہو اور وہ میعاد پوری ہو چکی ہو مگر مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور اس کے سبب عورت شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کا یہ انکار

---

(۱۵) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، مؤلفہ عبدالرحمٰن الجزیری مطبوعہ مصر، جلد ۴ صفحہ ۵۶۵۔
احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ مطبوعہ مصر، دفعہ ۱۶۲۔
بحرالرائق، مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۳۔
فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند، جلد ۲، صفحہ ۱۴۴۔

(۱۶) قدوری، مطبوعہ کراچی، صفحہ ۱۷۳۔

(۱۷) قدوری، مطبوعہ کراچی، صفحہ ۱۷۳۔
بحرالرائق، مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۳۔

(۱۸) بحرالرائق، مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۳۔

وجہ جائز پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا خواہ مرد نے اس عورت سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔[19]

اسی طرح اگر عورت کسی وجہ جائز مثلاً شوہر کی بے رحمی وغیرہ کے سبب اس کے گھر آنے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

نفقے کا عدم وجوب

۸۶۔ حسب ذیل صورتوں میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔

(۱) جب کہ زوجہ اتنی کم عمر ہو کہ جماع کی مشقت کو برداشت نہ کر سکے، لیکن اگر زوجہ پاگل ہو جائے یا ایسی بڑھیا ہو جائے کہ جماع کے قابل نہ رہے تو نفقہ کا وجوب قایم رہے گا۔

(۲) جب کہ عورت اس قدر بیمار ہو کہ بعد عقد رخصت ہو کر مرد کے گھر نہ آ سکتی ہو، لیکن اگر شوہر کے گھر میں بیمار ہو تو نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) جب کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے الّا یہ کہ حج واجب ہو۔

(۴) جب کہ عورت کاریگر یا ملازم ہو اور شوہر کے منع کرنے کے باوجود گھر سے باہر رہتی ہو۔

(۵) جب کہ عورت قید میں ہو، البتہ شوہر کے قید میں ہونے کے سبب عورت اپنے نفقہ کے حق سے محروم نہ ہو گی۔

(۶) جب کہ عورت ناشزہ (نافرمان) ہو اور شوہر کی اجازت

---

(۱۹) بحرالرائق، مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۴۔

کے بغیر بلا وجہ جائز اس کے گھر سے نکل جائے یا اگر مکان عورت کی ملکیت ہو تو شوہر کو مکان میں داخل ہونے اور اپنے ساتھ رہنے سے منع کرے ۔

توضیح : عورت اگرچہ ناشزہ (نافرمان) ہو مگر شوہر کے گھر میں رہتی ہو تو بغرض نفقہ ناشزہ نہیں کہلائے گی خواہ وہ مرد کو ہم بستر ہونے سے منع کرتی ہو ۔

(۷) نکاح فاسد میں وطی بالشبہ کی صورت میں فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر ، ماسوائے نکاح بلا شہود کے ۔

(۸) جب عورت بلا وجہ جائز شوہر سے علیحدہ رہے یا اس کے ساتھ دوسرے شہر جانے سے انکار کرے ۔ الا یہ کہ مہر معجّل ادا طلب ہو یا کوئی معاہدۂ جائز مابین فریقین موجود ہو ۔

(۹) جب کہ عورت مرتد ہو گئی ہو ۔

(۱۰) جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو ۔

(۱۱) جب کہ بوجہ وفات عدت میں ہو ۔

استثناء : اگر بیوہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک نفقہ واجب ہوگا ۔

(۱۲) جب کہ کوئی عورت کو غصب کر کے لے جائے ۔

تشریح

نفقہ کی بنیاد '' احتباس '' پر ہے ۔ اگر عورت بالغ ہو ' خواہ مرد اس سے صحبت پر قادر ہو یا نہ ہو ' اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا ۔ لیکن اگر زوجہ سے اس کی کم عمری کے سبب مجامعت ممکن نہ ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہ

ہوگا۔[۲۰] لیکن زوجہ کے پاگل پن یا بڑھاپے کے سبب جماع کے قابل نہ رہنے کی بناء پر اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب رہے گا۔[۲۱]

بیماری :

عورت کی بیماری کے سبب اس وقت نفقہ واجب نہ ہوگا جب کہ وہ اس قدر بیمار ہو کہ عقد کے بعد رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہ آ سکتی ہو لیکن زفاف کے بعد بیماری کے سبب نفقے کا عدم وجوب قایم نہ رہے گا۔[۲۲] اسی طرح اگر زوجہ شوہر کے گھر میں بیمار ہو تب بھی نفقہ کا حق متاثر نہ ہوگا۔ خواہ وہ بیمار ہوکر (بعد دخول) میکے چلی گئی ہو اور بیماری کے

---

(۲۰) "فان کانت لا تجامع لا نفقة لها" ۔ فتاویٰ قاضی خان ' مطبوعہ ہند جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ ۔

"فان کانا صغیرین لا یطیقان الجماع لا نفقة لها" فتاویٰ قاضی خان ' مطبوعہ ہند ' جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ ۔

فتح القدیر ' جلد ۳ ' مصر ' صفحہ ۳۲۴ ۔

عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ ۔

(۲۱) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور '

فتح القدیر ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۲۷ ۔

(۲۲) "المریضة التی لم تزف الی زوجها ولم یمکنها الانتقال اصلاً لا نفقة لها" ۔ دفعہ ۱۶۷ ' الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ ' مصر ۔

"اذا مرضت المرأة مرضا یمنع من مباشرتها بعد الزفاف و النقلة الی منزل زوجها او قبلها ثم انتقلت الیه و هی مریضة او لم تنتقل ولم تمنع نفسها بغیر حق فلها النفقة علیه" ۔ دفعہ ۱۶۶ ' الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ ' مصر ۔

"ولانفقة للمریضة اذا لم تزف الی بیت زوجها فان زفت قالوا لها النفقة ---- واذ ازفت المراة الی زوجها وهی صحیحة مرضت فی بیت الزوج مرضا لایحتمل الجماع ان کان ہی بها کان لها النفقة ---- مرضا لا یحتمل الجماع لا نفقة لها" ۔

فتاویٰ قاضی خان ' مطبوعہ ہند ' جلد ۱ ' صفحہ ۹۵-۱۹۴ ۔

سبب شوہر کے گھر نہ آ سکتی ہو۔[۲۳]

سفر حج :

اگر زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے، خواہ حج واجب ہی کیوں نہ ہو، تو احناف کے نزدیک مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک اگر عورت محرم کے ساتھ حج کو جائے تب بھی نفقہ واجب نہ ہوگا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو قیام کا نفقہ ملے گا۔[۲۴] لیکن شیعوں کے نزدیک حج کے واجب ہونے کی صورت میں زوجہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔[۲۵] ہمارے نزدیک فریضۂ حج کے واجب حج ہونے کی صورت میں اس کی ادائیگی میں شوہر کو منع کرنے کا حق بلا وجہ جائز نہ ہونا چاہیے اور محض عدم اجازت کی صورت میں (جب کہ وہ بلا وجہ جائز ہو) زوجہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔ کیونکہ بلا وجہ جائز شوہر کی اجازت کے مقابلے میں حج کے رکن اسلام ہونے کے سبب شرعی مصلحت مقدم ہونی چاہیے۔

ملازمت وغیرہ :

اگر زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر رہ کر

---

(۲۳) "ولو مرضت المرأة فی بیت زوجها بعد الدخول فانتقلت الی دار ابیها ۔۔۔ وان کان لا یمکن نقلها فلها النفقة" ۔ فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵ ۔

(۲۴) "لزوجة التی تسافر الی الحج ولولا داع فریضة بدون ان یکون معها زوجها لا نفقة لها علیه مدة غیابها و ان سافرت مع محرم لها" ۔ دفعہ ۱۶۸، الا حکام الشریعه فی الاحوال الشخصیه، مصر،
بحر الرائق مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۷ ۔
فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۳۲۹ ۔
فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ ۔

(۲۵) جامع الاحکام فی فقه الاسلام، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۸۳ع جلد ۱، صفحہ ۲۱۵ ۔

ملازمت یا حصول معاش کے لئے کوئی کام کرتی ہو تو مرد پر زوجہ کا نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر نفقہ کا لزوم '' احتباس '' کی بناء پر ہے۔[۲۶]

حالت قید :

جب عورت قید میں ہو اور شوہر کے لیے اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہ ہو گا۔ لیکن اگر مرد قید میں ہو تو عورت کا حق نفقہ متاثر نہ ہوگا۔[۲۷]

نشوز (نافرمانی) :

عورت نافرمان ہونے کے سبب نفقہ کے حق سے محروم ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ جائز کے شوہر کے گھر سے نکل جائے۔[۲۸] لیکن اگر عورت شوہر کے گھر میں مقیم ہو مگر اس کو وطی نہ کرنے دے تو ناشزہ نہ کہلائے گی۔[۲۹]

---

(۲۶) الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیه ' مصر ' دفعہ ۱۶۹ -
قدوری (عربی) صفحہ ۱۴۶ -
بحرالرائق ' مطبوعہ مصر ' جلد ۴ صفحات ۱۹۰ ' ۱۹۶ -

(۲۷) فتاویٰ قاضی خاں ' مطبوعہ ہند ' جلد ۱ ' صفحہ ۱۹۶ -
الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیه ' مصر ' دفعہ ۱۷۰ -
قدوری ' صفحہ ۱۴۲ -
بحرالرائق ' مطبوعہ مصر ' جلد ۴ ' صفحہ ۱۹۶ -

(۲۸) '' والناشزة لا نفقة لها و هی التی خرجت عن منزل الزوج بغیر اذنه بغیر حق -'' فتاویٰ قاضی خاں ' مطبوعہ ہند ' جلد ۱ ' ۱۹۵ -
الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیه ' مصر ' دفعہ ۱۷۱ -
قدوری ' صفحہ ۱۴۳ -
ردالمحتار در المختار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۶۳ -

(۲۹) ''ولو کانت مقیمة فی منزله ولم تمکنه من الوطی لا تکون نا شزه'' فتاویٰ قاضی خاں ' مطبوعہ ہند ' جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ -

عورت کے نفقے کا وجوب نکاح صحیح کی صورت میں ہے چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں (ماسوائے نکاح بلا شہود کے) نفقہ کا وجوب صرف اس وقت تک ہے جب تک فساد ظاہر نہ ہو۔ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد طرفین پر تفریق لازم ہوگی اور نفقے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔[30]

نفقے کے لزوم کے لیے زوجہ کا بصورت ممکنہ شوہر کے ساتھ رهنا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر عورت بلا کسی جائز وجہ کے شوہر کے ساتھ نہ رہے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو وہ نفقے کی مستحق نہ ہوگی۔[31] البتہ اگر شوہر شہر سے باہر لے جانا چاہے اور مابین زوجین کوئی ایسا معاہدہ موجود ہو جس کے تحت شوہر زوجہ کو شہر سے باہر نہ لے جانے کا پابند ہو اور اس صورت میں زوجہ باہر جانے سے انکاری ہو تو وہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زوجہ شوہر کے ساتھ رہنے سے اس بناء پر انکاری ہو کہ اس کا مہر معجل ادا طلب ہے تو اس صورت میں بھی اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔[32]

ارتداد :

زوجہ کے مرتد ہو جانے کے سبب اس کا حق نفقہ ساقط ہو

---

(۳۰) "المنکوحة نکاحاً فاسداً والموطواة بشبهة لا نفقة لها الا المنکوحة بلا شهود فاذا فرض الحاکم لا حداها نفقة قبل ظهور فساد النکاح و فرق بينهما فللزوج الرجوع عليها بما اخذته منه بامر الحاکم لا بما اخذته بلا أمره" - الاحکام الشرعية فی الاحوال الشخصيه ' دفعہ ۱۷۳ -
ردالمحتار در مختار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۶۱ -

(۳۱) فتح القدیر ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۲۶ -
ردالمحتار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۶۳ -

(۳۲) ملاحظہ ہو دفعہ ۸۰ شرح قانون مہر مجموعۂ ہذا -

جاتا ہے۔[۳۲] چونکہ ارتداد کے سبب نکاح فسخ ہو جاتا ہے اس لیے نفقے کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ زوجین میں سے کسی کا مرتد ہو جانا ملک نکاح کے منافی ہے۔

معصیت زوجہ :

عورت کا حق نفقہ اس صورت میں ساقط ہو جائے گا جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو۔ مثلاً عورت سے شوہر کے خاندان کے محارم کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے حرمت مصاہرت لازم آئے تو عورت کا نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا اور زوجین میں تفریق کرانا لازم ہوگا۔[۳۳]

زمانۂ عدت :

زوجہ کے بہ زمانۂ عدت نفقے کے سلسلے میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بوجۂ وفات عدت میں ہو اور دوسرے یہ کہ وہ بسبب طلاق عدت میں ہو۔ بوجۂ وفات عدت میں ہونے کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا[۳۵] البتہ بوجۂ طلاق زمانۂ عدت میں نفقہ کے احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، تو مرد پر اس عورت کا نفقہ

(۳۲) ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳۔
قدوری، صفحہ ۱۷۰۔
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۴، صفحہ ۵۶۷۔

(۳۳) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مولفہ عبد الرحمٰن الجزیری، جلد ۴، صفحہ ۵۶۷۔
ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳۔

(۳۵) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مصر، جلد ۴ صفحہ ۵۶۷۔

عدت کے ختم ہونے تک واجب رہے گا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک زمانۂ عدت میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ امام شافعی اپنے دعوے کی دلیل میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں مگر رسول اللہ صلعم نے فاطمہ کے واسطے کوئی نفقہ مقرر نہیں کیا تھا۔ احناف کے قول کے مطابق اس حدیث کو حضرت عمر اور حضرت عائشہ اور کبار تابعین نے رد کر دیا ہے۔ طحاوی اور دار قطنی نے حضرت عمر کی روایت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے سنا کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مطلقۃ الثلاث کے لیے نفقہ اور مسکن ہے۔[۳٦]

صحیح تر شرعی حکم :

اس ضمن میں احناف کا مسلک قابل ترجیح ہے کیونکہ عورت طلاق رجعی کی صورت میں مرد کے نکاح میں رہتی ہے، مرد جب چاہے اس سے رجوع کر سکتا ہے اور وہ اس کے نکاح سے کلّیتہً آزاد نہیں ہوئی اس لیے مرد پر نفقہ واجب ہونا چاہیے، نیز طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ کی صورت میں اگرچہ زوجہ اس مرد کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے لیکن دوران عدت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، اس بناء پر نفقہ کا وجوب باقی رہنا چاہیے۔

زوجۂ مغصوبہ کا نفقہ :

اگر زوجہ کو کوئی شخص غصب کر کے لے جائے تو مرد پر اس عورت کا نفقہ واجب نہیں رہتا[۳۷] کیونکہ شوہر کا حق استمتاع معطّل ہو جاتا ہے۔

---

(۳٦) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر باب النفقات، جلد ۳، مطبوعہ مصر۔

(۳۷) قدوری، صفحہ ۱۴۳۔
کنز الدقائق، مطبع مجتبائی، دہلی، صفحہ ۱۵۲۔
ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ٦٦٦۔

نفقے کی مقدار

۸۷۔ زوجہ کے نفقے کے تعین میں شوہر اور زوجہ دونوں کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جائے گا ۔ اگر دونوں کی حیثیت میں فرق ہو تو اوسط درجے کا نفقہ دلایا جائے گا ۔

تشریح

حنفیوں کے نزدیک نفقہ میں عورت کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جاتا ہے ۔ جب کہ شافعیہ مرد کے رتبہ اور حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں لیکن صحیح تر یہ ہے کہ دونوں کی حیثیت مدنظر رکھی جائے ۔[۳۸]

اگر عورت مالدار ہو اور مرد تنگ دست ، تو حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس پر متوسط درجے کا نفقہ واجب ہوگا ، لیکن شافعیہ کے نزدیک جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے لینفق ذوسعة من سعته[۳۹]، اس پر تنگ دست کا نفقہ واجب ہوگا ۔

گزشتہ زمانے کا نفقہ

۸۸۔ عورت کو حق ہوگا کہ وہ شوہر سے گزشتہ زمانے کے نفقہ کے جائز اخراجات کی ادائگی کا مطالبہ کرے ۔

تشریح

احناف کے نزدیک عورت گزشتہ زمانے کے نفقے کا مطالبہ نہیں کر سکتی الاّ یہ کہ باہمی ایسی کوئی قرار داد یا عدالتی ڈگری موجود ہو ، لیکن شافعیہ کے نزدیک عورت کو گزشتہ زمانے کے

(۳۸) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۸۸۳ ۔
فتح القدیر ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۳۲۲ ۔
ردالمحتار ، مطبوعہ مصر ، باب النفقہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۶۶۳ ۔
فتاویٰ عالمگیری ، مطبوعہ ھند ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۴۳ ۔
(۳۹) پارہ ۲۸ ، سورہ الطلاق ، رکوع ۱ ۔

نفقے کی ادائگی کا حق حاصل ہے ۔[۵۰] امام مالک و احمد ابن حنبل کا بھی یہی قول ہے ۔[۵۱] اس باب میں ائمۂ ثلاثہ کا مذہب قرین مصلحت ہے ۔

مرد کے غیاب میں نفقہ

۸۹۔ اگر شوہر غائب ہو تو زوجہ شوہر کے نام پر قرضہ لے کر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور قرض خواہ اس کے شوہر سے وصول کر سکتا ہے ۔ بشرطیکہ نفقہ عدالت کی جانب سے مقرر کردہ ہو۔

تشریح

احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر عدالت نے عورت کا نفقہ مقرر کر دیا ہے مگر مرد غائب ہے اور عورت کو نفقہ نہیں دیتا اور نہ ہی مرد کی کوئی جائداد یا کاروبار ایسا ہے جس سے عورت اپنے نفقے کا انتظام کر سکتی ہو تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ مرد کے نام پر قرض لے کر اپنے نفقے کے اخراجات پورے کرے بشرطے کہ نفقہ عدالت کا مقرر کردہ ہو لیکن امام مالک ' امام شافعی ' امام احمد ابن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ عورت کا مرد کے غائب ہونے کے سبب قرض لینے کا اختیار مطلق (Absolute) ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ نفقہ پہلے سے عدالت کا مقرر کردہ ہی ہو ۔[۵۲]

---

(۵۰) قدوری صفحہ ۱۴۷ ۔
کنز الدقائق ' مصر ' صفحہ ۱۵۳ ۔
ردالمحتار ' مصر ' جلد ۲ ' باب النفقہ ' صفحہ ۷۴۹ ۔
بحرالرائق ' مصر ' جلد ۴ ' باب النفقہ ' صفحہ ۲۰۲ ۔
(۵۱) مجمع الانہر ' مصر ' جلد ۱ ' صفحہ ۴۹۸ ۔
(۵۲) مجمع الانہر ' مصر ' جلد ۱ ' صفحہ ۴۹۸ ۔
بحرالرائق ' مصر ' جلد ۴ ' صفحہ ۲۱۰ ۔

لیکن احناف کا نقطہ نظرعام نفسیات انسانی کے مطابق ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا جانا چاہیے ۔

قید بسبب عدم ادائی نفقہ

۹۰۔ اگر مرد عورت کے نفقہ کی فراہمی سے مسلسل غفلت اور کوتاھی برتتا ھو تو عورت عدالت میں نفقہ کی عدم ادائگی کی صورت میں مرد کو قید کیے جانے کی درخواست پیش کرنے کی مجاز ہوگی ۔

تشریح

شرع نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر شوھر زوجہ کو نفقہ دینے سے غفلت اور کوتاھی برتتا ھو تو وہ عدالت میں شوھر کے خلاف شکایت پیش کر سکتی ہے۔ قاضی شوھر کو نفقے کی ادائگی کا حکم دے گا۔ اگر شوھر باوجود حکم کے نفقہ نہ دے تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ شوھر کو ایک مدت معینہ تک قید میں رکھنے کا حکم دے۔[۴۳] بعض فقہاء نے عدم ادائے نفقہ کی بناء پر قید کی مدت ایک ماہ اور بعض نے تین ماہ لکھی ہے۔

براء نفقے کا معاہدہ

۹۱۔ زوجین کے درمیان یہ معاہدہ یا زوجہ کا یہ اقرار کہ مرد پر نفقہ واجب نہ ہوگا یا وہ نفقہ نہ لے گی ، باطل ہوگا ۔

تشریح

شوھر کے ذمہ اپنی زوجہ کے نفقہ کی ادائگی مقاصد نکاح کی تکمیل کا ایک وسیلہ ہے ، جو مصلحت شرعی پر مبنی ہے اس لیے کوئی ایسا معاہدہ جو عورت کے اس حق کو متاثر کرتا ھو

(۴۳) مجمع الانہر ' مطبوعہ مصر ' جلد ۱ ' صفحہ ۴۹۹ ۔
بحرالرائق ' مطبوعہ مصر ' جلد ۴ ' صفحہ ۲۰۲ ۔

غیر نافذ قرار پائے گا، کیوں کہ ایسا معاهده مصلحت عامہ کے منافی ہے۔[۴۴]

تفریق بربنائے تنگدستی

۹۲۔ کسی عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ شوہر کی تنگدستی کے سبب تفریق کی طالب ہو الّا یہ کہ حاکم عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ معاش کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

تشریح

احناف کے نزدیک اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرے تو ان کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے گی خواہ شوہر تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔ احناف اپنے قول کی دلیل میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :

''لینفق ذوسعة من سعته و من قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله، لایکلف الله نفسا الا ما آتاها، سیجعل الله بعد عسر یسرا۔''[۴۵]

(یعنی کشایش والے کو چاهیے کہ اپنی کشایش کے مطابق خرچ کرے اور جو شخص تنگی کی گئی اس پر اس کے رزق کی، پس چاهیے کہ خرچ کرے اس چیز سے کہ دی ہے اللہ نے اس کو، کہ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر جتنا کہ دیا ہے اس کو، اللہ جلد ہی سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا)۔

احناف کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ میں فارغ البال بھی تھے اور تنگدست بھی لیکن دور نبوی میں ایک بھی ایسی

(۴۴) بحرالرائق، مطبوعہ مصر، باب النفقة، جلد ۴، صفحہ ۲۰۳۔
(۴۵) پارہ ۲۸ سورة الطلاق رکوع ۱۔

مثال موجود نہیں کہ شوہر کی عسرت و تنگدستی یا عدم انفاق کے سبب تفریق کرائی گئی ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک اگر شوہر باوجود فارغ البالی کے اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرے تو قاضی تفریق کا حکم کرنے کے بجائے شوہر کو قید کر دے یا اس کے مال کو فروخت کر کے عورت کو نفقہ دلائے اور اگر عدم فراہمی نفقہ عسرت اور تنگدستی کے سبب ہو تو شوہر کو مہلت دی جانی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تنگی کے بعد فراغت دے گا۔ چنانچہ حنفیوں کے نزدیک اگر حاکم عدالت کے سامنے ایسا مقدمہ آئے تو اوّلاً عورت کو مرد کے نام قرض لے کر نفقہ کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ شیعہ علماء بھی احناف کے نقطہ نظر سے متفق نظر آتے ہیں۔

البتہ ائمۂ ثلاثہ، امام شافعی، امام، امام احمد بن حنبل کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرتا ہو تو ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان عورتوں کو ایسے مردوں کے نکاحوں میں رکھنا ان عورتوں پر ظلم و زیادتی کے مترادف ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا تمسکوھن ضراراً لتعتدو[۳۶]"

(یعنی مت روکو ان کو ایذا دینے کے لیے، کہ ان کے ساتھ زیادتی کرو)

چونکہ عورت کو ایسے مرد کے نکاح میں رہنے کے لیے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم کو دفع کرنا قاضی کا فرض ہے لہذا

---

(۳۶) پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۹۔

جب شوہر زوجہ کو علیحدہ کرنے پر راضی نہ ہو تو قاضی شوہر کے قایم مقام کی حیثیت سے ان کے درمیان تفریق کا حکم دینے کا مجاز ہوگا۔

تجزیہ :

احناف کا یہ نظریہ کہ پہلے قاضی مرد کے نام پر قرض لے کر نفقے کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دے گا عملی طور پر متعدد دشواریوں کا حامل ہے۔ اور یوں بھی نفقے کا مستقل بندوبست قرض سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہمارے نزدیک حاکم عدالت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا مستقبل قریب میں معاش کا کوئی امکان موجود ہے؟ اگر کوئی امکان موجود نہ ہو اور تنگی کی بناء پر اس امر کا اندیشہ ہو کہ عورت معصیت میں مبتلا ہو جائے گی تو حاکم عدالت پر لازم ہو گا کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دے۔

امام شافعی کا نقطۂ نظر، کہ مرد کی تنگدستی اور عورت کو نفقہ دینے کی عدم صلاحیت کی بناء پر تفریق کرا دی جائے، مناسب نظر آتا ہے، البتہ ایسی صورت میں شوہر کو مناسب مہلت دینا احسن ہوگا۔

تفریق کی نوعیت :

عدم ادائے نفقہ کی بناء پر تفریق طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اگر شوہر دوران عدت عدالت میں اس امر کا قرار واقعی ثبوت پیش کر دے کہ وہ صاحب فراغت ہے اور زوجہ کو نفقہ دینے پر قادر ہے یا نفقہ دینے کے لیے آمادہ ہے[۳۷] تو اسے

---

(۳۷) تفریق القاضی لعدم الانفاق یقع رجعیاً و وللزوج ان یراجع زوجته فی العدة بشرط ان یثبت یسارہ و یستعدلانفاق۔ (قانون الاحوال الشخصیه، شام دفعه ۱۱۱)۔

اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ بشرطے کہ عدت کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔

دیگر مسلم ممالک میں :

نفقہ نہ دینے کی صورت میں تفریق کے سلسلہ میں متعدد مسلم ممالک میں بھی قانون سازی کی گئی ہے۔ چنانچہ قانون الاحوال الشخصیہ، عراق کی دفعہ ۴۳ کے تحت زوجہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے کسی عذر سرعی کے بغیر نفقہ نہ دینے کی صورت میں عدالت میں تفریق کی درخواست پیش کر سکتی ہے۔ اور عدالت شوہر کو ساٹھ یوم کی مہلت کے اندر اندر نفقہ مہیا کرنے کا حکم دے گی۔ اسی طرح نافذ الوقت مصری قانون کے تحت بھی ایک ماہ کی مہلت کے اندر اگر شوہر عورت کو نفقہ دینے سے قاصر رہے تو عدالت تفریق کا حکم دے گی بشرطے کہ شوہر کا کوئی مال ظاہراً موجود نہ ہو جس سے زوجہ نفقہ کے اخراجات پورے کر سکے۔ دفعہ ۹۱ قانون حقوق العائلۃ الاردنی کے تحت ایک سال تک عدم فراہمی نفقہ کی صورت میں عدالت تفریق کا حکم دے گی۔ دفعہ ۱۱۰ قانون الاحوال الشخصیہ، شام کے تحت زوجہ کو اس صورت میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے جب کہ شوہر موجود ہو اور بلا کسی مجبوری کے زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرتا ہو لیکن اگر وہ عدالت کے روبرو اپنی مجبوری ثابت کر دے تو عدالت اسے تین ماہ تک کی مہلت دے گی جس کے دوران نفقہ فراہم کرنا لازمی ہو گا۔ بصورت عدم فراہمی تفریق کرا دی جائے گی۔ نیز دفعہ ۱۱۱ کے تحت یہ صراحت کردی گئی ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہو گی اگر دوران عدت شوہر

نفقہ کا انتظام کر سکے اور زوجہ کو نفقہ فراہم کر دے تو اپنی زوجہ سے رجوع کا حق ہو گا۔

تجویز

پاکستان میں رائج الوقت قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ء کی دفعہ ۲ ذیلی دفعہ (۲) کے تحت عورت کو اس صورت میں طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے جب کہ شوہر دو سال تک نفقہ دینے سے انکاری رہا ہو یا اس نے فراہمی نفقہ سے غفلت برتی ہو۔

اکثر اوقات دعوے کے تصفیہ میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور عورت ایک مدت تک مصائب و آلام کا شکار رہتی ہے۔ ہمارے ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر جب کہ عورت عام طور پر اپنی معاش کے حصول پر قادر نہیں، عدم اتفاق کی صورت میں طلب تفریق کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے نفقہ میں شوہر کی جانب سے دو سال تک غفلت یا انکار کی شرط میں ترمیم کرنا ضروری ہے بلکہ اگر شوہر چھ ماہ تک نفقہ دینے سے غفلت برتے یا بلاوجہ جائز انکار کرے تو عورت کو عائلی عدالت میں طلب تفریق کی درخواست پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ اگر عدالت شوہر کے نفقہ نہ دینے کی وجوہ اور اس کے مالی حالات کا جائزہ لے کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نفقہ نہ دینے کی جائز وجوہ موجود نہیں اور شوہر تنگدست بھی نہیں ہے تو عدالت کو بلا تاخیر تفریق کا حکم جاری کرنا چاہیے۔ اور اگر شوہر تنگدستی کے سبب نفقہ دینے سے معذور ہو نیز یہ باور

کرنے کی وجوہ موجود ہوں کہ مستقبل قریب میں حصول معاش کا کوئی امکان نہیں تو عدالت کو بلا کسی مہلت کے تفریق کا حکم دے دینا چاہیے۔ البتہ اگر معاش کا امکان نظر آئے تو شوہر کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک کی مہلت دی جائے اگر وہ تین ماہ کے اختتام پر اپنی فارغ البالی اور زوجہ کو نفقہ دینے کی استطاعت اور آمادگی ثابت نہ کر سکے تو عدالت کو تفریق کا حکم جاری کر دینا چاہیے۔

کتب حوالہ و استفادہ

ابو داؤد، نولکشور، لکھنؤ

احکام الاحوال الشخصیہ فی الشریعۃ الاسلامیہ، عبدالرحمن تاج، مصر، ۱۹۵۵ع -

احکام السلطانیہ، ابوالحسن ماوردی، (متوفی ۴۵۰ھ) قرآن محل، کراچی

احکام الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، مصر ۱۹۶۱ع -

ادوار فقہیہ، محمود شہابی، تہران، ۱۹۵۰ع -

اسٹڈیز ان مسلم لا، این، یو - اے صدیقی، ڈھاکہ، ۱۹۵۵ع -

اسلامک جورس پروڈنس، کمال - اے - فاروق، کراچی، ۱۹۶۲ع -

اسلامک جورس پروڈنس ان دی موڈرن ورلڈ، اے - اے - قادری، علی گڑھ، ۱۹۶۲ع -

اسلامک سرویز ۲، کولسن، ایڈنبرا، ۱۹۶۴ع -

اسلامک لا ان تھیوری اینڈ پریکٹس، عزیز احمد، لاہور، ۱۹۵۶ع -

سلامک لا ان موڈرن ورلڈ، انڈرسن، نیویارک، ۱۹۵۹ع -

اسلام کا نظام قانون، عبدالقادر عودہ (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۳۷۶ھ -

اسلامی قانون کی تدوین، امین احسن اصلاحی، لائل پور، ۱۹۶۴ع -

اصول فقہ اسلام، سر عبدالرحیم، حیدرآباد (دکن)، ۱۹۲۹ع -

اصول فقہ، محمد ابوزہرہ، مصر، ۱۹۵۷ع -

الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۱ع -

الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ، مصر -

الاستبصار، ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی، (متوفی ۴۶۰ھ) نجف -

الاشباہ و النظائر، زین العابدین ابن نجیم، مصر، ۱۳۲۲ ہجری -

التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، عبدالعزیز عامر، مصر، ۱۹۵۷ع -

الجامع الکبیر، محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ)، مصر، ۱۳۵۶ھ -

الرد علی سیر الاوزاعی، ابویوسف، (متوفی ۱۸۲ھ) مصر -

الرسالہ، امام شافعی، (متوفی ۲۰۴ھ) مصر ۱۹۶۰ع -

الزواج و الطلاق، محمد جواد مغنیہ، بیروت، ۱۹۶۰ع -

السنن الکبریٰ، البیہقی، حیدرآباد (دکن)، ۱۳۴۴ھ -

الطلاق مرتان، تمنا عمادی، ڈھاکہ، ۱۹۶۳ع -

الفاروق، شبلی نعمانی، کراچی -

الفقہ علی المذاہب الخمسہ، محمد جواد مغنیہ، بیروت، ۱۹۶۰ع -

الکافی، ابی جعفر بن محمد الکلینی، (متوفی ۳۲۸ھ) طہران، ۱۳۷۷ھ -

المبسوط، سرخسی، (متوفی ۴۸۳ھ)، مصر، ۱۳۲۷ھ -

المحلی، ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) مصر، ۱۳۴۷ھ -

المدونۃ الکبری، امام مالک، (متوفی ۱۷۹ھ) مصر، ۱۳۲۳ھ -

المستدرک، الحاکم نیشاپوری، حیدرآباد (دکن)، ۱۳۳۴ھ۔
المسند، احمد بن حنبل، (متوفی ۲۴۱ھ)، مصر، ۱۹۴۹ع۔
المغنی، ابن قدامہ، (متوفی ۶۲۰ھ) مصر، ۱۳۶۷ھ
المقدمات، ابن رشد، (متوفی ۵۲۰ھ) مصر،
امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، مناظر احسن گیلانی، کراچی، ۱۹۶۰ع۔
امداد الفتاوی، اشرف علی تھانوی، کراچی۔
انٹروڈکشن ٹو اسلامک لا، جوزف شاخت، لندن، ۱۹۶۴ع۔
انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا، نواب سر عبدالرحمن، کلکتہ، ۱۹۰۷ع۔
اوریجنس آف محمڈن جورس پروڈنس، جوزف شاخت، لندن، ۱۹۵۹ع۔
آؤٹ لائنز آف محمڈن لا، فیضی، لندن، ۱۹۵۵ع۔
اینگلو محمڈن لا، ولسن، کلکتہ، ۱۹۳۰ع۔
بحر الرائق، ابن نجیم، مصر، ۱۳۱۱ھ۔
بدائع الصنائع، الکاسانی، (متوفی ۵۸۷ھ) مصر، ۱۳۲۷ھ۔
بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، ابن رشد، مصر۔
پرنسپلز آف لا میکنگ ان اسلام، صبحی محمصانی و دیگران، لاہور، ۱۹۶۱ع۔
پرنسپلز آف محمڈن لا، طیب جی، بمبئی۔
پرنسپلز آف محمڈن لا، ملا، کلکتہ ۱۹۶۳ع۔
تاریخ فقہ اسلامی، الخضری، دارالمصنفین، (اردو ترجمہ) اعظم گڑھ، ۱۹۶۱ع۔
ترمذی۔
تعزیرات پاکستان، ۱۸۶۰ع۔
تفسیر جامع الاحکام، قرطبی۔
جامع الاحکام فی فقہ الاسلام، سید امیر علی، لکھنؤ، ۱۸۸۳ع۔
حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی۔
حقوق در اسلام، مجید خدوری، ترجمہ زین العابدین، تہران، ۱۳۳۶ھ۔
حیات امام ابوحنیفہ (اردو ترجمہ) ابو زہرہ، لاہور، ۱۹۶۲ع۔
حیات امام احمد بن حنبل (اردو ترجمہ) ابو زہرہ، لاہور، ۱۹۶۱ع۔
حیات حافظ ابن القیم (اردو ترجمہ)، عبدالعظیم عبدالسلام، شرف الدین، لاہور، ۱۹۶۳ع۔
در مختار بر حاشیہ ردالمحتار، مصر۔
ڈائجسٹ آف اینگلو محمڈن لا، محمداللہ، ایس، جنگ الہ آباد، ۱۹۳۲ع۔
ڈائجسٹ آف محمڈن لا، بیلی، لاہور، ۱۹۵۸ع۔
ڈیولپمنٹ آف مسلم تھیالوجی، جورس پروڈنس اینڈ کانسٹی ٹیوشنل تھیوری، میکڈانلڈ، لاہور، ۱۹۶۰ع۔
ڈزولیوشن آف مسلم میریجز ایکٹ، ۱۹۳۹ع۔
ردالمحتار، ابن عابدین، مصر۔
سیرۃ النعمان، شبلی نعمانی، لاہور۔
سیرت امام شافعی، خالد انصاری، بھوپال، ۱۹۶۳ع۔
شرائع الاسلام، ابی القاسم نجم الدین جعفر بن الحسن الحلی، (متوفی ۶۷۶ھ)، ایران، ۱۳۷۷ھ۔
شرح الاحکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیہ، محمد زید الیانی، مصر، ۱۹۲۰ع۔
شرح الاشباہ و النظائر، حموی (متوفی ۹۷۰ھ) لکھنؤ۔
شرح السیر الکبیر، سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ)، مصر، ۱۳۳۵ھ۔
شرح الوقایہ، عبیداللہ بن مسعود (متوفی ۷۴۷ھ) کراچی، ۱۹۵۹ع۔
شرح فتح القدیر، ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) مصر۔
شرح قانون الاحوال الشخصیہ سوریہ، مصطفی

السباعی، دمشق، ۱۹۶۴ء۔
شرح قانون الاحوال الشخصیہ، نمبر ۱۸۸ بابت ۱۹۵۹ء، عراق، علاء الدین خروفہ، بغداد، ۱۹۶۲ء۔
شریعت (ایپلیکیشن) ایکٹ ۱۹۳۷ء۔
صحیح، ابن حبان، مصر۔
صحیح بخاری، امام محمد بخاری، مطبع مجتبائی، دہلی۔
عائلی قوانین آرڈی ننس، مجریہ ۱۹۶۱ء۔
عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ، امین احسن اصلاحی، لائل پور، ۱۹۶۰ء۔
عورت کا عائلی مقام، ممتاز جہاں بیگم، کراچی۔
فتاوی العالمگیری، جلد الثانی، کتاب النکاح، مطبع عیدی، کان پور۔
فتاوی قاضی خان، فخر الدین بن حسن (متوفی ۵۹۲ھ) دہلی۔
فتح المعین، علامہ ابی السعود، مصر،
فقہ الاسلام، حسین احمد الخطیب، (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۱ء۔
فقہ عمر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، لاہور، ۱۹۶۰ء۔
فلسفۂ شریعت اسلام، صبحی محمصانی، لاہور، ۱۹۵۵ء۔
قانون ازدواج عیسائیاں، ۱۸۷۲ء۔
قانون امتناع ازدواج اطفال، ۱۹۲۹ء۔
قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ء۔
قانون بلوغ، ۱۸۷۵ء۔
قدوری، اصح المطابع و قران محل، کراچی۔
قرآن پاک—
ترجمہ: تھانوی۔ اشرف علی،
محدث دہلوی، شاہ عبدالقادر،
مودودی، سید ابوالاعلی،
شیخ الہند، محمود الحسن،

تفسیر: ابن کثیر، اصح المطابع، کراچی،
سید ابوالاعلی مودودی، لاہور
شبیر احمد عثمانی، کراچی
عبدالماجد دریا بادی۔
کتاب الآثار، امام محمد، قرآن محل، کراچی۔
کتاب الاختلاف الفقہاء، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، لندن، ۱۹۳۳ء۔
کتاب الام، امام شافعی، (متوفی ۲۰۴ھ) مصر، ۱۳۲۱ء۔
کتاب السنن، الدارقطنی، دہلی۔
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبد الرحمن الجزیری، مصر، ۱۹۳۶ء۔
کنز الدقائق، مطبع مجتبائی، دہلی۔
لباب المحل، ابن خلدون، مصر۔
مجلۃ الاحکام العدلیہ، اصح المطابع، کراچی۔
مجمع الانہر، ا ن سلیمان شیخ زادہ، مصر، ۱۳۲۷ھ
محمڈن تھیوریز آف فنانس، نکولاس اگنائڈس، لاہور، ۱۹۶۱ء۔
محمڈن لاء، سید امیر علی، بمبئی،
محمڈن لاء، محمد یوسف خان بہادر، کلکتہ، ۱۸۹۸ء
مسلم لاء، سکسینہ، الہ آباد، ۱۹۳۷ء۔
مسند، امام اعظم، قرآن محل کراچی۔
مشکوۃ شریف، قرآن محل کراچی۔
موطا، امام مالک، قرآن محل کراچی۔
موطا، امام محمد، قرآن محل کراچی۔
میتھول آف حدیث، محمد علی، لاہور، ۱۹۶۰ء۔
نسائی، مطبوعہ کراچی۔
نصب الرایہ، جمال الدین زیلعی (متوفی ۷۶۲ھ) سورت، ۱۹۳۸ء۔
ہدایہ، برہان الدین مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) دہلی، ۱۳۷۵ھ۔
ہدایہ برہان الدین مرغینانی (انگریزی ترجمہ) ہملٹن، لاہور، ۱۹۵۷ء۔
ہمارے عائلی مسائل، محمد تقی عثمانی، کراچی، ۱۳۸۲ھ۔

اشاریہ

شخصیات و مقامات

تیار کردہ : قاری منیر احمد